نوائے افغان جہاد

جمادی الاول ۱۴۴۱ھ
جنوری ۲۰۲۰ء
بانی مُدیر: حافظ طیّب نواز شہید

مُسلمِ خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تُو بھی ہو
وہ چمک اٹھا افق، گرمِ تقاضا تُو بھی ہو

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نصائح

’’تم سب دن اور رات کی گزرگاہ میں ہو، تمہاری عمریں کم ہو رہی ہیں
اور سارے اعمال حفاظت سے رکھے جا رہے ہیں اور موت اچانک آئے گی۔
جو خیر بوئے گا وہ اپنے پسند کی چیز کاٹے گا اور جو شر بوئے گا وہ ندامت وحسرت کاٹے گا۔
انسان جیسا بوئے گا ویسا ہی اسے ملے گا اور ہر انسان کو اس کے مقدر کا مل کر رہے گا،
لہٰذا سست آدمی کے مقدر میں جو لکھا ہوا ہے وہ اسے مل کر رہے گا اور کوئی تیز آدمی اس سے
آگے بڑھ کر اس کے مقدر کا نہیں لے سکتا اور خوب زیادہ کوشش کرنے والا
انسان وہ چیز حاصل نہیں کر سکتا جو اس کے مقدر میں نہیں ہے اور جسے کوئی خیر ملتی ہے
وہ اللہ تعالیٰ کے دینے سے ہی ملتی ہے اور جس کی کسی شر سے حفاظت ہوتی ہے،
وہ اللہ تعالیٰ ہی کے کرنے سے ہوتی ہے۔ متقی لوگ ہی سردار ہوتے ہیں اور فقہا لوگ
امت کے قائد ہیں، ان کے ساتھ بیٹھنے سے دین کی سمجھ بڑھتی ہے۔‘‘

أخرجهٔ أبو نعیم في الحلیة (ج 1 ص 134)

نوائے افغان جہاد

جلد نمبر: ۱۳، شمارہ نمبر: ۱

جمادی الاول ۱۴۴۱ھ — جنوری ۲۰۲۰ء

رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ کی راہ میں مجاہدین کا ذرا سا ڈر جانا بھی سال بھر کے روزوں اور کھڑے ہو کر عبادت کرنے کے برابر ہے۔ کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! مجاہدین کا ذرا سا ڈر کیا ہے؟ تو فرمایا کہ اونگھتے ہوئے اس کی تلوار گر جائے اور وہ اسے اٹھالے۔

[کنز العمال (کتاب الجہاد)]

اس شمارے میں

بانی مدیر، حافظ طیب نواز شہید رحمہ اللہ نفاذِ شریعت کی مبارک محنت اور دعوتِ جہاد میں سرگرمِ عمل تھے کہ انہیں پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں نے اسی جرم کے سبب اولاً گرفتار و لاپتہ کیا اور بعد ازاں ایک جعلی مقابلے میں شہید کر دیا۔

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (Email) پر رابطہ کیجیے: editor@nawaiafghan.com

www.nawaiafghan.com

www.nawai.co/Twitter

www.nawai.co/Channel

www.nawai.co/Bot

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے

قارئینِ کرام!

عصرِ حاضر کی سب سے بڑی صلیبی جنگ جاری ہے۔ اس میں ابلاغ کی تمام سہولیات اور اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے تمام ذرائع، نظامِ کفر اور اس کے پیروؤں کے زیرِ تسلط ہیں۔ ان کے تجزیوں اور تبصروں سے اکثر اوقات مخلص مسلمانوں میں مایوسی اور ابہام پھیلتا ہے، اس کا سدِ باب کرنے کی ایک کوشش کا نام 'نوائے افغان جہاد' ہے۔

نوائے افغان جہاد:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- عالمی جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

مسلم خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو!

دُنیا کے حالات نئی کروٹیں لے رہے ہیں، بلکہ حقیقتاً دنیا اپنی پرانی ترتیب کی جانب لوٹ رہی ہے۔ دنیا ایک بار پھر 'مذہبی' تقسیم کی جانب بڑھ رہی ہے۔

عالمی ٹھیکیداروں نے دنیا کو مذہب و رنگ و نسل سے 'بالا' ہو کر، سیکولرازم، جمہوریت، آزادی، مساوات، حقوقِ انسانی، وغیرہ جیسے نعروں اور نظریوں پر کھڑے ہونے کی ترغیب دی۔ One man, one vote، ہر آدمی نظامِ دنیا میں برابر کا شریک ہے، ہر ایک اپنی پسند کی حکومت اور نظام دنیا میں لا سکتا ہے۔ قدیم مذہبی ریاست کے تصور کو ختم کر کے قومی ریاستیں (Nation States) پچھلی صدی میں پروان چڑھائی گئیں۔ لیکن اسی 'بے خدا' زمانے میں، اپنے ظاہری نعروں اور نظریوں کے برخلاف ایک کٹر مذہبی ریاست 'اسرائیل' کی بنیاد ڈالی گئی۔

تین برس قبل امریکہ میں ڈانلڈ ٹرمپ برسرِ اقتدار آیا، جس کے اپنے بقول 'آج تک وائٹ ہاؤس میں سب سے زیادہ اسرائیل کا حامی اور پشت پناہ جو صدر براجمان ہوا ہے اس کا نام ہے ڈانلڈ جے ٹرمپ!'۔ ٹرمپ محض صہیونی صلیبی عیسائی نہیں بلکہ سفید فاموں کی نسلی برتری پر بھی یقین رکھتا ہے۔ ٹرمپ کے دورِ حکومت میں دو ہزار کے قریب سیاہ فاموں کو سفید فاموں نے قتل کیا، بلکہ اس قتل میں ریاستی پولیس بھی شامل رہی۔

چھ برس قبل بھارتیا جنتا پارٹی کے دوش پر نریندر مودی اقتدار میں آیا۔ پانچ سال کی مدت پوری ہوئی اور دوسری بار پھر مودی نے ہندوستان میں حکومت قائم کی۔ لَو جہاد جیسی لغو بہتان تراشی اور اس پر مسلمانوں کا ہجومی قتل (mob lynching)۔ گھر واپسی، تین طلاق قانون اور گاؤکُشی کے بدلے میں مسلم کُشی۔ دوسری حکومت قائم کرتے ہی کشمیر کو باقاعدہ ہندوستانی (اٹوٹ انگ) ریاست بنایا گیا۔ بابری مسجد کو رسمًا رام مندر بنایا گیا، مسلمانوں کی شہریت منسوخی جیسے قوانین منظور کیے گئے۔ تاج محل کو 'تیج مندر' بنائیں گے کہ اسے بنانے والا شاہ جہاں تھا جو اپنے آپ کو اسلام سے منسوب کرتا تھا۔

ایک سال قبل نیوزی لینڈ کے شہر کرائسٹ چرچ میں جمعے کی نماز کے لیے جمع مسلمانوں کا قتلِ عام کیا گیا اور قاتل نے اپنی نسبت صلیبی جنگوں (crusades) سے کی۔ اس صلیبی حملہ آور نے اپنی بندوق اور دیگر جنگی سامان پر جن لوگوں کے نام لکھ رکھے تھے انہی میں ایک پولینڈ کا بادشاہ بھی تھا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے پولینڈ کی حکومت کے ایک وزیر نے کہا کہ 'ہمیں اپنے اس بادشاہ پر فخر ہے، جس نے یورپ میں مسلمانوں (خلافتِ عثمانیہ) کو شکست دی'۔

'جدید' یورپی ملک پولینڈ میں مسلمانوں کے خلاف قانون سازی کر کے ان کے پولینڈ میں داخلے اور رہائش کو ممنوع قرار دیا گیا۔ ساتھ ہی وائٹ سپریمیسی (سفید فام برتری) کو ریاستی سطح پر نافذ کیا گیا۔ قانون میں واضح کہا گیا کہ پولینڈ کی امیگریشن پالیسی کے مطابق مسلمانوں اور غیر سفید فاموں کو پولینڈ میں رہنے کی اجازت کے متعلق غور کیا جائے گا (یعنی داخلہ ممنوع ہو گا)۔

پچھلے ماہ برطانیہ میں ہونے والے پارلیمانی انتخابات میں 'برطانوی ٹرمپ' بورِس جانسن[1] کی قیادت میں کنزرویٹو پارٹی (Conservative Party) یعنی قدامت پسند پارٹی نے تاریخی کامیابی حاصل کی ہے۔ بورس جانسن ایک سفید فام نسل پرست بھی ہے، کٹر عیسائی مذہبی بھی اور سب سے بڑھ کر اینٹی مسلم بھی۔

---

[1] بورس جانسن کے ایجنڈے، حرکتیں اور ظاہری صورت خصوصاً پیلے بال ٹرمپ جیسے ہیں۔

ساری دنیا انہی بنیادوں پر بیدار اور تقسیم ہو رہی ہے جن پر ڈیڑھ دو صدیوں قبل مرتب تھی۔ دنیا کے ہر خطے میں رونما ہونے والی تبدیلی میں ایک چیز مشترکہ ہے۔ ہر کسی کے ایجنڈے میں اینٹی اسلام نکات شامل ہیں اور بعض تو کلیتاً، صراحتاً بغیر کسی منافقت کے نقاب کے اینٹی اسلام و مسلمان ہیں۔ حتیٰ کے غیر مذہبی کمیونسٹ چین بھی ایک کروڑ سے زائد مشرقی ترکستان کے مسلمانوں پر 'صلیبی یلغاریوں' کی طرح ظلم و ستم کا بازار گرم کیے ہوئے ہے۔

ہر جگہ اینٹی اسلام نعروں اور نظریوں کا فروغ ہے۔ دنیا کے حالات نئی کروٹیں لے رہے ہیں، بلکہ حقیقتاً دنیا اپنی پرانی ترتیب کی جانب لوٹ رہی ہے۔ دنیا ایک بار پھر 'مذہبی' تقسیم کی جانب بڑھ رہی ہے۔

مسلمِ خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو
وہ چمک اٹھا افق، گرمِ تقاضا تو بھی ہو

کھینچ کر خنجر کرن کا، پھر ہو سرگرمِ ستیز
پھر سکھا تاریکیِٔ باطل کو آدابِ گریز

◆◆◆◆◆

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا کی حقیقت

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر نوّر اللہ مرقدہٗ

41- وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ مَا يُسْئَلُ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ النَّعِيْمِ اَنْ يُّقَالَ لَهٗ اَلَمْ نُصِحَّ لَکَ جِسْمَکَ وَنُرْوِيْکَ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ- رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن بندے سے نعمتوں کے متعلق جو پہلا سوال کیا جائے گا وہ یہ ہو گا کیا ہم نے تجھ کو صحت عطا نہیں کی اور ٹھنڈے پانی سے تجھ کو سیراب نہیں کیا۔

تشریح: صحت اور ٹھنڈا پانی بڑی نعمت ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میاں اشرف علی! پانی جب پیا کرو ٹھنڈا پیا کرو کہ ہر بُنِ مُو سے شکر نکلتا ہے۔ ایک بادشاہ جنگل میں پیاسا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ یا بزرگ بھیجا، انہوں نے کہا: ایک پیالہ پانی دوں گا کیا انعام دو گے؟ بادشاہ نے کہا: آدھی سلطنت دوں گا، ایک پیالہ پانی پینے کے بعد پھر اس کا پیشاب رک گیا۔ اس نے کہا: میں علاج کروں گا کیا دو گے بادشاہ نے کہا: بقیہ آدھی سلطنت دوں گا۔ پھر جب علاج کر دیا تو کہا کہ لے اپنا ملک اور اپنی سلطنت کی قیمت پہچان لے اور اب غرور نہ کرنا۔ (مظاہر حق میں یہ حکایت لکھی ہے)

42- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ حَتّٰى يُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمْرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ وَعَنْ مَّالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَاعَلِمَ- رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن آدمی کے پاؤں جنبش میں نہ آئیں گے جب تک اس سے یہ پانچ باتیں دریافت نہ کر لی جائیں گی: اس سے پوچھا جائے گا کہ اپنی عمر کو کس کام میں صَرف کیا، اپنی جوانی کس کام میں ختم کی، مال کیوں کر کمایا اور کیوں کر خرچ کیا اور جو علم حاصل کیا تھا اس کے موافق کیا عمل کیا۔

تشریح: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے عویمر! کیا حال ہو گا تیرا جب قیامت کے دن کہا جاوے گا کہ تو عالم تھا یا جاہل پس اگر کہے گا کہ عالم، تو کہا جاوے گا کہ کیا عمل کیا، اور اگر کہے گا جاہل تو کہا جاوے گا کہ علم کیوں نہیں سیکھا۔

فصلِ سوم

43- وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ اِنَّکَ لَسْتَ بِخَيْرٍ مِّنْ اَحْمَرَ وَلَا اَسْوَدَ اِلَّا اَنْ تَفْضُلَهٗ بِتَقْوٰى-رَوَاهُ اَحْمَدُ

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تو سیاہ اور سرخ رنگ کے سبب بہتر نہیں ہے مگر تو ان دونوں میں کسی ایک سے فضیلت حاصل کر سکتا ہے تقویٰ سے۔

تشریح: سیاہ سے مراد اہلِ عجم ہیں اور سرخ رنگ سے مراد عرب ہیں۔ اور مطلب حدیث شریف کا یہ ہے کہ فضیلت کا مدار ظاہری رنگ اور صورت پر نہیں ہے اور نہ نسبت پر ہے کہ فلاں سید اور فلاں پٹھان ہے بلکہ افضل وہ ہے جو زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾

ترجمہ: تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم وہ ہے جو تم سب سے زیادہ متقی ہے۔

44- وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا زَهِدَ عَبْدٌ فِی الدُّنْيَا اِلَّا اَنْبَتَ اللهُ الْحِکْمَةَ فِیْ قَلْبِهٖ وَاَنْطَقَ لَهَا لِسَانَهٗ وَبَصَّرَهٗ عَيْبَ الدُّنْيَا وَدَاءَهَا وَدَوَاءَهَا وَاَخْرَجَهٗ مِنْهَا سَالِمًا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ- رَوَاهُ الْبَيْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جس بندے نے دنیا میں زہد اختیار کیا (یعنی دنیا سے بے رغبتی کی) اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں حکمت پیدا کی اور حکمت کے ساتھ اس کی زبان کو گویا کیا اور دنیا کے عیوب اور اس کی بیماریاں اور ان بیماریوں کا علاج اس کو دکھایا، اور نکالا اس کو حق تعالیٰ نے دنیا اور آفات سے سالم دار السلام کی طرف۔

تشریح: مشائخ اور بزرگانِ دین نے اسی حدیث کے پیشِ نظر فرمایا کہ زہد اللہ تعالیٰ کے راستے کا پہلا قدم ہے۔ جس بندے کو حق تعالیٰ اپنا بنانا چاہتے ہیں اس کے دل کو دنیا سے اُچاٹ یعنی بے رغبت کر دیتے ہیں۔ اگر دنیا کی بے ثباتی اور فنائیت اور بے وفائی سمجھ میں آجائے کہ کس طرح بادشاہوں کو بھی چند گز کفن میں لپیٹ کر قبر میں کِس بے کسی کی حالت میں لٹا دیتے ہیں تو دل دنیا سے کبھی نہ لگے اور اللہ ایسے بندے کو اس بے رغبتی (زہد) کی بدولت دنیا کے فتنوں سے محفوظ فرما کر جنّت میں داخل کرتا ہے۔

45-وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَخْلَصَ اللهُ قَلْبَهٗ لِلْاِيْمَانِ وَجَعَلَ قَلْبَهٗ سَلِيْمًا وَّلِسَانَهٗ صَادِقًا وَّنَفْسَهٗ مُطْمَئِنَّةً وَّخَلِيْقَتَهٗ مُسْتَقِيْمَةً وَّجَعَلَ اُذُنَهٗ مُسْتَمِعَةً وَّعَيْنَهٗ نَاظِرَةً فَاَمَّا الْاُذُنُ فَقَمِعٌ وَّاَمَّا الْعَيْنُ فَمُقِرَّةٌ لِّمَايُوْعِی الْقَلْبُ وَقَدْ اَفْلَحَ مَنْ جَعَلَ قَلْبَهٗ وَاعِيًا- رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: وہ شخص فلاح پا گیا جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے لیے خاص و مخصوص کر لیا اور اس کے دل کو (حسد، بغض اور تمام اخلاقِ رذیلہ اور احوالِ بد سے) سالم رکھا اور اس کی زبان کو

سچا اور راست گو بنایا اور اس کے نفس کو مطمئن اور اس کی خلقت اور طبیعت کو مستقیم اور سیدھا بنایا (یعنی باطل اور کجی کی طرف مائل نہ ہونے والی) اور اس کے کانوں کو حق بات کا سننے والا اور آنکھوں کو (دلائلِ وحدانیت) کا دیکھنے والا بنایا پس کان قیف ہیں اور آنکھ اس چیز کو قائم رکھنے والی ہے جس کو دل محفوظ رکھتا ہے اور تحقیق اس شخص نے فلاح پائی جس کے دل کو حق بات کا محافظ بنایا گیا۔

تشریح: اور اللہ تعالیٰ نے اس کے نفس کو مطمئن کیا یعنی اپنی محبت اور ذکر سے اطمینان عطا فرمایا۔ کان کو قیف سے تشبیہ دی گئی کیوں کہ وہ حق بات کو سننے والے کے دل تک پہنچانے کا ذریعہ ہے (اور شکل بھی کان کی قیف کے مشابہ ہے) اور جو دلائلِ توحید صرف دیکھنے سے متعلق ہیں وہ آنکھوں کے ذریعے قلب تک پہنچتے ہیں۔ اور فلاح پائی اس شخص نے جس کے قلب کو محفوظ کرنے والا بنایا یعنی جو دلائلِ توحید سن کر یا دیکھ کر قلب تک پہنچتے ہیں ان کو جس کا قلب محفوظ کر لیتا ہے وہ فلاح پانے والا ہے۔

46-وَعَنْ عُقْبَةَ ابْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَأَيْتَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُعْطِي الْعَبْدَ مِنَ الدُّنْيَا عَلٰى مَعَاصِيْهِ مَايُحِبُّ فَاِنَّمَا هُوَ اسْتِدْرَاجٌ ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ رَوَاهُ اَحْمَدُ

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو دیکھے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو باوجود اس کے گناہ کرنے کے دنیا کی محبوب ترین چیزیں عطا فرماتا ہے تو سمجھ لے کہ یہ استدراج ہے (یعنی ڈھیل ہے اور مہلت) پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: فَلَمَّا نَسُواْ مَا ذُكِّرُواْ بِهِۦ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَىْءٍ حَتَّىٰٓ إِذَا فَرِحُواْ بِمَآ أُوتُوٓاْ أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ○

ترجمہ: یعنی جب کافر اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ وہ ان دی ہوئی چیزوں پر خوش ہو گئے پھر اچانک ہم نے عذاب میں گرفتار کر لیا اور وہ حیران رہ گئے۔

تشریح: استدراج کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شے کو کسی شے تک آہستہ آہستہ پہنچا دینا جیسے سیڑھی کے بہت سے درجات ہوتے ہیں اور ان پر قدم رکھتے رکھتے آدمی دوسری منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح جب گناہ گار نافرمان اپنی نافرمانی اور گناہ سے توبہ نہ کرے اور اس پر اللہ تعالیٰ اس کی محبوب اور پسندیدہ چیزوں کی بارش کرے اور یہ بے وقوف سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نعمتوں کے دروازے کھول دیے اور توبہ سے غفلت بڑھتی جاوے پھر اس کو اللہ تعالیٰ اچانک عذاب میں پکڑلے تو اس کو اردو میں ڈھیل اور عربی میں استدراج کہتے ہیں۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم کافروں کو جہنم کی طرف آہستہ آہستہ اس طرح کھینچ رہے ہیں کہ ان کو اس کا علم نہیں ہے۔

47-عَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ قُلْتُ لِاَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَالَكَ لَا تَطْلُبُ كَمَا يَطْلُبُ فُلَانٌ فَقَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَمَامَكُمْ عَقَبَةً كَئُوْدًا لَا يَجُوْزُهَا الْمُثْقِلُوْنَ فَاُحِبُّ اَنْ اَتَخَفَّفَ لِتِلْكَ الْعَقَبَةِ

ترجمہ: حضرت ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے کہا تم کو کیا ہوا کہ تم مال اور منصب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب نہیں کرتے جس طرح سے فلاں فلاں لوگوں نے طلب کیا، ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تمہارے سامنے ایک دشوار گھاٹی ہے اس سے وہ لوگ نہیں گزر سکتے ہیں جو گراں بار ہیں یعنی دنیا کا بوجھ لادے ہوئے ہیں اس لیے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اس گھاٹی پر چڑھنے کے لیے ہلکا رہوں اور دولت و منصب لے کر بھاری بوجھ اپنے اوپر نہ رکھوں۔

تشریح: دشوار گھاٹی سے مراد موت اور قبر اور میدانِ محشر کے وہ ہولناک اُمور ہیں جن سے ہر انسان کو گزرنا ہے۔

48- عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مِنْ اَحَدٍ يَّمْشِيْ عَلَى الْمَاءِ اِلَّا ابْتَلَّتْ قَدَمَاهُ قَالُوْا لَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ كَذٰلِكَ صَاحِبُ الدُّنْيَا لَايَسْلَمُ مِنَ الذُّنُوْبِ- رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا کوئی شخص پانی پر اس طرح چل سکتا ہے کہ اس کے پاؤں تر نہ ہوں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہی حال دنیادار کا ہے کہ گناہوں سے محفوظ نہیں رہتا۔

تشریح: مطلب حدیث شریف کا یہ ہے کہ مال داروں کو دنیا کی محبت سے نہایت اہتمام اور فکر سے بچنا چاہیے اور آخرت کو اپنی دنیا پر ترجیح دینی چاہیے، اور دنیا سے بے رغبتی اگر نہ ہو گی تو گناہ سے بچنا ناممکن ہو گا۔ دنیا کی دولت کا یہی نقصان کیا کم ہے کہ فقرا جنّت میں اغنیا سے (مال داروں سے) پانچ سو برس پہلے داخل ہوں گے عَافَانَا اللّٰهُ مِنْهَا بِكَرَمِهٖ وَفَضْلِهٖ ایک زاہد کی حکایت حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے کہ گناہوں سے بچنے کے لیے گوشہ نشینی اختیار کی۔ لوگوں نے کہا شہر کیوں نہیں آتا؟ کہا

بگفت آنجا پر یرویاں بنغزند
چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند

زاہد نے کہا کہ شہر کیسے آؤں وہاں حسین حسین پری چہرہ والے نغمہ گاتے ہیں اور جب کیچڑ بہت زیادہ ہو جاتی ہے تو ہاتھی پھسل کر گر پڑتا ہے یعنی ایسے گندے ماحول میں انسان گناہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

تنبیہ: اس کا یہ مطلب نہیں کہ بال بچوں کے لیے شہر میں روزی کمانے کے لیے نہ جاوے۔ مطلب یہ ہے کہ بدونِ سخت ضرورت ہر گز شہر نہ جاوے اور خلوت کو غنیمت سمجھے، البتہ اگر ضروری کام سے جانا ہو، جب فارغ ہو جاوے فوراً اپنے گھر آجاوے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی صحبت میں بیٹھ جاوے یا اللہ والوں کی کتاب کا مطالعہ کرنے لگے اور ذکر اللہ و تلاوت و نوافل پڑھے، گندے ماحول کے اثرات ان مذکورہ تدبیروں سے ختم ہو جاتے ہیں اور اپنے دنیا کے کاموں کے وقت بھی زبان کو ذکر اللہ سے تر رکھیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ نور ہی نور پیدا ہو گا۔

49-وَعَنْ جُبَيْرِ ابْنِ نُفَيْرٍ مُّرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُوْحِيَ اِلَيَّ اَنْ اَجْمَعَ الْمَالَ وَاَكُوْنَ مِنَ التَّاجِرِيْنَ وَلٰكِنْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ،وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰى يَاْتِيَکَ الْيَقِيْنُ

ترجمہ: حضرت جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاہے: مجھ کو وحی کے ذریعے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں مال کو جمع کروں یا تجارت کروں بلکہ وحی کی گئی ہے کہ تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور سجدہ کرنے والوں میں ہو، اور اپنے پروردگار کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھ کو موت آجاوے۔

تشریح: حضرت جبیر بن نفیر تابعی ہیں، یہ حدیث مرسل ہے۔ حدیث مرسل کی تعریف یہ ہے کہ تابعی کوئی روایت کرے اور صحابی کا واسطہ نہ ذکر کرے۔ سجدہ کرنے والوں سے ہو یعنی نمازیوں میں سے ہو۔ یقین کا ترجمہ اور اس کی مراد باتفاق مفسرین موت ہے۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تمام عمر تسبیح، تحمید، عبادت بالخصوص نماز کے ساتھ شغف اور استغراق رکھوں اور آخر عمر تک اس میں مشغول رہوں۔ پھر اس مشغولی کے ساتھ تجارت اور اُمور خرید و فروخت کا موقع کہاں!

کمانے والے کا یہ معاملہ ہے تو پھر حرام طور پر کمانے والوں کا کیا ذکر؟! یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے حرام کمانے والے کا تذکرہ نہیں فرمایا کہ یہ شیوہ اہل اسلام کا نہیں۔

50- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا اسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْئَلَةِ وَسَعْيًا عَلٰى اَهْلِهٖ وَتَعَطُّفًا عَلٰى جَارِهٖ لَقِيَ اللهَ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ وَجْهُهٗ مِثْلُ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَمَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا مُّكَاثِرًا مُّفَاخِرًا مُّرَائِيًا لَقِيَ اللهَ تَعَالٰى وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ -رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَاَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جو شخص جائز طور پر دنیا حاصل کرے سوال کی ذلت سے بچنے کے لیے، اہل و عیال پر خرچ کرنے کے لیے اور ہمسایہ کے ساتھ احسان کرنے کی نیت سے قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کے مانند چمکتا ہو گا، اور جو شخص جائز طور پر دنیا حاصل کرے اس نیت سے کہ مال زیادہ کرے اور اظہارِ فخر کرے اور لوگوں کو دکھاوے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ حق تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوں گے۔

تشریح: جب مال زیادہ کرنے اور فخر کے لیے اور لوگوں کو دکھانے کے لیے حلال طور پر کمانے والے کا یہ حشر ہو گا تو پھر حرام طور پر کمانے والوں کا کیا حشر ہو گا! یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے حرام کمانے والے کا تذکرہ نہیں فرمایا کہ یہ شیوہ اہلِ اسلام کا نہیں۔

51- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَمْ يُبَارَکْ لِلْعَبْدِ فِيْ مَالِهٖ جَعَلَهٗ فِي الْمَاءِ وَالطِّيْنِ

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندے کے مال میں برکت نہ دی جائے تو وہ اس کو پانی اور مٹی میں خرچ کرتا ہے یعنی عمارت بنانے میں۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو عمارت ضرورت سے زائد بنائی جاوے (اور جو عمارت اپنے رہنے کے لیے ہو یا کرایہ کی آمدنی کے لیے ہو وہ ضرورت میں شامل ہے۔ مظاہر حق)

52۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِتَّقُوا الْحَرَامَ فِي الْبُنْيَانِ فَاِنَّهٗ اَسَاسُ الْخَرَابِ۔ رَوَاهُمَاالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حرام مال کو عمارتوں میں لگانے سے اپنے آپ کو بچاؤ، حرام مال کا لگانا عمارتوں میں خرابی کی جڑ ہے۔

تشریح: "خرابی کی جڑ ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کی خرابی کی جڑ ہے اور احتمال رکھتا ہے کہ عمارت کی خرابی مراد ہو۔ اور بعض شرحوں میں یہ بھی مراد لیا گیا ہے کہ مکان بنانے کے بعد اس میں خدا کی نافرمانی نہ کرو اور جو عمارت کہ اس میں فسق (نافرمانی) ہو آخر کو خراب ہوتی ہے۔

53- عَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَّا دَارَ لَهٗ وَمَالُ مَنْ لَّا مَالَ لَهٗ وَلَهَا يَجْمَعُ مَنْ لَّا عَقْلَ لَهٗ ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

ترجمہ: روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا (آخرت میں) گھر نہیں اور دنیا مال ہے اس شخص کا جس کا (آخرت میں) مال نہیں اور مال وہی شخص جمع کرتا ہے جس میں عقل نہیں۔

تشریح: چوں کہ دنیا فانی ہے اور سکون کی زندگی دنیا میں ممکن نہیں پس جس نے کہ دنیا کو اپنا گھر سمجھا اور آخرت کو بھول گیا اس کا گھر آخرت میں نہیں رہا، اور اگر مال کو بجائے حق تعالیٰ کی خوشنودی کی راہ میں صَرف کرنے کے اپنی عیاشیوں اور نفسانی لذّتوں میں صَرف کیا تو اس کا مال صرف دنیا ہے آخرت میں اس کا حصہ کچھ نہ رہا۔ اور بعض حواشی میں لکھا ہے کہ مرادِ حدیث یہ ہے کہ دنیا کے گھر کو گھر نہ کہنا چاہیے۔ یہاں کے مال کو مال نہ کہنا چاہیے اس سبب سے کہ دنیا

فانی اور حقیر ہے۔ اور مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا اس کا گھر ہے جس کے لیے آخرت میں گھر نہ ہو یعنی دنیا کو اپنا اصلی گھر سمجھ کر دنیا کی زندگی سے مطمئن ہو گیا اور گمان کیا مال جمع کر کے کہ یہ باقی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر یقین نہیں رکھتے دنیا کی زندگی سے خوش ہو گئے اور اسی (فانی) زندگی سے مطمئن ہو گئے۔ اور فرمایا حق تعالیٰ نے کہ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ بندہ گمان کرتا ہے کہ یہ مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا۔ خلاصہ یہ کہ دنیا کا گھر اور دنیا کا مال اس قابل نہیں ہے کہ اس کو گھر اور مال کہا جاوے۔ اور مقصد دنیا کا رتبہ گرانا ہے اس شخص کی نظر سے جس کے لیے آخرت قرار گاہ اور مال ہے۔

54- وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ خُطْبَتِهٖ:اَلْخَمْرُ جُمَّاعُ الْاِثْمِ وَالنِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّيْطٰنِ وَحُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ قَالَ وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اَخِّرُوا النِّسَاءَ حَيْثُ اَخَّرَهُنَّ اللّٰهُ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ مِنْهُ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ شراب پینا گناہوں کا مجموعہ ہے اور عورتیں شیطان کے جال ہیں اور دنیا کی محبت ہر گناہ کا سر ہے (کیوں کہ جو گناہ انسان کرتا ہے دنیا کی محبت کے سبب سے کرتا ہے) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرمایا عورتوں کو پیچھے ڈالو جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو پیچھے ڈالا۔

تشریح: دنیا کو جس شخص نے دوست رکھا اس کو کوئی ہدایت کا راستہ دکھانے والا ہدایت نہیں دے سکتا اور جس نے دنیا کو دوست نہیں رکھا اس کو کوئی مفسد گمراہ نہیں کر سکتا۔ دنیا کی محبت ہی سے تمام گناہ کیے جاتے ہیں۔ عورتوں کو پیچھے ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں عورتوں کے ذکر کو مَردوں سے پیچھے رکھا ہے اسی طرح جماعت میں ان کو پیچھے رکھا اسی طرح گواہی میں اور فضل اور رتبہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مَردوں سے کم تر اور پیچھے رکھا پس حق تعالیٰ نے جن باتوں میں عورتوں کو پیچھے رکھا ہے ان باتوں میں ان کو آگے نہ کرو۔

اور شراب گناہوں کا مجموعہ ہے۔ اس کی تشریح میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت مرفوعاً پیش ہے: اَلْخَمْرُ اُمُّ الْفَوَاحِشِ وَاَكْبَرُ الْكَبَائِرِ مَنْ شَرِبَهَا وَقَعَ عَلٰى اُمِّهٖ وَخَالَتِهٖ وَعَمَّتِهٖ ترجمہ: شراب جڑ ہے تمام بے حیائیوں کی اور بہت بڑا گناہ ہے تمام بڑے گناہوں سے، جس نے شراب پی وہ جماع کرتا ہے اپنی ماں سے اور اپنی خالہ سے اور اپنی پھوپھی سے۔ حکایت ہے کہ ایک شخص سے بت کو سجدہ کرنے کے لیے کہا گیا اس نے انکار کیا پھر اس کو کسی کے قتل کو کہا گیا اس نے انکار کیا پھر اس کو زنا کے لیے کہا گیا اس نے انکار کیا پھر اس کو شراب کے لیے کہا گیا پس اس نے شراب پی لی پھر جب نشہ سے مست ہوا تو اس نے سب وہ کام کر ڈالے جس سے اوپر انکار کیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ تینوں گناہ شراب، عورت (اجنبیہ)، حبّ دنیا ایسے سنگین ہیں کہ ان کے سبب بہت سے گناہوں میں آدمی مبتلا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ فرماویں، آمین۔

55- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَتَخَوَّفُ عَلٰى اُمَّتِي الْهَوٰى وَطُوْلُ الْاَمَلِ فَاَمَّا الْهَوٰى فَيَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَاَمَّا طُوْلُ الْاَمَلِ فَيُنْسِي الْاٰخِرَةَ وَهٰذِهِ الدُّنْيَا مُرْتَحِلَةٌ ذَاهِبَةٌ وَهٰذِهِ الْاٰخِرَةُ مُرْتَحِلَةٌ قَادِمَةٌ وَّلِكُلٍّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا بَنُوْنَ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَّا تَكُوْنُوْا مِنْ بَنِي الدُّنْيَا فَافْعَلُوْا فَاِنَّكُمُ الْيَوْمَ فِيْ دَارِالْعَمَلِ وَلَا حِسَابَ وَاَنْتُمْ غَدًا فِيْ دَارِالْاٰخِرَةِ وَلَا عَمَلَ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن سے مجھ کو اپنی اُمت پر بڑا خوف ہے ایک تو خواہشِ نفس اور دوسرے درازئ عمر کی آرزو۔ نفس کی خواہش حق بات قبول کرنے سے روکتی ہے اور درازئ عمر کی آرزو آخرت کو بھلا دیتی ہے، اور یہ دنیا کوچ کرنے والی اور جانے والی ہے اور آخرت آگے بڑھنے والی اور آنے والی ہے اور ان دونوں میں سے یعنی دنیا اور آخرت سے ہر ایک کے بیٹے ہیں (یعنی تابع اور محکوم اور رغبت کرنے والے ہیں) اگر تم سے یہ ہو سکے کہ تم دنیا کے بیٹے نہ بن سکو تو ایسا کرو یعنی دنیا کے بیٹے گری سے نکل جاؤ اور تابع اور غلام دنیا کے نہ بنو، اور آج تم دار العمل (عمل کے گھر) میں ہو اور دنیا میں عمل کا حساب نہیں لیا جاتا لیکن کل تم آخرت کے گھر میں ہو گے جہاں عمل نہیں ہے۔

تشریح: روایت ہے حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا اپنے اعمال کا حساب کرو قبل اس کے کہ قیامت کے دن تم سے حساب لیا جاوے۔ خواہشِ نفس اور درازئ عمر کی آرزو یہ دو بڑے فتنے ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو آگاہ فرمایا کہ ان کے سبب انسان اعمالِ آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ ان دونوں فتنوں سے نجات کے طریقے اور تدابیر جو دوسری احادیثِ شریفہ سے معلوم ہوتے ہیں یہ ہیں:

۱. تلاوتِ قرآنِ پاک میں ناغہ نہ کیا جاوے۔

۲. موت کو کثرت سے یاد کیا جاوے اور روح نکلنے سے قبر کی تنہائی اور میدانِ حشر اور دوزخ کی آگ تک کے واقعات کو تفصیل کے ساتھ گہری فکر سے سوچنا۔

۳. اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کی صحبت میں کثرت سے حاضری دینا۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ہر شے کے لیے معدن ہے اور تقویٰ کا معدن (خزانہ یا کان) اللہ کے پہچاننے والوں کے دل ہیں۔

پس ظاہر ہے کہ ان کی صحبت سے تقویٰ کی نعمت حاصل ہو گی، اور حق تعالیٰ شانہٗ نے كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ کے حکم میں اسی صحبتِ اہل اللہ کی ضرورت بیان فرمائی ہے۔ صادقین سے مراد مشائخ اور بزرگانِ دین ہیں۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

تواضع پیدا کرنے کی چند ترکیبیں

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی عشاللہ

ان میں سے جو تدبیر اپنے حال کے مناسب ہو اُسے خود بلا تکلف یا تکلف کے ساتھ اختیار کرے اور دوسرے ضرورت مندوں کو بھی اس پر عمل کرنے کا مشورہ دے۔ اس کوشش و محنت کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ کا فضل شاملِ حال ہو گا اور اصلاح کی اور صحیح راستہ پر پڑنے کی صورت نکل آئے گی، اور بزرگوں کی چند حکایتیں بھی درج کی جائیں گی اور اُن سے یہ پتہ چل جائے گا کہ ان حضرات نے اصلاح کے سلسلے میں کیسی کیسی تکلیفیں اُٹھائی ہیں۔

اول علاج کے شروع میں ہر روز وقتِ مقرر پر آدھ گھنٹہ یا اس سے کم، سب سے یکسو اور تنہا ہو کر اپنی پیدائش اور موجودہ حالت اور انجام ان تینوں میں غور و فکر کیا کرے۔ یعنی یہ سوچے کہ، ۱) میری اصل کیا ہے۔ ۲) ناپاک پانی کے قطرے سے بنا۔ ۳) پھر ناپاک خون سے پرورش پائی۔ ۴) اِس وقت، بھی آنکھ، کان، ناک اور منہ سب میں گندگی بھری ہوئی ہے۔ ۵) پیٹ میں تو خالص اور بے انتہا بدبودار اور کافی مقدار میں نجاست بھری ہوئی ہے جس کو لادے ہوئے پھر رہا ہوں۔ اس میں سے اگر اندر سے ذرا بھی ہوا نکلتی ہے تو اتنی بدبودار ہوتی ہے جس سے پاس بیٹھنے والوں کو بھی نفرت ہوتی ہے اور خود بھی شرمندگی اُٹھانی پڑتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی سَتّاری سے پردہ پوشی فرما رکھی ہے۔ نہ تو نجاست نظر آتی ہے اور نہ ہر وقت اس کی بدبو ظاہر ہوتی ہے۔ ۶) پیٹ بھرنے کے بعد اس کے نکالنے کی ضرورت بھی پیش آتی ہے جس کے لیے تنہائی میں یا لوگوں سے دور جنگل میں جانا پڑتا ہے اور آسانی کے ساتھ خارج ہو جاتی ہے۔ اگر یہ رُک جائے اور بند پڑ جائے تو سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے۔ ۷) نیز مرنے کے بعد ظاہری جسم بھی سڑ جاتا ہے، یہ بھی حق تعالیٰ شانہٗ کی سَتّاری ہے کہ جلدی سے نہلا کر اور خوشبو لگا کر مٹی میں چھپا دینے کا حکم فرمایا ہے اگر یہ جسم دو یا تین روز پڑا رہے تو ایک مردے کی بدبو سے پورا محلہ پریشان ہو جائے اور گھر چھوڑ کر باہر بھاگ جائے۔ پھر قبر میں جو حالت پیش آتی ہے وہ بھی خوب معلوم ہے کہ پیٹ پھٹ کر نجاست باہر آجاتی ہے اور آنکھیں بھی نکل کر گر پڑتی ہیں اور آخر میں سارے گوشت کے کیڑے بن جاتے ہیں اور بھیانک اور بے انتہا نفرت کے لائق ہو کر مٹی بن جاتا ہے اور مٹی میں مل جاتا ہے۔ یہ سوچ کر اپنی تکبر سے بھری ہوئی خصلتوں پر زبان سے بھی آہستہ آہستہ کہے کہ یہ تو تیری حقیقت ہے اور اس پر بھی دوسروں کی غیبت کرتا ہے، حسد کرتا ہے، بڑائی کے کام کرتا ہے، تو بہت ہی بے وقوف ہے، تو بہت نالائق اور مجرم ہے۔ اللہ کی بخشش اور رحمت کے سوا تیرا کوئی ٹھکانہ نہیں اسی طرح روز آدھ گھنٹہ صرف کرے پھر وقت کم کرتا جائے۔ جب اپنی ذلت کا استحضار ہو جائے اور دل میں اس کا تصور پوری طرح جم جائے تو یہ مراقبہ کبھی کبھی کر لیا کرے اگر اس کی بھی فرصت نہ ملے تو کم از کم بیت الخلا ہی میں اپنی حالت میں غور کر لیا کرے کیونکہ وہاں تو کوئی اور کام نہیں ہوتا اور وہاں اس کا سوچنا اس لیے بھی آسان ہے کہ نظر بھی آرہا ہے۔ دوسرے وقت میں یہ باتیں بھی سوچا کرے جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

۱)۔ یہ موجودہ غلاظت کی حالت تو غیر اختیاری ہے اور اس میں گناہ بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے سَتّاری فرما کر اس حالت کو چھپا رکھا ہے اور ظاہری جسم کو پاک اور صاف بنایا ہے لیکن اپنی حقیقت تو پوری طرح معلوم ہے پھر تکبر کا موقع کہاں ہے؟

۲)۔ اس کے علاوہ باطنی اور معنوی گندگیاں جن میں تکبر اور دوسری شہوات سب ہی شامل ہیں یہ بھی ظاہری نجاست سے کسی درجہ میں کم نہیں ہیں بلکہ لاکھ درجہ بڑھ کر ہیں۔ جیسے اپنے پچھلے راستے سے نجاست کا باہر نکالنا ایک نفرت کے لائق اور شرم والا کام ہے، لیکن اس کو ضروری حاجت کہتے ہیں اس لیے اس میں گناہ نہیں ہے بلکہ فراغت حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ تقاضے کی حالت میں نماز بھی مکروہ ہوتی ہے اس حالت میں غور کرنے سے اپنی حقارت و ذلت واضح ہو جاتی ہے اور عاجزی کی نعمت نصیب ہو جاتی ہے جو حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں محبوب و مرغوب ہے، یہ صفت اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام اور قبولیت و فیوض و برکات کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے پھر یہ عمل سنت کے مطابق اور عمدہ ترین نیت سے ہو تو یہ نیک کام شمار ہو کر آخرت کا ذخیرہ بن جاتا ہے لیکن باطنی گندگی کا مادہ جو اس جسم میں موجود ہے اگر اس کو پرورش کیا چاہے دل ہی میں رکھے، یا قول و فعل و عمل کے ذریعہ ظاہر بھی کر دیا تو انسان سخت مجرم بن کر سیکڑوں قسم کے حیوانی اور شیطانی گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اپنی سب خرابیاں سوچنے سے معلوم ہو سکتی ہیں اور جن کو بھول گیا ہے وہ بھی اعمال نامے میں تو لکھی ہوئی موجود ہیں جن پر آخرت میں رُسوائی اور عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بہت کچھ سَتّاری فرما رکھی ہے، ہمارا باطنی حال لوگوں کو معلوم نہیں ورنہ لوگ نفرت کریں اور کوئی قریب بھی نہ آوے۔ اس مادہ کے موجود ہونے کے پیشِ نظر تو انسان حُسنِ خاتمہ سے پہلے کتے اور سور سے بھی بدتر ہے کیونکہ سور میں کفر کرنے کا مادہ نہیں ہے بڑے سے بڑے بزرگ بھی اس خوف سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں کہ یہ مادہ کسی وقت پھوٹ پڑے اور خاتمہ کفر پر ہو جائے۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو یقیناً کتے اور سور اس سے افضل ہوں گے۔ کیونکہ وہ تو قیامت کے دن مٹی ہو جائیں گے اور انسان ہمیشہ دوزخ میں جلتا رہے گا۔ اس وقت یہ اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود مٹی ہو جانے کی تمنا کرے گا۔ ''یا لیتني کنت تراباً'' اور جو یہاں خود کو مٹا کر مٹی میں ملا دیتا ہے اُس کو اللہ تعالیٰ رفعت اور بلندی عطا فرماتے ہیں۔ حدیث میں ہے ''من تواضع لله رفعه

اللہ ''جو اللہ کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ پاک اُسے بلند کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اپنے باطنی عیوب اور ساری عمر کے کیے ہوئے گناہوں کو سوچا کرے جو غور کرنے سے یاد آسکتے ہیں۔ نیز یقین کرے کہ میرے اعمال نامے میں سب کا ریکارڈ موجود ہے اور ہر گناہ اپنی پوری کیفیت اور گواہوں اور وقت اور جگہ سمیت موجود ہے اور جن گناہوں سے توبہ کر چکا ہے معافی کی امید رکھتے ہوئے اُن کا سوچ لینا کافی ہے۔ اس سے شرمندگی اور ڈر پیدا ہو گا اور تکبر، حسد، چغلی، غیبت وغیرہ سب چیزیں مٹ کر بے نام ونشان ہو جاتی ہیں، پھر عاجزی پیدا ہو کر حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت شاملِ حال ہو گی۔ یہ سب گندگیاں کھاد کا کام دیں گی اور رفعت وبلندی نصیب ہونے کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اسی طرح جب اپنے اعمال کی باطنی حالت میں غور کرے گا تو نماز اور دوسرے نیک اعمال بھی گناہ نظر آنے لگیں گے۔ مثلاً نماز کی باطنی حالت وکیفیت کہ اس میں اخلاص اور احسان، خشوع وخضوع اور توجہ الی اللہ کا حکم ہے لیکن ہماری نماز سراسر غفلت و وساوس کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر اُن سے مخاطب ہونے میں جو حالت ہونی چاہیے کیا ہماری حالت وہی ہے ؟ اس میں غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ ہم ادنیٰ درجہ کے حاکم کے سامنے بھی اس طرح بے فکری اور لا اُبالی پَن سے کھڑے نہیں ہوتے جس طرح اپنی نماز میں اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ افضل العبادات کا حال ہے تو باقی عبادات کا کیا حال ہو گا۔ اسی طرح اپنی ایمانی حالت میں بھی غور وفکر کرے کہ وعدہ وعید کی آیات واحادیث پر کس درجہ کا یقین ہے۔ نتیجہ یہی نکلے گا کہ قبر، حشر، جنت، دوزخ کے متعلق بالکل سرسری عقیدہ ہے جو کہ زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتا، دنیوی نفع نقصان کی خبروں پر جو اثر اور عملی حالت ہوتی ہے اس کے مقابلہ میں اللہ ورسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خبروں کا اثر کچھ بھی تو نہیں ہے۔ ہماری حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم دنیا اور آخرت کے دو خدا الگ الگ مانتے ہیں۔ اسی طرح غور کرنے پر دل سے استغفار کرنے کی توفیق نصیب ہو گی اور اپنے نیک اعمال پر نظر نہیں رہے گی بلکہ صرف اللہ کی رحمت پر نظر ہو گی، پھر حق تعالیٰ شانہٗ حقیقی عزت ورفعت عطا فرمائیں گے، لیکن یہ عزت حق تعالیٰ کی جناب میں تذلل اور تواضع اختیار کرنے پر موقوف ہے۔ اسی لیے حدیث میں ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے وہ اس کا درجہ بلند فرمادیتے ہیں۔ اس مراقبے کے بعد صلوٰۃ التوبہ کی نیت سے دو رکعت نفل پڑھے اور جن ظاہری اور باطنی عیوب کا استحضار ہوا ہے اُن پر خوب ندامت کے ساتھ توبہ کرے۔ بالخصوص تکبر دور کرنے کے لیے دعا کرے۔ یہ سب اشغال کم از کم چالیس دن تک کرتا رہے۔

۳). نمونے کے طور پر تکبر کی جو علامتیں بیان کی ہیں اگرچہ ان سب میں تکبر کا پایا جانا ضروری نہیں ہے، لیکن احتمال تو ہے اور نفس کو ان میں تکبر نہ ہونے کا دھوکہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ نفس اور شیطان جو ہر وقت اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اُن کا کام یہی ہے کہ ہمیشہ دھوکہ دینے کی کوشش میں لگے رہیں۔ ان عادات واطوار کو تکلف کے ساتھ اہتمام کرکے ختم کرے۔ مثلاً گفتگو، چال، ڈھال، لباس وحرکات میں کچھ عرصہ کے لیے نفاست پسندی، طبعی نزاکت، وضعداری وغیرہ ان میں سے کسی چیز کا بھی خیال نہ کرے اور نہ کسی کے اچھا بُرا سمجھنے کی طرف توجہ کرے، ظاہری بیماریوں اور زخموں کے لیے بعض دفعہ ہسپتالوں میں مخصوص لباس پہنتے ہیں اور ایک وقت میں کئی طرح کی پٹیاں باندھتے ہیں اور کچھ بھی خیال نہیں کرتے، اسی طرح اس مہلک بیماری کے دور کرنے کے لیے کم از کم یہ کرے کہ نہایت سادہ لباس پہن لے جو اس کی حیثیت سے کم درجے کا ہو اور یہ نہ سوچے کہ لوگ حقیر سمجھیں گے یا صورت و شکل سائلوں جیسی بن جائے گی اور لوگ بخیل کہیں گے اور طعنے دیں گے۔ یہ تدبیر علاج کے طور پر چند روز کے لیے اختیار کرلے پھر طبیعت وحیثیت کے موافق پہننا شروع کردے۔ غرض یہ سب تدبیریں عارضی ہیں جو چند دن عمل میں لائی ہیں۔

۴). امیر لوگوں سے ملنا جلنا اور ان کی صحبت ترک کردے خواہ اس میں تبلیغ اور حاجت مندوں کی مدد وغیرہ اس طرح منافع بھی فوت ہو جائیں۔

۵). غریبوں کے پاس بیٹھے، ان کی دعوت قبول کیا کرے، ان کی جانی خدمت کرے، یعنی اُن کے کام کیا کرے۔ عوام کی خدمت کرے۔

۶). ملازم اور بچوں کے ہوتے ہوئے گھر کا سودا سبزی، آٹا وغیرہ خود لائے اور اپنی طاقت کے موافق اُسے خود ہی اُٹھائے، بلا ضرورت مزدور بھی تلاش نہ کرے بلکہ جو پیسے مزدوری میں دیتے ہیں انہیں چپکے سے خیرات کر دیا کرے۔

۷). عوام میں سے ہر کسی کو پہلے خود ہی سلام کیا کرے۔ اس بارے میں تواضع اور خدمت عوام ہی کی مفید ہے، مشائخ کی خدمت تو فخر اور بڑائی کی چیز ہے۔

۸). اپنی غیبت، بُرائی اور بہتان وغیرہ سُن کر دفاع اور صفائی کی فکر نہ کرے بلکہ اپنے باطنی عیوب کے پیشِ نظر شکر کرے کہ میری بُرائیوں میں سے بہت تھوڑی بُرائیاں بیان ہوئی ہیں اور اس میں میرا ہی فائدہ ہے کہ گناہوں کا کچھ کفارہ ہو جائے گا۔

۹). کسی وقت غصہ ظاہر ہو جائے تو چھوٹے سے بھی معافی مانگ لے۔

۱۰). اگر کوئی اس کا حق دبالے یا زیادتی کرے تو اپنا حق وصول کرنے کی اور بدلہ لینے کی کوشش نہ کرے۔

۱۱). ہر ایک کی نصیحت اور رائے کو ماننے کے لیے تیار رہے، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ نصیحت طبیعت کے خلاف ہو اور شریعت کے خلاف نہ ہو۔ اگر بالکل سمجھ نہ آئے تو کسی دوسرے سے مشورہ کر لے۔

۱۲). اگر صدقہ زکوٰۃ وغیرہ کا مستحق ہو اور لیتا بھی ہو تو اُسے چپکے لینے کے بجائے اوروں کے سامنے قبول کرے اور صدقے کے بجائے زکوٰۃ زیادہ لیا کرے کیونکہ اس میں تواضع زیادہ ہے نیز صدقے کے دوسرے مصارف بھی بہت سے ہیں اور زکوٰۃ کا مصرف بعض وقت مشکل سے ملتا ہے، اس لیے اگر لے لے تو اس میں دینے والے کی......(باقی صفحہ نمبر 85 پر)

اپنی نیت کو اللہ کے لیے خالص کر لو!

(امیر المومنین کی ہدایات... مجاہدین کے نام)

امیر المومنین شیخ ہبۃ اللہ اخند زادہ حفظہ اللہ

خالص نیت سے اس عمل کا اجر و ثواب بھی ملتا ہے جس کا دل میں جذبہ تو موجود ہو لیکن ادا نہ کیا ہو۔

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي غَزَاةٍ فَقَالَ إِنَّ أَقْوَامًا بِالْمَدِينَةِ خَلْفَنَا مَا سَلَكْنَا شِعْبًا وَلَا وَادِيًا إِلَّا وَهُمْ مَعَنَا فِيهِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ "۔ (رواه البخاري)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہیں کہ ہم غزوۂ تبوک سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ واپس لوٹے تو فرمایا کہ کچھ لوگ مدینہ میں ہمارے پیچھے رہ گئے ہیں، وہ ایسے ہیں کہ جس درے میں یا جس میدان میں ہم جائیں، وہ ضرور اس (اجر و ثواب) میں ہمارے ساتھ ہوں گے۔ ان کو کسی عذر نے روک لیا ہے۔

نوٹ: لہٰذا ہر مومن و مسلمان کے دل میں جہاد کا ایسا ہی عزم ہونا چاہیے اگر چہ معذور ہی کیوں نہ ہو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ مجاہد کے اجر کے برابر ہی اس کو اجر دیں گے۔

مومن اور منافق کے درمیان فرق اخلاصِ نیت ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:"مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ، وَلَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهُ بِالْغَزْوِ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ"۔(رواه ابو داود)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو اس حال میں مرا کہ نہ اس نے جہاد کیا اور نہ ہی اس کے دل میں جذبۂ جہاد پیدا ہوا تو گویا وہ ایک طرح کے نفاق کی حالت میں مرا۔

ہر مومن مسلمان پر لازم ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کرے یا اپنے دل میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جذبہ رکھے، اس عمل اور نیت کے بسبب اللہ تعالیٰ اس کو نفاق کی موت سے بچالیں گے۔

صحیح نیت عادت کو عبادت میں اور بدصورتی کو خوبصورتی میں تبدیل کرتی ہے، لہٰذا عقل مند بندہ صرف اور صرف اللہ کے لیے عبادت کرتا ہے

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :" إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهَا حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فَمِ امْرَأَتِكَ"۔(رواه البخاری)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جو کچھ خرچ کرو گے (قلیل یا کثیر) اس کا ثواب ضرور دیا جائے گا، یہاں تک کہ جو (لقمہ) تم اپنی بیوی کے منہ میں رکھو (اس کا بھی ثواب ملے گا)۔

اس حدیث کی شرح میں مرقاۃ کے مؤلف لکھتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ دینا اجر ہے چاہے وہ شہوت اور خواہش نفس پوری کرنے کی جگہ ہی کیوں نہ ہو (یعنی اپنی بیوی کے منہ میں نوالہ دینا) کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور مومن کی نیت عمل سے بہتر ہے۔

خالص نیت کی وجہ سے انسان دوسروں کے شر سے محفوظ رہتا ہے

امام غزالی رحمہ اللہ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں، کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت موسیٰ اشعریؓ کو لکھا: جس کی نیت اللہ تعالیٰ کی رضا کی ہو اللہ تعالیٰ اس کو دوسروں کے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔

اے مومنو! اگر چاہتے ہو کہ دوسروں کے شر سے محفوظ رہو تو اپنی نیتوں کو اللہ کے لیے خالص کر دو اللہ تعالیٰ دوسروں کے شر سے محفوظ فرمادیں گے۔

کسی شخص کی غلط نیت کی وجہ سے اس کے کیے ہوئے نیک اعمال پر بھی اس کو عذاب ملے گا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے تین قسم کے افراد کو لایا جائے گا، ایک شہید ہو گا، جس کو اللہ تعالیٰ بلائیں گے اور اس کے سامنے اُن نعمتوں کو یاد دلایا جائے گا جو دنیا میں اس کو عطا کی گئی تھیں، یہ شہید بھی سب نعمتوں کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تم نے میری طرف سے عطا کی ہوئی نعمتوں کو کیسے استعمال کیا؟ وہ کہے گا: میں آپ کے راستے میں جہاد کر رہا تھا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو کہے گا: تم جھوٹ بول رہے ہو! تم تو اس لیے جہاد کر رہے تھے کہ لوگ تمہیں بہادر کہیں، اور وہ لوگوں نے کہہ دیا، اس آدمی کو اللہ تعالیٰ کے امر سے الٹے منہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

دوسرا فیصلہ اس عالم کے بارے میں ہو گا، جس نے قرآن سیکھا ہو اور دوسروں کو بھی سکھایا ہو، اس عالم کو بھی اللہ تعالیٰ شہید کی طرح پوری نعمتیں یاد دلائیں گے اور وہ اُن نعمتوں کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس کو فرمائیں گے، کہ تم نے میری طرف سے دی ہوئی ان نعمتوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ وہ کہے گا میں نے خود علم سیکھا اور دوسروں تک بھی پہنچایا اور اللہ کے لیے قرآن کی تلاوت کرتا۔ اللہ تعالیٰ اس کو کہے گا، تم نے جھوٹ بولا! تم تو علم اس لیے حاصل

کر رہے تھے کہ لوگ تمہیں عالم کہیں، اور وہ لوگوں نے تمہیں کہہ دیا، پھر اللہ تعالیٰ کے امر سے اس عالم کو بھی الٹے منہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

تیسرا فیصلہ اس سخی کے بارے میں ہو گا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مال سے نوازا ہو گا، اس کو بھی اللہ تعالیٰ وہ نعمتیں یاد دلائیں گے اور وہ اس کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ اِن نعمتوں کو کہاں استعمال کیا؟ وہ کہے گا میں نے ایسی کوئی جگہ نہیں چھوڑی جہاں میں نے تیری رضا کے لیے صدقہ نہ دیا ہو، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم نے جھوٹ بولا! تم تو اس لیے مال خرچ کر رہے تھے کہ لوگ تمہیں سخی کہیں اور وہ لوگوں نے کہہ دیا، پھر اس سخی کو بھی اللہ تعالیٰ کے امر سے الٹے منہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جہاد اور غزوے کے بارے میں پوچھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عبداللہ! اگر صبر اور اجر کی نیت سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا کرو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن صابر اور محتسب لوگوں میں اُٹھائیں گے اور اگر غنیمت حاصل کرنے اور ریا کے لیے جہاد کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ریاکار اور غنیمت کے لیے جہاد کرنے والوں میں اُٹھائیں گے، اے عبداللہ! جس حال میں تم نے جہاد کیا اور جس نیت کی حالت میں مارے گئے اسی نیت کے مطابق اُٹھائے جاؤ گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ایک آدمی جہاد کرتا ہے لیکن اس کی نیت دنیا حاصل کرنا ہوتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس کے لیے کوئی اجر نہیں۔ لوگوں کو یہ بات اچھی نہیں لگی اور پوچھنے والے کو کہا جاؤ تمہیں بات سمجھ نہیں آئی دوبارہ پوچھ کے آجاؤ، اس آدمی نے دوبارہ پوچھا، کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ایک آدمی اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے لیکن اس کی نیت دنیا حاصل کرنا ہوتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس کے لیے کوئی اجر نہیں۔ لوگوں نے پھر اس آدمی کو کہا جاؤ تمہیں بات سمجھ نہیں آئی دوبارہ پوچھ کے آجاؤ، اس آدمی نے تیسری بار رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ایک آدمی جہاد کرتا ہے لیکن اس کی نیت دنیا حاصل کرنا ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے لیے کوئی اجر نہیں۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّهُ قَالَ الْغَزْوُ غَزْوَانِ فَأَمَّا مَنْ ابْتَغَى وَجْهَ اللَّهِ وَأَطَاعَ الْإِمَامَ وَأَنْفَقَ الْكَرِيمَةَ وَيَاسَرَ الشَّرِيكَ وَاجْتَنَبَ الْفَسَادَ فَإِنَّ نَوْمَهُ وَنُبْهَهُ أَجْرٌ كُلُّهُ وَأَمَّا مَنْ غَزَا فَخْرًا وَرِيَاءً وَسُمْعَةً وَعَصَى الْإِمَامَ وَأَفْسَدَ فِي الْأَرْضِ فَإِنَّهُ لَمْ يَرْجِعْ بِالْكَفَافِ۔(رواہ ابوداود)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جہاد دو طرح کا ہے ایک وہ جہاد ہے جو رضائے الٰہی کی خاطر کیا جاتا ہے اور اس میں امیر کی فرمانبرداری کی جاتی ہے اور بہتر سے بہتر مال اس میں خرچ کیا جاتا ہے ساتھی کے ساتھ نرمی برتی جاتی ہے اور فساد سے پرہیز کیا جاتا ہے، پس ایسے جہاد میں تو سونا اور جاگنا بھی عبادت ہے۔ دوسرا جہاد وہ ہے جس میں فخر شامل ہو اور جو دکھانے اور سنانے کی غرض سے کیا جاتا ہے جس میں امیر کی نافرمانی ہو اور زمین میں فساد مطلوب ہو ایسے جہاد کا کوئی اجر نہیں۔

اخلاص نیت کے بارے میں اسلاف کے اقوال:

حقیقتِ اخلاص نیت کے بارے میں سلف صالحین نے فرمایا ہے:

هو تصفية الفعل عن ملاحظة المخلوقين۔ اخلاصِ نیت کا معنیٰ ہے، یعنی کہ فعلِ عبادت مخلوق کے معائنہ سے آزاد ہو۔ اخلاص نیت کا دوسرا معنیٰ ہے: هو افراد الحق سبحانه بالقصد في الطاعة۔ یعنی اخلاص کا معنیٰ ہے کہ عبادت صرف اور صرف اللہ کے لیے ہو۔

اخلاص نیت کے بارے میں حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: النية أبلغ من العمل۔ عمل سے نیت بہتر ہے۔

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ترك العمل من أجل الناس رياء والعمل من أجل الناس شرك والاخلاص أن يعافيك الله منهما۔ یعنی لوگوں کی خاطر نیک عمل یا عبادت کو چھوڑنا ریا ہے اور لوگوں کے کے لیے عبادت کرنا شرکِ خفی ہے، اخلاص یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے انسان کو بچائے۔

حضرت سہل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ نفس پر کون سی چیز زیادہ سخت اور بھاری گزرتی ہے؟ آپ نے جواب دیا: اپنی نیت کو خالص رکھنا نفس کے لیے بہت بھاری ہے، کیونکہ اخلاص صرف اور صرف اللہ کے لیے عمل کرنے کو کہتے ہیں اور اس میں نفس کو کچھ بھی نہیں ملتا۔

یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تعلموا النية فانها أبلغ من العمل۔ خالص نیت کو سیکھو کیونکہ نیت عمل سے اہم ہے۔

ابراہیم التیمی رحمہ اللہ اپنے وقت کے بڑے ولی اللہ تھے، جب بات کرتے تو دورانِ گفتگو رک جاتے اور خاموشی اختیار کرتے، جب کوئی پوچھتا کہ آپ کیوں باتیں نہیں کر رہے ہیں؟ تو آپؒ فرماتے: صبر کرو میں نے اپنی نیت درست نہیں کی۔

میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان اعمالكم قليلة فأخلصوا هذا القليل۔ آپ کے اعمال کم ہیں، لہٰذا ان اعمال کو اخلاص کے ساتھ ادا کیا کرو۔

عبدالرحمٰن بن حکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ میں سفیان ثوری رحمہ اللہ کو دیکھتا تھا، جو کہ اپنے وقت کے عظیم بزرگ عمرو بن قیس رحمہ اللہ کی مجلس میں آتے تھے اور اُن کے چہرے کو نہایت غور سے دیکھتے، میری نظر میں سفیان ثوری رحمہ اللہ، حضرت عمرو بن قیس کے چہرے کو بھی اجر کی نیت سے دیکھتے تھے۔

حضرت مکحول فرماتے ہیں: جو شخص چالیس دن تک عبادات میں اپنی نیت کو درس رکھے، تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت کی چشمے پیدا فرما کر اس کی زبان سے جاری کروا دیں گے۔

زادِ راہ

معاشروں کا محور :

معاشروں کو تبدیل کرنے والے تین بڑے لوگ یہ ہوتے ہیں :

- عالم
- سخی اور صالح
- مجاہد

یہ تین قسم کے لوگ ہر معاشرے کا محور ہوتے ہیں، سارے معاشرے اپنے اسی محور کے گرد گھومتے ہیں۔ یہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے مضبوط کندھوں پر معاشرے کا بوجھ اٹھائے رکھتے ہیں۔ چنانچہ یہ تین حضرات اگر سچے ہوں تو معاشرہ صاف، شفاف اور اپنے رب سے گہرا تعلق رکھنے والا بن جاتا ہے۔ اگر ان کی نیتوں میں فرق آجائے، اگر اُن کے دل میلے ہو جائیں تو معاشرہ پورے کا پورا ملبے کا ڈھیر بن کر رہ جاتا ہے کیونکہ دل پھلوں اور پھولوں کی طرح ہوتے ہیں۔ اگر یہ پھل صاف ستھرے اور پکے ہوئے ہوں تو ان میں سے بھینی بھینی خوشبو آتی ہے۔ ان سے مٹھاس اور ذائقہ حاصل ہوتا ہے لیکن اگر یہ خراب ہو جائیں تو ان سے بدبو کے بھبکے اٹھتے ہیں جو ناک کو جلا کر رکھ دیتے ہیں اور جسم کو مکروہ و بدبودار کر دیتے ہیں۔

دل خراب ہو جائیں تو ان سے بھی بری بری بوئیں اٹھ کر پورے معاشرے کی فضا کو بدبودار کر دیتی ہیں۔ چغلی، غیبت، شک، بدگمانی وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو پورے معاشرے کو ایک دوسرے سے نفرت کرنے والا بنا دیتی ہیں، جس میں ہر شخص اپنی ناک پکڑے اپنے ہمسائے کی بو سے بچتا پھرتا ہے۔

صحیحین کی ایک روایت میں ان تینوں کو رسول اللہ ﷺ نے خبردار کیا ہے کہ :

"قیامت کے روز سب سے پہلے آگ جن تین لوگوں کو جلائے گی، وہ یہی تین لوگ ہوں گے"۔ یعنی عالم، سخی اور مجاہد! یہ لوگ آگ کا پہلا نشانہ بنیں گے۔ عالم...... سخی...... مجاہد...... جس نے اپنا خون تک بہا دیا...... قیامت کے روز سب سے پہلے آگ کا نشانہ بنے گا۔ وہ سخی جس نے اپنی جیب میں ایک پھوٹی کوڑی تک ایسی نہیں چھوڑی جسے اُس نے معاشرے کو زندگی بخشنے کے لیے خرچ نہ کر دیا ہو جسے اُس نے اس کی ضرورتیں رفع کرنے اور تکلیفیں دور کرنے میں خرچ نہ کر دیا ہو۔ وہ قیامت کے روز جہنم کا ایندھن بنا ہوا ہو گا۔ ہاں صحیحین میں یہی آتا ہے۔

فرمایا...... "قیامت کے روز آگ سب سے پہلے تین لوگوں کو جلائے گی۔ عالم، مجاہد اور سخاوت کرنے والا نیک خو شخص (سب سے پہلے) عالم کو خدا کے حضور میں پیش کیا جائے گا۔

اللہ پوچھے گا: آپ نے دنیا میں کیا کیا؟

کہے گا: میں نے آپ کے رستے میں علم حاصل کیا اور اُسے آپ کی رضا کے شوق میں دوسروں تک پھیلایا۔

کہا جائے گا: جھوٹ بول رہے ہو...... تم نے علم اِس لیے حاصل کیا کہ عالم کہلاؤ اور تم عالم کہلا چکے۔ تم دنیا میں اپنی جزا پا چکے۔

پھر اس کو جہنم میں پھینکنے کا حکم دیا جائے گا۔

پھر سخی اور کریم کو لایا جائے گا۔

اُس سے پوچھا جائے گا: آپ نے دنیا میں کیا کیا؟

وہ کہے گا: میں نے حلال کمایا اور اُسے آپ کے رستے میں خرچ کیا۔

کہا جائے گا: جھوٹ بول رہے ہو، تم نے مال اس لیے خرچ کیا کہ "سخی" کہلاؤ، سو تم کہلا چکے۔ پس تم نے دنیا میں اپنا اجر پا لیا۔

پھر اس کو بھی جہنم میں پھینکنے کا حکم دیا جائے گا۔

پھر تیسرے سے پوچھا جائے گا: تم نے کیا کیا؟

کہے گا: میں نے آپ کے رستے میں جنگ کی اور جنگ کرتا کرتا مارا گیا۔

کہا جائے گا: جھوٹ بولتے ہو... تم نے "جری اور بہادر" کہلوانے کے لیے جنگ کی اور کہلوائے۔ اس طرح تم نے دنیا میں اپنا اجر پا لیا۔

پھر اس کو بھی جہنم میں پھینکنے کا حکم صادر کر دیا جائے گا۔"

جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی تو رو پڑے اور اتنا روئے کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی اور آپ بے ہوش ہو گئے۔ پھر ہوش آیا تو فرمایا :

"رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

مَن كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لاَ يُبْخَسُونَ○ أُوْلَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الآخِرَةِ إِلاَّ النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُواْ فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُواْ يَعْمَلُونَ○

"جو دنیا کی زندگی اور زینت چاہے گا تو ہم اُس کے اعمال دنیا میں ہی اُسے چکا دیں گے اور اُن سے کسی طرح کی کمی نہ کریں گے لیکن ان لوگوں کو آخرت میں "آگ" کے علاوہ کچھ نہ ملے گا۔ اُن کا سب کیا کرایا ضائع ہو گیا اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں، وہ بھی باطل ہے۔" (سورۃ ہود: ۱۶،۱۵)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قصہ پڑھنے سے پہلے بھی میں جب بھی اس آیت سے گزرا اس آیت نے مجھے اندر تک سے ہلا ڈالا۔ شاید یہ قرآن کی خوفناک ترین آیت ہے جس سے قرآن کی تلاوت کے دوران میرا پالا پڑ تا رہا۔

بعض اوقات کچھ مدت کے لیے اللہ کی قدرت انسانوں سے غائب رہتی ہے اور اکثر وہ اللہ کی قدرت کا صحیح اندازہ لگا ہی نہیں پاتے اور اللہ سے وقار کی امیدیں نہیں رکھتے۔ اُس کے جلال کو خاطر میں نہیں لاتے اور انسانوں سے اس طرح سلوک کرتے ہیں گویا کہ آخری قوت اور نتیجہ اُن کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ بالکل نہیں جانتے، وہ انسان ہیں کبھی کبھی اُن کی نظروں سے اللہ کی عظیم الشان قدرت اوجھل ہو جاتی ہے اور اس عالم میں وہ لوگوں کی گردنوں پر سوار ہو جاتے ہیں، اُن پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں اور سچے لوگوں کا نام ونشان دنیا سے مٹا دینے پر تل جاتے ہیں۔

لیکن اللہ حق ہے اور حق کے علاوہ کوئی چیز قبول نہیں کرتا۔ اللہ پاک ہے اور پاک چیزوں کے علاوہ کوئی چیز قبول نہیں کرتا۔ وہ کافروں کی ہزار ناگواری کے باوجود اپنا نور چمکانے اور اسے مکمل کرنے پر مُصر نظر آتا ہے خواہ مجرموں، ظالموں اور مشرکوں کو یہ کتنا ہی برا لگے۔

تاریخ سے زندہ مثالیں:

میں اس وقت آپ کے سامنے قدیم اور جدید تاریخ سے دو مثالیں پیش کرتا ہوں :

پہلی مثال: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

آپ کے ایک فتوے پر خفا ہو کر خلیفہ نے آپ کو اونٹ پر باندھا اور شہر بھر میں گھمایا۔ بے وقوف لوگ تماشہ دیکھنے آکھڑے ہوئے۔ پیچھے پیچھے بچے نعرے لگاتے، تالیاں پیٹتے اور مذاق اڑاتے چلے جا رہے ہیں۔ آخر کار ابن تیمیہ کو جیل میں ڈال دیا گیا۔

ابن تیمیہ "فتاویٰ" میں لکھتے ہیں :

"میں بعض گھرانوں کے کام آیا کرتا تھا۔ مجھے جیل میں ڈالا گیا تو ان لوگوں کی امداد کا سلسلہ رک گیا۔ میں اس پر بڑا پریشان تھا لیکن مجھے جیل میں ان لوگوں کی طرف سے یہ خبریں ملتی رہتی تھیں کہ آپ فلاں روز اپنی شکل اور اپنے جسم سمیت آئے اور آپ نے ہمیں اتنے ہی پیسے دیے جتنے آپ دیا کرتے تھے۔"

ابن تیمیہ کہتے ہیں :

"ہمارے 'جن' بھائیوں نے ہماری جگہ یہ کام کیا، جب ساری زمین ہمارے خلاف ہو گئی تو جنوں اور فرشتوں نے مومن کی حمایت کی۔"

ابن تیمیہ کا مشہور قول ہے :

ماذا يصنع في اعدائي ... ان جنتي وبستاني في صدري لا تفارقني ... ان جنتي وبستاني ومحل استطلالي من باجرة المجتمع وحره في صدري لا تفارقني ... ان سجني خلوة، وان قتلي شهادة، وان نفيي سياحة، ولو اعطيت الناس الذين سجنوني مقدار ملا هذه القلعة ذهبا ما وفيتهم الحق الذي اعطاني الله اياه ...

"میرے دشمن میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ میری جنت اور میرا باغ تو میرے سینے میں ہیں جو کبھی مجھ سے جدا نہیں ہو سکتے۔ معاشرے کی سخت اور کڑی دھوپ سے بچنے کے لیے مجھے جس سائے کی ضرورت ہے وہ تو میرے سینے میں ہے اور مجھ سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔ میری قید میری خلوت بنے گی، میرا قتل مجھے شہادت کے منصب پر فائز کرے گا۔ میری جلاوطنی مجھے سیاحت کا موقع فراہم کرے گی۔ اور اگر میں ان لوگوں کو، جنھوں نے مجھے قید میں ڈالا ہے، یہ قلعہ بھر کر سونے کا بھی دے دوں تب بھی میں اُن کو اس نعمت کا حق ادا نہیں کر سکتا جو اللہ نے مجھ پر کی ہے"۔

اُن سے اُن کے رسالے اور خطوط چھین لیے گئے۔

اُن کا قلم توڑ دیا گیا۔

اور ورق پھاڑ دیے گئے۔

تب وہ زمین پر پڑے ہوئے پتھر اٹھاتے اور دیواروں پر لکھنا شروع کر دیتے۔ پھر وہاں سے یہ پتھر بھی ہٹا لیے گئے اور ان کی کتابیں بھی جلا دی گئیں۔ خدا کے باغیوں نے سمجھا کہ انہوں نے اس عالم باعمل کا نور بجھا دیا ہے اور اس کا نام ونشان مٹا دیا ہے۔

ابن تیمیہ فوت ہو گئے۔

پھر زمانے نے کروٹ بدلی۔ اور آج دنیا کی کوئی اسلامی لائبریری ابن تیمیہ کی کتب سے خالی نہیں اور آج عالمِ اسلام میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے بڑھ کر کوئی عالم مشہور ہے؟ چھ صدیوں بعد یہ ایک عجیب سچائی ہے کہ اللہ نے دنیا کے اندر اُس کی نیک نامی کا ڈنکا بجوا دیا اور عالم بالا میں تو اس کو خوش آمدید کہا ہی جا رہا ہو گا۔

دوسری مثال: سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

یہ شخص ہمارے ساتھ ہی رہتا تھا۔ اُس کے سامنے ساری دنیا پیش کی گئی۔ پردے کے پیچھے سے وزارتیں پیش کی گئیں۔ اشتراکی اتحاد کا سیکرٹری جنرل کا عہدہ اُن کو طشتری میں رکھ کر پیش کیا گیا۔ نشر واشاعت کا ڈائریکٹر بنانے کی پیش کش کی گئی، تربیت اور تعلیم کی وزارت سونپنے کے ذریعے بہلانے کی کوشش کی گئی۔

اپنی قید کے چند سکون کے دنوں میں جو انھوں نے بیشتر جیل کے ہسپتال میں گزارے کیونکہ اُن کے جسم کو (تشدد کی وجہ سے) کئی پیچیدہ بیماریوں نے گھیر لیا تھا، جب کوئی اسلام پسند عالم قید خانے میں سیّد سے ملنے کی کوشش کرتا تو اس ملاقات کے لیے پہلے انہیں دو گھنٹے تک گرم پانی میں بیٹھنا پڑتا تھا (تاکہ لوگوں سے ملاقات کے قابل ہو سکیں)۔

سید قطب کو پھانسی دے دی گئی۔

اپنی پھانسی سے پہلے وہ عموماً دہرایا کرتے تھے :

ان اصبع السيابة التي تشهد له بالواحدانية في الصلاة لترفض ان تكتب حرفا واحدا تقربه حكم طاغية

''شہادت کی وہ انگلی جو نماز میں اللہ کی وحدانیت کی گواہی دیتی ہے، طاغوتی حکمرانوں کی حکومت کو تسلیم کرنے کی خاطر ایک حرف تک لکھنے سے انکار کرتی ہے۔ ''

سید قطب اپنے رب کے پاس چلے گئے۔

'ڈرامے' کی تکمیل سے کچھ عرصہ قبل جب ایک شیخ کو سید قطب کے سامنے لایا گیا تو اُس نے آکر کہنا شروع کیا: پھانسی کے قواعد میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کلمۂ شہادت پڑھ لیں۔

اے قطب! پڑھیے: ''اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ ''

آپ نے اُس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور کہا :

حتى انت جئت تتم المسرحية، حتى انت يا هذا ... انتم تاكلون الخبز با لا اله الا الله ونحن نعدم من اجل لا اله الا الله

''اچھا! تو آپ بھی اس ڈرامے میں حصہ لینے کے لیے آ پہنچے۔ حتیٰ کہ آپ بھی... آپ لوگ تو لا الہ الا اللہ کے نام پر عیش کرتے ہیں اور ہمیں لا الہ الا اللہ کی وجہ سے پھانسی دی جارہی ہے''۔

سید قطب کو قید خانے کی پنہائیوں میں پھانسی دے دی گئی۔ آج تک اُن کے گھر والوں کو علم نہیں ہو سکا کہ اُن کی قبر کہاں ہے۔ اُن کا ایک عزیز بڑے شکایت آمیز لہجے میں مجھ سے کہنے لگا :

''کاش! ہمیں پتہ ہو تا کہ شہید سید قطب کی قبر کہاں ہے؟ تو ہم اُس کی زیارت کیا کرتے۔ ''

میں نے کہا: ''انسانوں کا رب جانتا ہے کہ اُس کی قبر کہاں ہے۔ تمہیں اُس کی قبر کی کیا ضرورت ہے، سید قطب اپنے رب سے جاملے۔ ''

اور ''فی ظلال القرآن'' کا اُن کی پوری زندگی میں ایک سے زیادہ ایڈیشن نہ چھپ سکا۔ لیکن جس سال انہیں پھانسی دی گئی۔ فی ظلال القرآن کے مسلسل اور پے در پے سات ایڈیشن شائع ہوئے۔ سات ایڈیشن... حتیٰ کہ جب عیسائی پریس بھی بیروت میں دیوالیہ کا شکار ہونے لگے تو اُن کے ہمدردوں نے انہیں دیوالیہ پن سے بچانے کے لیے مشورہ دیا کہ

''فی ظلال القرآن چھاپنا شروع کر دو، زندگی تمہاری طرف لوٹنا شروع ہو جائے گی۔ ''

اخلاص کی کنجی

صدق اور اخلاص کا ایک راز ہے اور یہ اس دنیا کا عجیب راز ہے۔ خبر دار! اپنے رب سے معاملہ کرتے وقت ہمیشہ صدق اور اخلاص سے کرنا۔

مکر نہ کرنا اور چالبازی نہ دکھانا... خبر دار! خود پرست نہ بننا... اور یہ نہ کہنے لگنا کہ میں نے یہ علم اپنے زور سے حاصل کیا ہے۔

خبر دار! شیطان تمہارے دلوں میں وسوسہ نہ ڈال دے اور تمہاری رگوں میں دھوکہ اور شہرت کی خواہش نہ بھر دے، مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے بارے میں نہ سوچنا! اپنے رب سے معاملے میں خود کو دھوکہ دینے کی کوشش نہ کرنا۔ یہ جو آپ کے سامنے کمزور اور نحیف سا آدمی کھڑا ہے اس کی حفاظت کرنے والا خود اللہ ہے۔

فرمایا :

من عادى لي وليا فقد آذنته بالحرب

''جس نے میرے دوست سے دشمنی کی، میں نے اُس کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ ''

کیا آپ کھلے میدان میں اللہ رب العالمین کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ گرم اور خونی معرکہ لڑ سکتے ہیں؟ آپ جس سے مقابلہ کرنے چلے ہیں، آپ اُس کا بال تک بیکا نہیں کر سکتے۔

وَإِن تَصْبِرُواْ وَتَتَّقُواْ لاَ يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئاً إِنَّ اللّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ○(سورۃ آل عمران:۱۲۰)

''اگر تم صبر و کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اُن کی چالبازی تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں، اللہ اُس سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

اسی سورت میں فرمایا :

لَن يَضُرُّوكُمْ إِلاَّ أَذًى وَإِن يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الأَدُبَارَ ثُمَّ لاَ يُنصَرُونَ○(آلِ عمران: ۱۱۱)

''وہ تمہیں چھوٹے موٹے نقصان پہنچانے کے علاوہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ اگر وہ تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ دکھا (جانے پر مجبور ہو) جائیں گے اور پھر اُن کی مدد نہ کی جائے گی۔''

پیارے بھائی !

اگر آپ داعی ہیں تو اللہ سے اپنا معاملہ صاف رکھیں۔ اگر آپ کلرک ہیں تو بھی اللہ سے اپنا معاملہ صدق کی بنا پر استوار کریں اور اگر چوکیدار ہیں تو بھی اُس کے ساتھ اخلاص برتیں اور ہر حال میں اُس کے ساتھ سچا تعلق قائم کریں خواہ آپ مجاہد اور ملازم ہی کیوں نہ ہوں۔

إِنَّ اللّهَ لاَ يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجْراً عَظِيماً○ (سورۃ النساء:۴۰)

''اللہ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا بلکہ اگر کوئی نیکی ہو تو اللہ اسے بڑھا دیتا ہے اور اپنی طرف سے بڑے اجر سے نوازتا ہے۔ ''

اقول قولي هذا واستغفرلي ولكم

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

قیامت سے پہلے کچھ حالات و معاملات ایسے برپا ہونے ہیں جن سے اہلِ ایمان کی جنت و جہنم وابستہ ہے۔ مخبرِ صادق، نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک کا مفہوم ہے کہ 'آخری زمانے میں دنیا دو خیموں میں بٹ جائے گی، ایک خیمہ اہلِ ایمان کا ہو گا جس میں نفاق نہ ہو گا اور ایک خیمہ اہلِ نفاق کا ہو گا جس میں ایمان نہ ہو گا'۔ مولانا مسعود کوثر صاحب مدّ ظلّہ کے یہ دروس اسی کامیابی یا ناکامی سے متعلق ہیں اور ان میں اہلِ ایمان کو لائحۂ فکر و عمل فراہم کرنے کا سامان ہے۔ مولانا موصوف نے یہ دروس ایک عوامی مجلس میں ارشاد فرمائے تھے، جہاں برادرِ عزیز حافظ شہزاد (محب اللہ) شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، برادر حافظ شہزاد شہید نے ہی بڑے اہتمام سے ان دروس کو ریکارڈ کیا تھا۔ ان صوتی دروس کو تحریری شکل میں بھائی خیر الدین درانی نے ڈھالا ہے، باذن اللہ یہ دروس قسط وار، مجلّہ 'نوائے افغان جہاد' میں نشر کیے جائیں گے۔ (ادارہ)

انا الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه و نعوذ باالله من شرور انفسنا و من سيئاتِ اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له و نشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و نشهد ان سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله اما بعد۔

اعوذ باالله من الشيطن الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ۝[1]

محترم واجب الاحترام و قابلِ قدر دوستو اور عزیز ساتھیو!

آج جس موضوع کی مناسبت سے یہ مجلس قائم کی گئی ہے وہ ہے علاماتِ قیامت، قیامت سے قبل کے فتن، حالات، واقعات احادیثِ نبویہ ﷺ کی روشنی میں۔ تو اس سلسلے میں علاماتِ قیامت، حالات، فتنے، ملاحم (بڑی جنگیں)، ظہورِ مہدی، خروجِ دجال، نزولِ عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام...... اس بات کو سمجھنے سے اس کا آغاز کرنے سے قبل تین باتیں سمجھنا ضروری ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ قیامت اور علاماتِ قیامت کی اہمیت اسلام میں کیا ہے؟

نمبر دو، علاماتِ قیامت اور قیامت کے موضوع پر اتنی اہمیت کے ساتھ، اس زمانہ میں جہاں اور بہت سارے مسائل ہیں...... ہم اس پر گفتگو کیوں ضروری سمجھتے ہیں؟

اور تیسری بات کہ کیا پیش آنے والے تمام واقعات فتن، احوال، جنگیں اور جتنی اس میں جزئیات ہیں، جنگیں ہیں، مقامات ہیں، مکانات ہیں، تعداد ہیں، تو کیا یہ تمام واقعات، حالات اور جزوی تفصیلات نبی کریم ﷺ نے جن احادیث میں ارشاد فرمائی ہیں وہ صحیح اور مستند ہیں؟ اور آخر میں یہ سوال پیدا ہو گا کہ ان تمام حالات واقعات کے ہوتے ہوئے اور اتنی تفصیلی خبر کے ہوتے ہوئے دنیا میں وہ تبدیلی کیوں نہیں آ رہی اور اگر دنیا میں تبدیلی آتی ہے تو تبدیلی آنے کی صورت و شکل کیا ہو گی؟ ان شاء اللہ ان باتوں کے عرض کر لینے کے بعد ہم ظہورِ مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر نزولِ عیسیٰؑ کے حالات اور اُن کی وفات اور اُن کے بعد دنیا کے حالات کیا ہوں گے، قیامِ قیامت تک کی صورتحال پر ان شاء اللہ تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے آنے کو، سفر کرنے کو، مل بیٹھنے کو، مسجد کے ماحول میں دین کی بات کے سننے کو اور انتہائی فکر اور غور کے ساتھ دلچسپی کے ساتھ ان حالات و واقعات کے سمجھنے کی نیت سے ہمارے بیٹھنے کو قبول فرمائیں۔ جن ساتھیوں نے اس کے لیے محنت کی ہے اس مجلس کو قائم کرنے کے لیے اللہ ان کی محنت کو اُن کی فکر کو اُن کی کاوش کو قبول فرمائے، آمین۔

سب سے پہلی بات: قیامت اور علاماتِ قیامت کی اہمیت اسلام میں کیا ہے؟

تو عزیزانِ محترم!

قیامت اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ ہے۔ قرآنِ پاک میں اللہ ذوالجلال نے تین موضوع ارشاد فرمائے۔ قرآن پاک کا موضوع تین چیزیں ہیں:

۱) توحید

۲) رسالت

۳) قیامت

جہاں گفتگو ہوئی ہے تو توحید اور توحید کے متعلقات پر گفتگو ہوئی...... رسالت، اور رسالت کے منصب پر فائز ہونے والے شخصیات پہ گفتگو ہوئی اور قیامت اور قیامت کے احوال پر گفتگو ہوئی۔ اس کے ضمن میں اور چیزیں بیان ہوتی رہیں واقعات بیان ہوتے رہے لیکن بنیادی گفتگو کا قرآنِ پاک کے کلام کا اور قرآنِ پاک کے مضامین کی بنیاد جو ہے وہ انہی تین چیزوں پر قائم ہیں۔ توحید اور توحید کے متعلقات، رسالت اور رسالت کے متعلقات، قیامت اور قیامت کے متعلقات۔

[1] ہم انہیں اپنی نشانیاں کائنات میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے اپنے وجود میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل کر سامنے آجائے کہ یہی حق ہے۔

ہماری گفتگو یا ہم جو چیز بیان کرتے ہیں حالات و واقعات کے ضمن میں یہ عقیدے کا حصہ بھی ہے، قیامت اور قیامت کے متعلقات پر گفتگو کرنا ہے، یہ نبی کریم ﷺ کی بتائے ہوئے حالات و واقعات کی خبر بھی ہے اس میں احادیث کا بہت بڑا حصہ شامل ہے۔ اس میں مسلمانوں کے مستقبل کے حالات واضح طور پر جو حدیث شریف میں ہیں اس پر بھی گفتگو ہے۔ تو اس اعتبار سے اس گفتگو کے اندر یا اس علم کے اندر چار چیزیں جمع ہو جاتی ہیں:

۱) قرآنی مضامین

۲) احادیث

۳) تاریخ

۴) سیرتِ نبویہ اور رسولِ اقدس ﷺ کا بتایا ہوا علم جو حالات، واقعات، فتن اور مستقبل کی خبر دیتا ہے۔ جس کو علم الفتن کہتے ہیں۔

تو اس اعتبار سے یہ موضوع اہم ہے کہ یہ ہمارے عقائد کا حصہ بھی ہے۔ احادیث کا بیان بھی ہے۔ تاریخ بھی ہے اور سیرت بھی ہے اور نبی کریم ﷺ کی بتائی ہوئی مستند احادیث کے ذریعے اسلام میں جو بنیادی کتب ہیں احادیث کی اُن کے ذریعے سے مسلمان کو مسلمان کے مستقبل اور حالات و واقعات سے جو آنے والے ہیں اُن سے آگاہ کرے۔

تو پہلی بات یہ عرض کی کہ قیامت اور قیامت کے علامات پر گفتگو مسلمان کے بنیادی عقائد کا حصہ ہے اور قرآن پاک کے تین بنیادی مضامین میں سے ایک مضمون۔

دوسری بات کہ نبی کریم ﷺ نے قیامت اور قیامت کی علامات کو انتہائی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور جس طرح قیامت اور علاماتِ قیامت قرآنِ پاک کا بنیادی مضمون ہے۔ اسی طرح احادیث کا بھی بنیادی مضمون ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اسلام کی بنیادی ارکان کے ساتھ ان کا تعلق ہے۔ مسلمان ہونے کے لیے ہم پڑھتے ہیں:

آمنت باالله وملائكته و كتبه ورسله واليوم الآخر

تو واليوم الاخر میں قیامت اور قیامت کے متعلق گفتگو اور اسی طرح ذخیرۂ احادیث میں سات لاکھ سے زائد احادیث ہیں۔ اس میں ایک حدیث ایسی ہے جس کو متفقہ طور پر علمائے اُمت نے "ام السنہ" کہا ہے۔ ایسی حدیث جس میں دین کی موٹی موٹی تمام باتیں، تمام مضامین آگئے ایک ہی حدیث میں، اسے ام السنہ کہتے ہیں۔ اس میں اسلام کی بنیادی چیزیں ساری کی ساری اسی ایک حدیث میں آئی ہیں۔ وہ حدیث معروف ہے۔ حدیث جبریل جس کو حدیث ام السنہ کہا جاتا ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ الصّلاۃ والسلام نبی کریم ﷺ کی مجلس میں ایک انسانی صورت میں آئے اور آکر حضور اقدس ﷺ سے دین کے بنیادی سوال پوچھے کہ اسلام کس کو کہتے ہیں؟ ایمان کس کو کہتے ہیں؟ احسان اور اخلاص کیا ہوتا ہے؟ اور یہ سوال کہ قیامت کب آئے گی؟

تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کہ قیامت ما المسئول عنها باعلم من السائل جس طرح سوال کرنے والے کو قیامت کے وقت کا علم نہیں اسی طرح مسئول کو پتا نہیں۔ جس طرح تجھے قیامت کے وقت کا اندازہ نہیں اسی طرح اللہ نے مجھے بھی قیامت کا علم عطا نہیں کیا۔

اليه يرد علم الساعة جب قیامت کا سوال کیا جاتا ہے تو اس کا جواب اليه يرد اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا لوگ اگر قیامت کے وقت کے بارے میں آپ سے سوال کریں۔ قیامت کا عقیدہ نہیں، قیامت کی علامات نہیں، قیامت کے مناظر نہیں، قیامت کے احوال نہیں، قیامت اَيَّانَ مُرْسٰىهَا اس کا وقت کیا ہے تو اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا اس سوال کا جواب اللہ ہی کی طرف لوٹتا ہے يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا لوگ اگر آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھیں کہ وہ کب آئے گی قُلْ ان سے کہہ دیجیے لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ اللہ کے علاوہ کسی کو اس بات کی خبر نہیں۔

تو نبی کریم ﷺ کی اس حدیث میں جس میں جبریلِ امین علیہ السلام آئے سوال کیا، رسولِ اکرم ﷺ نے جواب دیا۔ جبریلِ امین علیہ السلام نے سوال کیا کہ قیامت کی علامات کیا ہیں؟ رسولِ اکرم ﷺ نے جوابات ارشاد فرمائے اس حدیث کو علمائے اُمت نے اتفاق کے ساتھ "ام السنہ" قرار دیا ہے۔ بنیادی حدیث جس میں دین کی تمام بنیادی چیزیں جو ہیں وہ بیان کر دی گئی ہیں۔ اس سے اس بات کی اہمیت کا علم ہوتا ہے کہ قیامت اور علاماتِ قیامت قرآن کا بھی بنیادی مضمون ہے اور حدیث شریف کا بھی بنیادی مضمون ہے اور کسی بھی مسلمان کے ایمان و یقین اور عقائد میں سے ایک بنیادی عقیدہ ہے۔

یہ مختصر دو باتیں تھیں کہ قیامت اور علاماتِ قیامت کی اہمیت کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے احادیث میں قیامت اور احوالِ قیامت کو تفصیل سے بیان کیا اور قرآنِ پاک کا تو مضمون ہے ہی، بالخصوص آخری پانچ چھ پارے تو ہیں ہی قیامت پر اس میں تمام احوال، واقعات، مناظر قیامت اور قیامت کے احوال کے متعلق ہیں۔ جس میں ایک جگہ نبی کریم ﷺ کے نام پر جو سورت ہے سورۂ محمد ﷺ چھبیسویں پارے کی دوسری سورت ہے جس میں اللہ ذوالجلال نے واضح طور پر ارشاد فرما دیا کہ آپ لوگوں سے کہہ دیجیے کہ علاماتِ قیامت کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے: فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا[1]

---

[1] اب کیا یہ (کافر) لوگ قیامت ہی کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ یکایک ان پر آن پڑے؟ (اگر ایسا ہے) تو اس کی علامتیں تو آچکی ہیں۔

دوسری بات کہ قیامت ہمارے ایمان کا حصہ ہے، ہمارے عقائد کا حصہ ہے، قرآنِ پاک کا مضمون ہے، احادیث کا مضمون ہے۔ اس کے ساتھ جو علاماتِ قیامت ہیں اُن کی اہمیت کیا ہے اور رسولِ اقدس ﷺ نے کس اہمیت کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے۔

تو واجب الاحترام دوستو! بزرگو! عزیز ساتھیو!

نبی کریم ﷺ کی احادیث کا وہ حصہ جو رسولِ اقدس ﷺ نے قیامت، علاماتِ قیامت، قیامت سے پہلے کے حالات، واقعات، فتنے، جنگیں یہ جتنا علم تھا، یہ جتنے واقعات وحالات تھے، نبی کریم ﷺ نے اتنی تفصیل کے ساتھ بیان کر دیے ہیں کہ اس سے زیادہ تفصیل بیان کرنا ممکن نہیں اور محدثین کرام نے...... علمائے اُمت نے اس حصے کو جو حدیث ہی کا ایک حصہ ہے اس کو الگ پہچان دے کر الگ نام دے کر اس کو نمایاں کیا ہے کہ اس علم کا نام ''علم الفتن'' ہے اور اس میں بیان ہونے والی جتنی احادیث ہیں اُن کو الگ عنوان دیا اور کتاب الفتن اشراط الساعۃ کے عنوان سے اس کو اپنی اپنی کتب احادیث میں بیان کیا۔ حدیث کی کوئی بڑی کتاب ایسی نہیں جس میں کتاب الفتن اور ابواب الفتن موجود نہ ہوں اور اسی نام کے ساتھ اسی حوالے کے ساتھ کہ علم الفتن پر جتنی احادیث ہیں وہ کتاب الفتن میں بیان ہوئی ہیں۔ وہ الگ سے ایک Chapter، عنوان ہے، مضمون ہے، احادیث جمع ہیں وہ ہر کتاب کے اندر ہے۔ صحیح بخاری میں دوسری جلد میں کتاب الفتن موجود ہے۔ صحیح مسلم کی دوسری جلد میں کتاب الفتن (اشراط الساعۃ) موجود ہے۔ سنن ابی داؤد کی دوسری جلد میں کتاب الفتن اور ابواب المھدی و ذکر الدجال کے نام سے ابواب موجود ہیں۔ جامع ترمذی میں ابواب الفتن الرسول ﷺ کے نام سے دوسری جلد میں موجود ہے۔ سنن ابن ماجہ میں ابواب الفتن کے نام سے یہ تمام احادیث ایک جگہ جمع ہیں۔ سننِ نسائی میں موجود ہیں۔ مسند حاکم میں موجود ہیں۔ مسند احمد میں ابواب الفتن کے نام سے کثیر تعداد میں روایات موجود ہیں۔ تو حدیث کی ہر بڑی اور مستند کتاب میں کتاب کے اندر ایک کتاب، کتاب کے اندر ایک عنوان، کتاب کے اندر مضامین ''الفتن'' کے نام سے اِن تمام حالات وواقعات کو گھیرے ہوئے ہیں اور وہ احادیث شریف میں موجود ہے۔ جو اس بات کی اہمیت بتاتی ہے کہ اسلام میں یہ مضمون کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔

اور پھر یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جس نے انسان کو انسان کی تاریخ کے ساتھ ساتھ اول سے لے کر آخر تک دنیا کی دنیا سے قبل کی دنیا کے بعد کی تاریخ انسان کو بتائی ہے۔ ورنہ کسی مذہب میں یہ تفصیل موجود نہیں ہے۔ مثلاً اس دنیا میں انسان سے پہلے کیا تھا، یہ قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ جب دنیا وجود میں نہیں آئی تھی تو کیا تھا، قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ اللہ ذوالجلال نے فرشتوں کو کیسے بنایا کس چیز سے بنایا، قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ زمین کی، دنیا کی تخلیق سے پہلے کیا تھا، حدیث میں موجود ہے۔ اللہ کا عرش کہاں تھا قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ دنیا کیسے وجود میں آئی قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی تخلیق کیسے ہوئی؟ اُن سے گفتگو کیا ہوئی؟ وہ جنت میں کیسے داخل کیے گئے؟ ان کے ساتھ کون تھا؟ جنت سے کیسے اتارے گئے؟ کہاں اتارے گئے؟ کتنا عرصہ وہ اکیلے رہے؟ کیا کیا اللہ سے مانگتے رہے؟ کہاں وہ جمع ہوئے؟ اُن سے آگے تخلیق کیسے ہوئی؟ اُن کو نبوت کیسے عطا ہوئی؟ اور اُن سے اولاد کا سلسلہ کیسے چلا؟ دنیا کیسے وجود میں آئی؟ خاندان کیسے وجود میں آئے؟... قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ اللہ ذوالجلال نے انبیاء میں سے کس نبی کو کس بستی میں بھیجا؟ پوری تفصیل قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ انسان کی اپنی تخلیق کیسے ہوتی ہے؟ یہ قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ تخلیقاتِ عالم کیا ہے؟ کس چیز کی قدر کتنی ہے؟ یہ قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ خود زمین کی تاریخ کیا ہے؟ آسمان کی تاریخ کیا ہے؟ پہاڑوں کی تاریخ کیا ہے؟ انسانی مزاج کی تاریخ کیا ہے؟ خود انسان کی بناوٹ کے مراحل کیا ہیں؟ انسانی تخلیق کن مرحلوں سے گزرتی ہے؟ یہ قرآن وحدیث میں موجود ہے۔

نبی کریم ﷺ کے اس دنیا میں تشریف لانے کے بعد جب یہ اُمت قائم ہوئی، دین کا آغاز ہوا، تو کب اور کیسے ہوا؟ یہ اللہ ذوالجلال نے تمام قوموں کے حالات، انبیاء کی تمام تفصیلی خبریں، نبی کریم ﷺ کی احادیث کی صورت میں، قرآنِ پاک کی آیات کی صورت میں یہ اس اُمت کے پاس اسلام میں محفوظ ہیں۔ پھر کائناتِ عالم نے کیسے رُخ موڑا یہ بھی موجود ہے۔ یہ تو ماضی کی خبریں تھی حال میں کیا ہونا چاہیے! انسان کے اطوار کیسے ہونے چاہیں؟ اس کی تعلیمات موجود ہیں۔ آپ کو حال سے کیسے گزرنا ہے؟ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کیسی ہیں؟ یہ قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ پھر مستقبل کا سارا علم کہ دنیا میں تبدیلی کیسے آئے گی؟ کس خِطے میں کیسے آئے گی؟ کون کس پر حملہ آور ہوگا؟ اسلام کا مستقبل کیا ہوگا! کسی خطے میں مسلمان کس حال میں رہیں گے؟ اُن کی تبدیلی کیسے آئے گی؟ اُن کا مستقبل کیا ہوگا؟ عرب کا مستقبل کیا ہے؟ ہند کا مستقبل کیا ہے؟ سندھ کا مستقبل کیا ہے؟ یہ قرآن وحدیث میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ ظہورِ مہدی کیسے ہوگا؟ جہاد کے ذریعے دنیا میں اسلام کا غلبہ کیسے ہوگا؟ حضرتِ مہدی کب اور کہاں اور کس حالت میں آئیں گے؟ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول کس حالت میں کون سے ملک میں کس طرح کب ہوگا؟ قرآن و حدیث میں یہ ساری تفصیل موجود ہے۔ دجال کی تفصیلات موجود ہیں۔ ہر بڑی جنگ کی تفصیل موجود ہے۔ پورے ابواب قائم ہیں کتاب الملاحم کے نام سے۔ جنگیں کہاں کہاں کس کے ساتھ کتنی ہوں گی؟ اُن کی تفصیل کیا ہے؟ اُن کی تعداد کیا ہے؟ مقتولین کتنے ہیں؟ حق پہ کون ہے؟ تمام تفصیلات قرآن وحدیث میں اور صحاحِ ستہ میں موجود ہیں۔ مستند احادیث کے ساتھ موجود ہیں اور بخاری و مسلم میں، ابی داؤد و ترمذی میں تمام واقعات موجود ہیں۔ جو حدیث، جو واقعہ بتایا جائے گا، اسی ذمہ داری کے ساتھ بتایا جائے گا کہ یہ قرآن و حدیث میں موجود ہے اور سندِ صحیح کے ساتھ موجود ہے۔ جس پر اُمت کا اتفاق ہے۔ نزولِ عیسیٰؑ کے حالات کیا ہیں؟ اس کے بعد کے حالات کیا ہیں؟ قیامت کی بڑی علامات کیا ہیں؟ قیامت قائم کیسے ہوگی؟ اس کے احوال کیا ہیں؟ اور انسان جب مرتا ہے تو قبر کے احوال کیا ہیں؟ برزخ کے احوال کیا ہیں؟ عالمِ حشر کیسے ہے؟ اللہ تبارک و تعالیٰ پہلا سوال کیا کریں گے؟

جنت میں داخل ہونے والا پہلے کون ہے آخری کون ہے؟ جہنم میں آخری داخل ہونے والا کون ہے؟ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں سوال وجواب کی مرحلے کیا ہوں گے؟ شفاعت کیسے ہو گی؟ جنت کی نعمتیں کیا ہیں؟ جنت میں سوالات کیا ہیں؟ جنت کے مقامات کیا ہیں؟ جنت کی مجالس کیا ہیں؟ جنت کی گفتگو کیسی ہے؟ جہنم کے حالات کیا ہے؟ طبقات کیا ہیں؟ اس کے عذابات کیا ہیں؟ یہ تمام کی تمام خبریں قرآن وحدیث میں انتہائی تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ تو ماضی، حال، مستقبل کا پورا پورا علم جتنا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس اُمت کو دیا قرآن کی صورت میں یا اس اُمت کے پاس علم آیا حدیث کی صورت میں یہ تمام علوم اس اُمت کو، اُمت کا ماضی، حال اور مستقبل کے پورے واقعات جو ہیں اللہ اور اس کے رسول نے تفصیلاً بتا دیے ہیں۔ اور یہ اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جو بتاتا ہے اور بتاتا اس لیے ہے کہ ماضی سے عبرت حاصل کی جائے اور حال میں اُن تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کی جائے اور مستقبل کے لیے منصوبہ بندی کی جائے۔ ہم اپنے مستقبل کی بنیاد رسولِ اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی تعلیمات کے موافق رکھیں۔

تو اس نشست میں علاماتِ قیامت کو اس انداز سے بیان کیا جائے گا، کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اُمت کو اُمت کا مستقبل کیسے بتایا ہے اور کس اہمیت کے ساتھ بتایا ہے۔ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جہاں توحید کا سبق دیتے، مسائل وفضائل بتاتے، جہاں جہادی قافلے بھیجتے، دعوت کے لیے تشکیل فرماتے، اُمت اور ریاست کا قیام ہوا، اُمت وجود میں آئی، انہی نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ایک مکمل سلسلہ قائم فرمایا اُمت کو اُمت کے حالات و واقعات اور مستقبل کی خبر دینے کے لیے۔ صحابہ کی ایک جماعت موجود ہے، جو رسول اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے مستقبل کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور رسولِ اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ان کو خبر دیتے ہیں، اُن کو لکھواتے ہیں، احادیث سناتے ہیں، حالات و واقعات تفصیل سے بتاتے ہیں، جن کو انہوں نے جمع کیا اور اُمت تک پہنچایا ہے۔ اور نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی یہ دی ہوئی خبریں دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ احادیث جن کو نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مجمع عام میں ارشاد فرمایا اور انتہائی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا۔ اگر اس کی پوری کیفیت کو، اس کی پوری حالت کو بیان کیا جائے تو وقت یہیں صرف ہو جائے۔ خلاصتاً یہ ہے کہ حضورِ اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے، صحیح مسلم کی حدیث ہے کتاب الفتن اور اشراط الساعۃ میں موجود ہے، نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اُمت کو ایک طویل ترین خطبہ ارشاد فرمایا، طویل ترین خطبہ، وہ نہ توحید کے متعلق ہے نہ اس میں مسائل ہیں، نہ اس میں فضائل ہیں، نہ اُمت کو اس میں وصیتیں ہیں، اُس خطبے کا موضوع کیا ہے؟ صرف اور صرف اُس وقت جب رسول اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اس وقت سے لے کر قیامت کے دن کے قائم ہونے تک اُمت کو اُمت کا مستقبل بتایا ہے۔ تمہارے ساتھ یہ پیش آئے گا پھر یہ پیش آئے گا پھر حالات یوں ہوں گے فتنے یوں آئیں گے، جنگیں یوں ہوں گی، اتنے مقتولین ہوں گے، اتنی تعداد ہو گی، اس کی کیفیت یہ ہے، دنیا اس موڑ پر آئے گی، اسلام کا غلبہ یوں ہو گا، ظہورِ مہدی ہے خروجِ دجال ہے، نزولِ عیسیٰ ہے، قیامت تک کے حالات ہے، قیامت کے قائم ہونے تک کے حالات نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اُس خطبہ میں انتہائی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا اور یہ وہ علم ہے "علم الفتن" یہ وہ خطبہ ہے جس کو حضورِ اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مجمع عام میں ارشاد فرمایا۔ راوی یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے خطبے کا آغاز فجر کی نماز کے متصل شروع کیا۔ فجر کی نماز پڑھائی، منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ شروع کیا۔ جو علاماتِ قیامت پر ہے، جو فتنوں پر ہے، جو حالات و واقعات پر ہے اور اُمت کو اُمت کا مستقبل بتا رہے ہیں۔ اس کے ضمن میں ہدایات ہیں، اس کے ضمن میں علامات ہیں، اس کے ضمن میں تعلیمات ہیں، لیکن رسولِ اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے خطبے کا بنیادی نقطہ، بنیادی مضمون جو ہے وہ علاماتِ قیامت اور فتنوں کا بیان ہے۔

(باقی آئندہ، ان شاء اللہ)

بقیہ: مع الأستاذ فاروق

آپ کو ایک 'ہتھکڑی بند' جعلی پولیس مقابلے میں شہید کر دیا۔ قاتل نے شاید یہ سمجھا کہ اس نے ان سے زندگی چھینی ہے، لیکن بندۂ مومن کی معراج تو یہی ہے۔

آج کی محفلِ استاذ کو اقبالؒ کے ان تین اشعار کے ساتھ ختم کرتے ہیں، کہ:

دو عالَم سے کرتی ہے بیگانہ دِل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

کشادِ دَرِ دِل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

اللهم ارزقني شهادةً في سبيلك واجعل موتي في بلد رسولك صلى الله عليه وسلم۔ و آخر دعوانا أن الحمدلله ربّ العالمين۔ و صلى الله على نبينا و قرة أعيننا محمد و على آله و صحبه و من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

نشریات

جو خدا کے آگے جھک جائے، کسی اور کے دَر پہ جھکتا نہیں!

الشیخ المجاہد ابو عبیدہ احمد عمر حفظہ اللہ

امیر حرکت الشباب المجاہدین (القاعدہ صومالیہ) الشیخ المجاہد ابو عبیدہ احمد عمر حفظہ اللہ کے صومالی زبان میں بیان 'لغیر اللہ لن نرکع (ہم اللہ کے سوا کسی اور کے سامنے نہیں جھکیں گے)' کا اردو ترجمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے ہیں، ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں، اس سے مدد و نصرت اور مغفرت طلب کرتے ہیں اور ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اپنے نفس کے شر سے اور برے اعمال کے شر سے۔ جسے اللہ ہدایت عطا کر دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے اللہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

"اے ایمان والو! دل میں اللہ کا ویسا ہی خوف رکھو جیسا خوف رکھنا اس کا حق ہے، اور خبر دار! تمہیں کسی اور حالت میں موت نہ آئے، بلکہ اسی حالت میں آئے کہ تم مسلمان ہو۔" (آل عمران:۱۰۲)

"اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلا دیئے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو، اور رشتہ داریوں (کی حق تلفی سے) ڈرو۔ یقین رکھو کہ اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔" (النساء:۱)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سیدھی سچی بات کہا کرو۔ اللہ تمہارے فائدے کے لیے تمہارے کام سنوار دے گا، اور تمہارے گناہوں کی مغفرت کر دے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اس نے وہ کامیابی حاصل کر لی جو زبردست کامیابی ہے۔" (الاحزاب:۷۰،۷۱)

امابعد، اللہ رب العزت کی کتاب، قرآن مجید دنیا کی سب سے سچی کتاب ہے، اور بہترین رہنمائی محمد رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی ہے، اور سب سے بری چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس قابل بنایا کہ اس کی شریعت کو نافذ کریں، اس کے دین کی حفاظت کریں اور کمزوروں کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اپنے دشمنوں کی شکست و ہزیمت دکھائی ہے اور جس نے کلمۃ اللہ کی سربلندی کی خاطر اٹھ کھڑے ہونے والے مجاہدین کو فتح عطا فرمائی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود عبادت کے لائق نہیں، جس نے اپنے مجاہد بندوں کو عزت و سربلندی عطا فرمائی ہے، اپنے بندوں کو فتح کی نعمت عطا کی ہے اور دشمنوں کو شکست سے دوچار کیا ہے۔

امتِ مسلمہ کے خلاف امریکی یلغار شدت اختیار کر چکی ہے، بالخصوص مشرقی افریقہ کے علاقوں میں۔ نتیجتاً، امریکہ کی جانب سے پوری امت اور مسلمینِ صومالیہ کے خلاف ظلم و تشدد، ناانصافی اور توہین و تذلیل کا بازار بھی مزید گرم ہو گیا ہے۔ مگر اللہ رب العزت نے اپنے پرہیزگار اور مجاہد بندوں کے ذریعے مسلمانوں کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ یہ مجاہدین اللہ کے دشمنوں سے جہاد کرتے ہیں، ان سے نبرد آزما ہوتے ہیں تاکہ ان کے ظلم و تشدد کا تدارک کر سکیں۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

"بیشک اللہ ان لوگوں کا دفاع کرے گا جو ایمان لے آئے ہیں، یقین جانو کہ اللہ کسی دغاباز ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔ جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے، انہیں اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ اپنے دفاع میں لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، اور یقین رکھو کہ اللہ ان کو فتح دلانے پر پوری طرح قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں صرف اتنی بات پر اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا ہے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے، سب مسمار کر دی جاتیں۔ اور اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کریں گے۔ بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے۔" (الحج:۳۸-۴۰)

امریکی قوم کے نام پیغام

اس کے ساتھ ہی میں امریکی عوام کو ایک پیغام دینا چاہوں گا جو اپنی ٹیکس کی رقوم ہماری قوم پر ظلم و تشدد کا بازار گرم کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں، جو ہمارے دین کے خلاف جنگ کرتے ہیں، ہمارے وسائل لوٹتے ہیں، اور صومالیہ کی نام نہاد وفاقی حکومت کے مرتد غداروں کی حمایت کرتے ہیں۔

کیا تم نے کبھی اپنے آپ سے ان آپریشنوں کی بابت سوال کیا ہے جو تمہارے فوجی صومالیہ میں کر رہے ہیں؟ کیا تم نے کبھی اپنی حکومت سے جواب طلب کیا ہے کہ تمہاری ٹیکس کی رقوم کہاں خرچ کی جاتی ہیں؟ کیا تم نے کبھی اپنے آپ سے صومالیہ میں 'افریکام/AFRICOM' کے کردار اور ان جرائم کے بارے میں سوال کیا ہے جن کی یہ ہمارے لوگوں کے خلاف

مرتکب ہے؟ کیا تم نے کبھی مسلمانوں کے حوالے سے اپنی خارجہ پالیسی کا از سرِ نو تجزیہ کیا ہے کہ آخر وہ کیا وجوہات تھیں جن کی بنا پر وہ حملے کیے گئے جو ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ کو تمہارے فخر و غرور کو خاک میں ملانے کا سبب بنے؟ مجاہدین نے تمہاری عسکری قوت کی علامت، پنٹاگان کو کیوں نشانہ بنایا؟ انہوں نے ٹوئن ٹاورز کو کیوں تباہ کیا؟ جو کہ تمہاری معیشت کی ترقی کی علامت تھے، ایک ایسی معیشت جو سود اور سرمایہ داری پر مبنی ہے۔ کیا یہ تمہارے ظلم و جبر کے باعث نہیں تھا؟

مجھے شک ہے کہ تمہیں ان سفاک و بے رحم جرائم کے متعلق زیادہ علم نہیں جو تمہاری فوج صومالیہ اور دنیا کے دیگر حصّوں میں کرتی ہے۔ یا اگر تمہیں ان کی حرکتوں کا علم ہے، تو میرے خیال میں تمہیں ان کی زیادہ پروا نہیں ہے۔ اور اگر پروا ہے بھی تو میرا نہیں خیال کہ اس سے تمہاری صحت پر کوئی ادنیٰ سا بھی فرق پڑتا ہے۔

صومالیہ میں امریکی جرائم

صومالیہ کی مسلم سرزمین پر گزشتہ ۳۰ برسوں سے تمہارے فوجی جن جرائم کا ارتکاب کر رہے ہیں اور ہماری قوم پر ظلم و ستم کے جو پہاڑ توڑ رہے ہیں، وہ اتنے زیادہ ہیں کہ محض چند لفظوں میں ان کا خلاصہ بیان کرنا ممکن نہیں۔

- تمہاری فوج وہ فوج ہے جس کے طیارے مسلسل ہماری قوم پر بلا تفریق بم برساتے ہیں۔
- انہوں نے ۹۰ کی دہائی کے اوائل میں مقدیشو شہر میں ہزاروں مسلمانوں کو قتل کیا۔
- تمہاری حکومت نے سنہ ۲۰۰۶ء کے آخر میں ہمارے ملک میں ایتھوپیا کی جانب سے حملے کا ڈرامہ رچایا، جبکہ تمہارے طیارے ایتھوپین حملہ آوروں کے سامنے مزاحمت کرنے والے اور اپنی آزادی کی خاطر لڑنے والے مجاہدین پر بمباری کرتے رہے۔
- تمہاری حکومت وہ ہے جو صومالیہ کی مرتد حکومت کی مستقل حمایت کرتی ہے، اس کی امداد کرتی ہے اور اس کو تربیت فراہم کرتی ہے۔
- تمہاری فوج وہ ہے جو ہمارے بچوں کے سکولوں پر بمباری کرتی ہے اور انہیں تباہ کرتی ہے، حتیٰ کہ 'سَکاؤ' میں قرآن مجید پڑھنے والے ننھے بچوں کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتی۔
- تمہاری فوج وہ فوج ہے جس نے ہمارے بچوں کو ان کے مدرسوں اور تعلیمی اداروں سے اغوا کیا اور انہیں ان کے گھروں اور والدین سے جدا کر دیا۔
- تمہاری فوج معصوم شہریوں کا قتلِ عام کرتی ہے جن میں کسان، تاجر اور کاروباری افراد، قبائل کے بزرگ (سردار)، علمائے دین، طالب علم، بوڑھے مرد، خواتین اور بچے اور دیگر معصوم شہری شامل ہیں۔
- یہ وہ ہیں جنہوں نے بعض شہروں میں ہسپتالوں پر بھی بمباری کی اور انہیں تباہ کیا جبکہ ان کے اندر مریض موجود تھے جن کا علاج کیا جا رہا تھا۔
- تمہاری فوج وہ ہے جو ہمارے قدرتی وسائل لوٹنے میں، اور ہمارے پٹرول اور معدنیات کے ذخائر چوری کرنے میں سب سے آگے رہی۔
- یہ تمہاری فوج ہی ہے جو ہماری زمین اور ہمارے لوگوں پر قابض ہو رہی ہے۔ انہوں نے اس زمین پر اپنے فوجی اڈے بنائے ہیں جو کہ عوام کی ملکیت تھیں مثلاً مقدیشو اور کسمایو کے ائیر پورٹ۔ اور ان کے جنگی بحری بیڑے مسلسل ہمارے ساحلوں پر گشت کر رہے ہیں۔
- یہ وہ ہیں جنہوں نے ہمارے ملک میں جیلیں اور تشدد خانے قائم کیے ہیں جہاں یہ ہمارے مسلمان بھائیوں پر پکڑے جانے یا جوابدہی کے کسی بھی قسم کے خوف و خطر کے بغیر تشدد کرتے ہیں اور ستم ڈھاتے ہیں۔
- یہ وہ ہیں جو مسلمانوں کی ناجائز طور پر نگرانی کرتے ہیں اور اس مقصد کے لیے انہوں نے جاسوسوں کے نیٹ ورک قائم کیے ہیں جو ان کے لیے کام کرتے ہیں اور ان کے مفادات کے محافظ ہیں۔
- یہ تمہارے لیڈر ر قائدین ہی ہیں جنہوں نے ہمارے ملک میں ایک مرتد کٹھ پتلی حکومت کو سہارا دے کر کھڑا کیا ہے، جو ہمارے دشمنوں کے معاندانہ سیاسی ایجنڈوں کی تکمیل کرتی ہے، نو آبادیاتی تہذیب کو تقویت دیتی ہے۔ جس کے تم پیش رو ہو اور کتاب اللہ سے جنگ کرتی ہے۔
- یہ تمہارے قائدین ہی ہیں جنہوں نے ہمارے ملک میں یہ نام نہاد وفاقی حکومت قائم کی ہے جس کا واحد مقصد کفار کی خوشنودی حاصل کرنا، ان کے کفری قوانین کو نافذ کرنا اور ان کی پالیسیوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہے۔ اس فیڈرل حکومت کے قائدین انتہائی بے شرمی اور ڈھٹائی سے اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ شریعتِ اسلامی کو نافذ نہیں کرتے، بلکہ مغرب کے اطاعت گزار غلام بننے کو ہمارے دین کی پاکیزہ تعلیمات کے مطابق عمل کرنے پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

> ''ہمارا آج یہاں جمع ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یورپین یونین اور ورلڈ بینک نے اب ہم پر اعتماد کرنا شروع کر دیا ہے۔ انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ ہم نے

اب وہ طریقِ حیات اپنانا شروع کر دیا ہے جس سے وہ اپنے ملکوں میں آشنا اور مانوس ہیں، مگر ہمیں ابھی ایک لمبا راستہ طے کرنا ہے۔ وہ اب مزید کوشش کر رہے ہیں کہ ہماری حوصلہ افزائی کریں تاکہ ہم ان کے طور طریقے اور رواج اپنا لیں اور اپنے عوام پر اسی طرح حکومت کریں جس طرح وہ اپنی عوام پر کرتے ہیں۔

وہ اچھے انسان ہیں جنہوں نے اپنے شہریوں سے حاصل کردہ ٹیکس کی رقم کو اچھے طریقے سے سنبھال کر خرچ کیا تو ان کے پاس کچھ رقم زائد بچ گئی۔ جس پر انہوں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ وہ کون لوگ ہیں جو مصیبت زدہ اور بھوکے ہیں، تاکہ ہم ان کی معاشی امداد کریں؟ اس لیے وہ پورے کرّۂ ارض پر ایسی حکومتیں تلاش کرتے ہیں جن کی وہ معاشی امداد کر سکیں، مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ حکومتیں ان کی اقدار کو اختیار کریں گی تاکہ ان کا پیسہ ضائع نہ ہو۔ ہمیں انہوں نے اس لیے چنا ہے کہ ہم ان سے سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔ہاں، ہم مسلمان ضرور ہیں مگر ہم اسلامی تہذیب وروایات کے مطابق عمل نہیں کرتے۔"

فارماجو (لادین صومالی صدر)

مندرجہ بالا مظالم صرف مسلمینِ صومالیہ تک محدود نہیں ہیں بلکہ تمہاری فوج بدستور تمام مسلم علاقوں میں انسانیت سے گرے ہوئے، سفاک اور بے رحم مظالم ڈھانے میں مشغول ہے اور ہزاروں مسلمانوں کو قتل کر چکی ہے۔

- تمہاری حکومت فلسطین پر صہیونی قبضے کی حمایت کرتی اور اسلحے اور پیسے سے اس کی مدد کرتی ہے، اور حال ہی میں تمہاری حکومت نے اعلان کیا ہے کہ وہ یروشلم کے مقدس اسلامی شہر کو یہود کا حق سمجھتی ہے۔
- تمہاری فوج افغانستان، شام، عراق اور یمن پر حملہ ور ہے اور ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کے قتل کی ذمّہ دار بھی۔
- یہی ہیں جو مسلمانوں پر مسلط ظالم وجابر حکمرانوں اور لادین بادشاہوں کے تختوں کے محافظ ہیں تاکہ امت مسلمہ کو مغلوب کیا جا سکے، ان کی طاقت کو کچل سکیں اور انہیں فریضۂ جہاد کی ادائیگی سے روکا جاسکے۔
- انہوں نے پوری مسلم دنیا میں اپنے فوجی اڈے قائم کر رکھے ہیں تاکہ مسلم علاقوں پر اپنا تسلط قائم رکھ سکیں، امتِ مسلمہ میں دہشت پھیلائیں اور مسلمانوں کی متحد ہونے، اپنے دین کو مکمل طور پر نافذ کرنے یا اس کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کی کسی بھی قسم کی کوشش کی روک تھام کر سکیں۔

اس ظلم وجبر، ناانصافی اور وحشت کے باوجود، معلوم ہوتا ہے کہ تم، یعنی امریکی عوام، ان جرائم پر راضی ہو بلکہ ان میں شریک ہو، کیونکہ یہ تم ہی ہو جنہوں نے ان حکومتوں کا انتخاب کیا ہے۔ یہ تمہارے ٹیکس کی رقم ہے جو ہمارے لوگوں پر قبضہ کرنے اور انہیں قتل کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

جان لو کہ تمہیں ان ہزاروں مسلمانوں کے لیے جوابدہ ہونا پڑے گا جنہیں تمہارے فوجیوں نے قتل کیا ہے۔ وہ لاکھوں انسان جو تمہاری عسکری بندشوں کی وجہ سے فاقوں اور کم خوراکی کا سامنا کر رہے ہیں، وہ کمزور افراد جنہیں انہوں نے ذبح کیا ہے، وہ مائیں جنہیں ان کے بچوں سے محروم کر دیا ہے، وہ بزرگ جنہیں زندہ جلا دیا ہے، اور وہ ہزاروں لوگ جو زخمی ہوئے ہیں اور جن کا خون اور آنسو آج بھی بہہ رہے ہیں۔ یہ مظالم تمہارا پیچھا کریں گے اور ایک دن تمہیں جا لیں گے، سو اپنے ان مظالم کا نتیجہ بھگتنے کے لیے تیار رہو۔

اسلام ہی دینِ حق ہے

اسلام عدل و انصاف کا دین ہے، محبت اور رحم کا دین ہے۔ یہ وہ دین ہے کہ جو بھی اس کی آغوش میں آ جاتا ہے، ہدایت پاتا ہے اور جو کوئی اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے، نجات پاتا ہے۔ یہ وہ دین ہے جس کے سایۂ رحمت میں ان یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی ایک محفوظ پناہ گاہ حاصل ہوئی جو شریعتِ اسلامی کے نظام تلے رہ رہے تھے۔ یہ ایک ایسا دین ہے جو نیک اقدار اور اعلیٰ اخلاقی ضابطوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور جہالت و گمراہی کی تمام اقسام اور اکثریت کی ان سفلی خواہشات کی پیروی سے روکتا ہے جو شریعتِ اسلامی سے متصادم ہیں۔ یہی دینِ حق ہے جس کے سوا اللہ کے ہاں کوئی دوسرا دین مقبول نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"بیشک (معتبر) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے، اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے الگ راستہ لاعلمی میں نہیں بلکہ علم آ جانے کے بعد محض آپس کی ضد کی وجہ سے اختیار کیا اور جو شخص بھی اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے تو (اسے یاد رکھنا چاہئے کہ) اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔" (آلِ عمران:۱۹)

اور دوسری جگہ فرمایا:

"جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہو گا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔" (آل عمران:۸۵)

اسلام جو واحد دینِ حق ہے، ہمیں حکم دیتا ہے ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور صرف اسی کے احکام پر اپنا سر جھکائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"(اے پیغمبر) کہہ دو کہ میرے پروردگار نے مجھے ایک سیدھے راستے پر لگا دیا ہے جو کجی سے پاک دین ہے، ابراہیم کا دین۔ جنہوں نے پوری طرح یکسو ہو کر اپنا رخ صرف اللہ کی طرف کیا ہوا تھا، اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔ کہہ دو کہ: بیشک میری نماز، میری

عبادت اور میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور میں اس کے آگے سب سے پہلے سر جھکانے والا ہوں۔ کہہ دو کہ: کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور پروردگار تلاش کروں، حالانکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے؟ اور جو کوئی شخص کوئی کمائی کرتا ہے، اس کا نفع نقصان کسی اور پر نہیں، خود اسی پر پڑتا ہے۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی اور کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر تمہارے پروردگار ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے۔ اس وقت وہ تمہیں وہ ساری باتیں بتائے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔"(الانعام:۱۶۱-۱۶۴)

تمہاری حکومت کا ظلم وجبر

تمہاری حکومت کا واحد مقصد ہمارے عظیم دین کو تباہ وبرباد کرنا اور اسے مٹانا ہے۔ وہ دین کہ جس میں تمہارے لیے بھی ہدایت ورہنمائی ہے اور تمام انسانیت کے لیے بھی، وہ اس دین کے ستونوں کو تباہ کرنا چاہتے ہیں، اس کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں، اور اس کے نام لیواؤں کو دبانا اور کچلنا چاہتے ہیں۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

"یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے اللہ کے نور کو بجھا دیں، حالانکہ اللہ اپنے نور کی تکمیل کر کے رہے گا، چاہے کافروں کو یہ بات کتنی بری لگے۔ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچائی کا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اسے تمام دوسرے دینوں پر غالب کر دے، چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی بری لگے۔"(الصف:۸-۹)

جان لو کہ ظلم وجبر ان اسباب میں سے ایک ہے جو دنیا ہی میں اللہ کی گرفت اور پکڑ میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

- یہ تمہارے ظلم وجبر ہی کے سبب ہے کہ تند و تیز طوفان مسلسل تمہارے ملک کو تختۂ مشق بنائے ہوئے ہیں، اور سیلابوں نے تمہارے شہروں کو ڈبو دیا ہے جس کے باعث تم اپنے گھروں سے بھاگنے پر مجبور ہو۔
- یہ تمہارے ظلم وتعدّی ہی کے باعث ہے کہ تمہارے ملک کے کتنی ہی حصّوں کو جنگلی آگ اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے، اور کتنے ہی علاقے بار بار گرمی کی لہروں اور برفانی طوفانوں کی زد میں آتے ہیں۔
- یہ تمہارا ظلم وستم ہی ہے جس کی وجہ سے انتہائی شدید زلزلے تمہاری زمین کو پھاڑ کر رکھ دیتے اور تمہارے گھروں کو تباہ کر دیتے ہیں۔
- اور یہ تمہارا ظلم ہی ہے جس کے باعث تم مسلسل ایک دوسرے کو انہی ہتھیاروں سے قتل کرنے میں مصروف ہو جو تم خود بناتے ہو، اور جس کی وجہ سے تم دنیا میں زوال پذیر ہو۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

"اور جو بستیاں ظالم ہوتی ہیں، تمہارا رب جب ان کو گرفت میں لیتا ہے تو اس کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے۔ واقعی اس کی پکڑ بڑی دردناک، بڑی سخت ہے۔ ان ساری باتوں میں اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ وہ ایسا دن ہو گا جس کے لیے تمام لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا، اور وہ ایسا دن ہو گا جسے سب کے سب کھلی آنکھوں دیکھیں گے۔"(ہود:۱۰۲،۱۰۳)

اپنے آپ سے پوچھو، کیا یہ زیادہ مناسب نہیں کہ اپنا پیسہ ان فوجیوں کے دستوں پر خرچ کرنے کے بجائے، جو ہماری زمین پر قابض ہیں اور ہمارے لوگوں کو ظلم وجبر کا نشانہ بنا رہے ہیں، تم اپنا پیسہ اپنی قومی سلامتی پر خرچ کرو اور اپنے شہروں کو محفوظ بناؤ، اپنے بچوں کے سکولوں کو محفوظ بناؤ جن کو بندوق بردار تشدد اور مجمع میں کی جانے والی فائرنگ کا روگ لگ چکا ہے، جس میں تمہارے ہزاروں شہریوں اور بچوں کی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں؟

کیا یہ بہتر نہیں کہ تم اپنے ٹیکس کی رقوم نشہ کی وبا کی روک تھام اور ان منشیات کو ختم کرنے پر صرف کرو جنہوں نے تمہارے ملک پر یلغار کر رکھی ہے اور جو تمہارے لوگوں کو تباہ کر رہے ہیں؟

کیا یہ زیادہ دانشمندانہ اقدام نہیں کہ تم اپنے ٹیکس کے پیسے ان لاکھوں بے گھر بچوں کی مدد کرنے پر صرف کرو جو تمہارے شہروں کی گلیوں میں درشت حالات میں راتیں بسر کرتے ہیں؟

کیا یہ زیادہ مناسب نہیں کہ اپنے ٹیکس کا پیسہ ان ہزاروں آزمودہ کار بے گھر افراد کی مدد پر خرچ کرو جن کے پاس رہنے کے لیے کوئی ٹھکانہ نہیں؟

کیا یہ بہتر نہیں کہ اپنے ٹیکس کی رقم ان چالیس لاکھ سے زائد امریکی شہریوں کی فلاح پر خرچ کرو جو غربت کی زندگی گزار رہے ہیں؟

کیا یہ تمہاری منافقت نہیں کہ تم ہر سال جارج واشنگٹن اور اس جنگِ آزادی کی یاد مناتے ہو جو تمہارے آبا نے برطانیہ کے خلاف لڑی تھی، جبکہ تم خود اسی طریقے سے ہم پر قابض ہو جس طریقے سے کبھی برطانیہ تم پر قابض تھا، اور ہمیں صرف اس بنا پر دہشت گرد کہہ کر پکارتے ہو کہ ہم تمہارے ظلم کے خلاف اپنا دفاع کرتے ہیں؟

تم اپنے ہی گھر میں جن اندرونی مسائل کا شکار ہو ان کی روشنی میں سوچو، کہ کیا ہماری زمین پر تمہارا حملہ اور قبضہ ہماری قوم کے خلاف تمہارا ایک ظالمانہ اقدام نہیں ہے؟ جان لو کہ ظلم و تعدّی کی بھی حدود ہوتی ہیں۔ جان لو کہ ہم غیرت مند قوم ہیں جو ظلم وتعدّی کا جوانمردی سے سامنا کرتے ہیں اور اس کے سامنے کبھی سر نہیں جھکاتے۔

ہمارے مطالبات

ہم تمہارے سامنے اپنے مطالبات رکھتے ہیں:

- ہماری مسلم زمینوں سے اپنے فوجی دستے نکال لو

- ہماری خواتین اور بچوں کے خلاف بلا تفریق ہوائی بمباریوں کا خاتمہ کرو
- لا دین صومالی حکومت کی ہر قسم کی تربیت اور امداد کرنا ختم کرو
- ان تمام مسلمانوں کو رہا کرو جن کو تم نے ظلماً اپنی جیلوں میں قید کر رکھا ہے، اپنے عسکری اڈے بند کرو اور وہ خفیہ عقوبت خانے بھی بند کرو جو تم نے صومالیہ میں ہمارے لوگوں کی تذلیل کے لیے قائم کر رکھے ہیں
- ہمارے وسائل لوٹنا بند کرو اور ہمارے دین کے خلاف اپنی جنگ کا خاتمہ کرو
- ان ممالک کی حمایت بند کرو جو ہماری زمین اور ہمارے علاقے پر حملہ آور ہیں، جن میں سرِفہرست ایتھوپیا، کینیا، جیبوتی اور یوگانڈا شامل ہیں

اگر تم ہمارے مطالبات پورے کرنے میں ناکام رہتے ہو تو جان لو کہ اللہ کا وعدہ بہر حال پورا ہو کر رہے گا۔ تم شکست کھاؤ گے، تمہارا مال و دولت تباہ و برباد ہو جائے گا، مسلمان تمہارے قبضے سے آزادی حاصل کریں گے اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم ہمارا اولین ہدف ہو گے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

"جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ اپنے مال اس کام کے لیے خرچ کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکیں۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ لوگ خرچ تو کریں گے، مگر پھر یہ سب کچھ ان کے لیے حسرت کا سبب بن جائے گا، اور آخر کار یہ مغلوب ہو جائیں گے۔ اور (آخرت میں) ان کافر لوگوں کو جہنم کی طرف اکٹھا کر کے لایا جائے گا۔" (الانفال:۳۶)

تم اسی روز بیدار ہو گے اور میدانِ جنگ کے ان حقائق سے آشنا ہو گے جب تم ہزیمت سے دوچار ہو گے۔ اس کی ایک واضح مثال وہ مکمل، ذلت آمیز اور رسوا کن شکست ہے جس کا تمہیں افغانستان میں سامنا کرنا پڑا ہے اور اب تم وہاں سے نکلنے کے لیے کوئی تدبیر لڑانے کی کوشش میں مصروف ہو۔ ۲۰۰۱ء میں تم نے اسلام کے خلاف جس جنگ کا آغاز کیا تھا، وہ تمہاری سب سے لمبی اور مہنگی ترین جنگ بن گئی ہے جس میں تم شامل ہوئے ہو۔ یہ جنگ اب بھی جاری ہے اور تمہارے ملک اب بھی اس جنگ میں نچوڑا جا رہا ہے۔

تم نے صومالیہ میں جو بویا ہے سو کاٹو!

اگر ہم صومالیہ کی ماضی قریب کی تاریخ کی ادنیٰ سی جھلک دیکھیں تو ہم سوال کرتے ہیں کہ تم نے ہم سے اپنی اس جنگ میں کیا حاصل کیا ہے؟ باوجود زمین پر ہمارا محاصرہ کرنے، جہازوں سے ہم پر بم برسانے، ہم پر مستقل شیلنگ کرنے، ہمارے خلاف سازشیں کرنے، ہمارے خلاف کرائے کی فوجیں بھرتی کرنے، باوجود کٹھ پتلی حکومتیں کھڑی کرنے، خطیر مقدار میں پیسہ اور مال خرچ کرنے اور تمہارے تمام جھوٹوں کے باوجود...... مختلف فوجی دستوں کی تشکیل، بزدل وڈرپوک فوجیوں کی حوصلہ افزائی، مہارت و تجارب کا تبادلہ اور مسلسل یکے بعد دیگرے جنگی کمانڈروں کی تبدیلی......اس سب کے باوجود کیا تم نے اپنے وہ اہداف حاصل کر لیے جن کی تمہیں توقع اور امید تھی؟ کیا اس سب سے تمہیں کسی بھی قسم کا فائدہ حاصل ہوا؟ یا اس کا نتیجہ محض مایوسی، ناامیدی اور ایک ایسے سراب کی صورت میں نکلا ہے جس کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے؟

کتنی ہی بار ہم نے تمہیں خبردار کیا کہ ہمارے خلاف یہ ظلم و جبر کا سلسلہ ختم کر دو، ہمارے دین سے جنگ کرنا بند کر دو، اور ہمارے علاقوں سے اپنے فوجی دستے نکال لو۔

کتنی دفعہ ہم نے تمہیں متنبہ کیا کہ تمہارا یہ غرور و تکبر اور گھمنڈ، پچھتاووں، پشیمانی اور تاسف و ندامت کا پیش خیمہ ہے۔

کتنی ہی دفعہ تم نے ہمارے خلاف سازشوں کے جال بُنے، ہماری تنبیہ و تاکید کرنے کا مذاق اڑاتے رہے اور استہزا کرتے رہے، یہ سوچتے ہوئے کہ ہماری دھمکیاں کبھی حقیقی صورت اختیار نہیں کریں گی۔

کتنی دفعہ تم نے اسلام کو طاقت و قوت کے بل پر دبانا اور کچلنا چاہا، مسلمانوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا، اور اسلام اور اس کے نور کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوششیں کیں۔ کتنی بار تم نے چاہا کہ جمہوریت کو نافذ کرو، ہمارے ملک کو تقسیم کرو اور ہماری قوم کو کفر کی جانب دھکیل دو۔ سو چکھو اب اپنے ان اعمال کا مزا اور کاٹو جو کچھ تم نے بویا ہے۔ تم اپنے عسکری نقصانات کی پردہ پوشی کرنے کے حوالے سے مشہور ہو، مگر اگر صرف تمہارے ہلاک شدہ فوجیوں کے خاندانوں کا ہی انٹرویو کیا جائے اور ان سے اس غم اور صدمے کی بابت سوال کیا جائے جس سے وہ آج گزر رہے ہیں۔ یاد کرو، ۱۹۹۳ء میں صومالیہ میں اپنی فوج کی عبرتناک شکست کی تاریخ کو جب مقدیشو میں تمہارے فوجی دستے قتل کیے گئے۔ یاد کرو کیسے ان کی لاشیں گلیوں میں گھسیٹی گئیں اور ریت نے ان کی سفید کھال ادھیڑ کر رکھ دی۔ یہ تو اس قدر بزدل ہیں کہ ان میں اپنی شکست تسلیم کرنے کا بھی حوصلہ نہیں، سو اس بارے میں کلنٹن سے پوچھو کہ ان کا میدانِ جنگ میں کس بے جگری سے لڑنے والے جواں مردوں سے واسطہ پڑا۔ اپنے ان فوجیوں سے پوچھو جنہوں نے لڑائی میں حصّہ لیا اور دیگر اتحادی فوجیوں سے کہ ان کو ہم نے کیسی عبرتناک شکست کا مزا چکھایا۔ پوچھو اور جانو ان پوشیدہ حقائق کو جن کو چھپایا جاتا ہے۔

ہماری جنگ تو ابھی شروع ہوئی ہے۔ 'بلیدوگل'[3] تو محض ایک پیغام تھا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ تمہیں وہ مل گیا ہو گا۔ ہم اللہ پر توکل کرتے ہوئے تم سے لڑتے رہیں گے کہ وہ ہمارا نگہبان ہے جبکہ تمہارا کوئی نگہبان نہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[3] صومالیہ کی سب سے بڑی امریکی بیس پر مجاہدین صومالیہ نے حملہ کیا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے سو سے زائد امریکی فوجی ہلاک ہوئے اور اس طرح کئی ڈرون طیارے، ہیلی کاپٹر اور ہموی گاڑیوں کو نشانہ بنایا گیا۔

"اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔" (الانبیا:۱۰۵)

"یقین رکھو کہ ہم اپنے پیغمبروں اور ایمان لانے والوں کی دنیوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں، اور اس دن بھی کریں گے جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔" (الغافر:۵۱)

"اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لشکر کے لوگ ہی غالب رہتے ہیں۔" (الصافات:۱۷۳)

اے اللہ! یہ آپ ہی کی توفیق و نصرت ہے، جس کے بل پر ہم جنگ کرتے ہیں، آپ کے دشمنوں کا سامنا کرتے ہیں اور ان سے لڑتے ہیں۔ آپ کے سوا ہمارے پاس کوئی قوت و صلاحیت نہیں ہے۔

بلیدوگل ائیر بیس حملہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجاہدین کو یہ توفیق دی کہ وہ صومالیہ میں موجود سب سے بڑی امریکی ملٹری بیس کو نشانہ بنائیں اور اس پر حملہ کریں۔ یہ ملٹری بیس یوگانڈا کے بہت سے فوجی دستوں اور افواج کا بھی مسکن تھی۔ اللہ کے فضل و کرم سے مجاہدین نے امریکی ملٹری ہیڈ کوارٹر کو نشانہ بنایا، کامیابی سے انتہائی سخت حفاظتی حصار میں گھری ہوئی بیس کے حصار میں شگاف ڈالا اور اندر موجود امریکی فوجیوں کو قتل کیا۔

اور ہم اللہ سے امید کرتے ہیں کہ بلیدوگل ائیر بیس پر حملے کی یہ کارروائی، اللہ کے دشمنوں کے خلاف جاری جہاد میں ایک بابرکت فتح کا مقدمہ ثابت ہو گا۔ اور یہاں میں تمام مسلمانوں اور مجاہدین سے التماس کرتا ہوں کہ پوری دنیا میں امریکی مفادات کو اپنا ہدف بنانے کو اپنی اولین ترجیح بنالیں۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ امریکیوں کو جہاں بھی پاؤ انہیں قتل کرو۔ ان کی نقل و حرکت محدود کر دو، ان کا محاصرہ کرو، کہ یہ یہی کارروائیاں ہیں جن کے ذریعے آپ جنت میں اونچا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ سے اپنے لیے کامیابی اور استقامت طلب کریں۔

مشرقی افریقہ کے مجاہدین کے نام پیغام

جہادِ مشرقی افریقہ کی صفِ اول میں جمے مجاہدین سے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ، یہ آپ کہ وہ بھائی ہیں جنہوں نے بلیدوگل ائیر بیس کو تباہ کر دیا اور جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو اس دنیاوی زندگی پر ترجیح دی۔ انہوں نے اس دشمن کی طاقت کو کمزور کرنے کو اختیار کیا جس نے ہمارے دین اور زمین کے خلاف جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ انہوں نے ہمارے مسلمان بھائیوں کے خون کا انتقام لینے کو اختیار کیا جنہیں امریکی اپنی فضائی بمباریوں کے بے رحم سلسلے میں دن رات نشانہ بناتے ہیں۔ انہوں نے اپنی جانیں قربان کرنے کو اختیار کیا تا کہ اس زمین پر اللہ کی کتاب نافذ کی جا سکے۔ انہوں نے اپنے لیے مشکلات اور مصائب اختیار کر لیے تا کہ ان کی قوم محفوظ و مامون ہو جائے۔ جان لیجیے کہ ان رجال کی اس قربانی میں ایک عظیم مثال ہے جس کی اقتدا کی جانی چاہیے۔

انہوں نے ہمیں ایک بہت بڑی ذمہ داری سونپ دی ہے اور یہ ان سے بے وفائی ہو گی اگر ہم ان کی سونپی ہوئی ذمہ داری سے روگردانی کریں اور جہاد کا یہ راستہ چھوڑ بیٹھیں یا حملہ آوروں سے لڑنے میں تساہل برتیں۔ یہ ان کا ہم پر حق ہے کہ ہم ان کے لیے دعائیں کریں، ان کے بچوں اور بیواؤں کی کفالت کریں، ان کی فلاح و بہبود کا خیال رکھیں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ ان کا خون رائیگاں نہیں بہا۔

فدائی عملیات ان بہترین ہتھیاروں میں سے ہیں جو دشمن کی افواج کو مفلوج کر دیتی ہیں اور ان کے غرور و تکبر کو خاک میں ملا دیتی ہیں۔ ان کے ذریعے اللہ نے ہمیں بہت سی فتوحات عطا کی ہیں۔ یہ نہایت اہم ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے آپ کو تیار کرے اور استشہادی مجموعہ کی صفوں میں شامل ہونے کا پختہ ارادہ کرے۔ ہم ہر وقت اور ہر لحظہ اللہ کے حضور اپنی جان قربان کر دینے کے لیے تیار رہیں، جب بھی ہمیں پکارا جائے ہم حاضر ہوں، تا کہ پوری دنیا پر کتاب اللہ کی حکومت قائم کی جا سکے۔

مفہوم حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو دیکھ کر کب مسکراتے ہیں؟ جب وہ بغیر کسی زرہ کے دشمن کی صفوں میں لڑتا ہوا گھس جاتا ہے! (ابن ابی شیبہ)

اختتامیہ

آخر میں، میں اپنے ان مجاہد بھائیوں کا شکر ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے بلیدوگل کا معرکہ اوراقِ تاریخ میں اپنے خون سے رقم کیا اور کفار کو ایک ذلت آمیز شکست اور ہزیمت کا تلخ مزہ چکھایا۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ ان بھائیوں کی شہادت قبول فرمائے، اور انہیں جنت میں انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین کی رفاقت میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے، اور یہ کیا ہی خوب رفاقت ہے۔ اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

"اور جب ان لوگوں سے تمہارا مقابلہ ہو جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے، تو گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب تم ان کی طاقت کچل چکے ہو، تو مضبوطی سے گرفتار کر لو، پھر چاہے احسان کر کے چھوڑ دو، یا فدیہ لے کر یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار پھینک کر ختم ہو جائے۔ تمہیں تو یہی حکم ہے اور اگر اللہ چاہتا تو خود ان سے انتقام لے لیتا، لیکن (تمہیں یہ حکم اس لیے دیا ہے) تا کہ تمہارا ایک دوسرے کے ذریعے امتحان لے۔ اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے، اللہ ان کے اعمال کو ہرگز اکارت نہیں کرے گا۔ وہ انہیں منزل تک پہنچا دے گا، اور ان کی حالت سنوار دے گا۔ اور انہیں جنت میں داخل کرے گا جس کی انہیں خوب پہچان کرادی ہو گی۔" (محمد:۴-۶)

اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں:

"چنانچہ ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کی (اور کہا) کہ: میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم سب آپس میں ایک جیسے ہو۔ لہٰذا جن لوگوں نے ہجرت کی، اور انہیں ان کے گھروں سے نکالا گیا، اور میرے راستے میں تکلیفیں دی گئیں، اور

جنہوں نے (دین کی خاطر) لڑائی لڑی اور قتل ہوئے، میں ان سب کی برائیوں کا ضرور کفارہ کر دوں گا، اور انہیں ضرور بالضرور ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے انعام ہو گا، اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بہترین انعام ہے۔" (آل عمران: ۱۹۵)

نعیم ابن حماد سے روایت ہے کہ:

"شہدا میں سب سے اچھا شہید کون ہے؟، وہ جو جب میدان میں دشمن کا سامنا کرتے ہیں تو پیٹھ نہیں پھیرتے یہاں تک کہ قتل کر دیے جاتے ہیں۔ وہ جنت کے سب سے اعلیٰ درجوں میں رہیں گے اور تمہارا رب ان کو دیکھ کر مسکرائے گا۔ اور اگر تمہارا رب اس دنیا میں اپنے کسی بندے کو دیکھ کر مسکرائے تو وہ روزِ قیامت حساب کتاب سے نجات پائے گا۔" (مسند احمد)

بلید و گل میں حملہ کرنے والے فدائی مجاہدین کو الوداع

اللہ تعالیٰ نے آج آپ کا انتخاب کیا ہے تاکہ آپ اپنے خون سے اس کے دین کی نصرت کریں اور امّت مسلمہ پر چھائی ذلّت و پستی کو دور کر دیں۔ آپ جس ہدف پر حملہ کرنے جا رہے ہیں، اس کے لیے مسلمانوں نے ہر اس چیز سے آپ کی مدد و نصرت کی ہے جو ان کے بس میں تھی، اور اللہ جانتا ہے کہ آپ کی مزید اعانت کرنے کے لیے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے، آپ کا ہدف صومالیہ میں امریکہ کی سب سے بڑی ملٹری بیس ہے۔ یہ وہی بیس ہے جہاں سے ڈرون طیارے اڑتے ہیں۔ جہاں سے مسلمانوں کو نشانہ بنانے والے ہیلی کاپٹر پرواز کرتے ہیں۔ جہاں سے 'بینکر وفٹ گلوبل' کے کرائے کے سپاہی مسلمانوں کے خلاف چھاپے مارتے ہیں۔ جہاں امریکی افواج اپنی مرتد کٹھ پتلیوں کی تربیت کرتے ہیں۔ یہ وہ ہدف ہے جس کی طرف آپ جارہے ہیں۔ یہ ائیر بیس جو کہ صومالیہ میں موجود سب سے بڑی امریکی ملٹری بیس ہے، یہ 'بلید و گل' ائیر بیس ہے۔ آج ہمارا سب سے بڑا ہدف مرتدین نہیں، بلکہ امریکی افواج ہیں۔ آج ہم نے اس کارروائی کے لیے جو اتنی محنت اور تیاری کی ہے، تو امریکی افواج کو نشانہ بنانے کے لیے کی ہے۔ اس لیے آپ کو نہایت مستعدی سے یہ آپریشن پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہو گا۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ کفار بزدل و ڈرپوک ہیں، جیسا کہ اللہ نے ہمیں قرآن مجید میں بتلایا ہے۔ یہ آپریشن جو آپ کرنے والے ہیں یہ ہر اس مسلمان کا بدلہ ہے جو ان امریکی ڈرون حملوں کے نتیجے میں متاثر ہوا یا قتل ہوا۔ یہ ہمارے ان مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی جانب سے انتقام ہے جو جیلوں میں قید ہیں، جن میں سرِ فہرست ہماری بہن عافیہ صدیقی ہیں۔ اور ہمارے وہ بھائی جو شہید ہو چکے ہیں، جن میں سب سے پہلے عالمی جہاد کے قائدین کا نام آتا ہے، جیسا کہ شیخ اسامہ بن لادن، شیخ ابو بصیر، شیخ ابو یحییٰ اللیبی، شیخ عطیۃ اللہ، شیخ ابو الخیر، ہمارے شیخ ابو زبیر اور معالم آدم، حرکتہ الشباب المجاہدین کے بانی قائدین، اور ان کے علاوہ دیگر تمام شہدا۔

جان لیجیے کہ آپ وہ مرد ہیں جن کو ان مظلوم مسلمانوں کا بدلہ لینا ہے جنہیں بلید و گل سے اڑنے والے امریکی ڈرون طیارے قتل کرتے ہیں۔ آپ کو ان عفت مآب بہنوں کا انتقام لینا ہے جن کی عزت و آبرو بینکر وفٹ کے یہ مرتدین اور صلیبی اپنے چھاپوں اور حملوں میں لوٹتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ آپ کہ وہ بھائی جن سے ان مرتدین اور صلیبیوں نے اپنی جیلیں بھر دی ہیں، وہ آپ پر انحصار کرتے ہیں۔ آپ ہی کو پوری دنیا میں شہید ہونے والے ہمارے ان بھائیوں کے قتل کا بدلہ لینا ہے جنہیں ان امریکیوں نے اپنے ڈرون طیاروں کے ذریعے نشانہ بنایا ہے۔

یہ آپ کا خون ہی ہے جس کے ذریعے شریعتِ اسلامی کا نفاذ ہو گا۔ کیا جب مجاہدین نے لیگو اور جِنالے پر حملہ کیا تھا تو یہ کفار اپنی بہت سے اڈے خالی کرنے پر مجبور نہ ہو گئے تھے؟ یہ آپ کا خون ہی ہے جس کے ذریعے اللہ کا دین نافذ ہو گا اور مسلمان شریعتِ اسلامی کے مطابق اپنی زندگیاں ڈھال سکیں گے۔ آپ کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔

ہم آج یہاں آپ کو الوداع کہنے کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں۔ ہم آپ کو اس دنیا کی مشکلات و مصائب سے الوداع کہتے ہیں اور ہمیشگی کی خوشیوں اور دائمی راحتوں کی جانب الوداع کہتے ہیں۔ ہم آپ کو لقائے الٰہی کی جانب رخصت کرتے ہیں، ہم آپ کو جنت کی جانب رخصت کرتے ہیں۔ عبد اللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تمہارے بھائی احد میں قتل کیے گئے تو اللہ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے سینوں میں ڈال دیں جو جنت کی نہروں سے سیراب ہوتے ہیں، اس کے پھل کھاتے ہیں، اور عرشِ الٰہی سے لٹکتی سنہری قندیلوں میں رہتے ہیں۔ پھر اپنی اس زندگی کا مزہ چکھنے کے بعد انہوں نے کہا: 'کون ہے جو ہمارے بھائیوں تک ہمارا یہ پیغام پہنچا دے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور اپنا رزق پاتے ہیں تاکہ وہ جہاد سے منہ نہ موڑیں اور ثابت قدمی سے لڑتے رہیں؟' اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: 'تمہارا پیغام میں پہنچاؤں گا'۔"

سو ان کا پیغام اللہ نے آپ تک پہنچایا اور یہ آیات نازل فرمائیں:

"اور (اے پیغمبر) جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں، انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے۔ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے وہ اس پر مگن ہیں، اور ان کے پیچھے جو لوگ ابھی ان کے ساتھ (شہادت میں) شامل نہیں ہوئے، ان کے بارے میں اس بات پر بھی خوشی مناتے ہیں کہ (جب وہ ان سے آکر ملیں گے تو) نہ ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ کی نعمت اور فضل پر بھی خوشی مناتے ہیں اور اس بات پر بھی کہ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔" (آل عمران: ۱۶۹-۱۷۱)

والصلاة والسلام على حبيبنا رسول الله، وعلى آله و صحبه۔ والحمد لله رب العالمين۔

اصل مقصود رضائے الٰہی ہے، اقتدار نہیں!

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ

صاف بات یہ ہے کہ علما بھی سب نہیں ہیں بلکہ علما بھی حقیقت میں وہ ہیں جو لیڈروں کے تابع نہ ہوں حکم شرعی کے تابع ہوں۔ اور جو علما لیڈروں کے تابع ہوں ان کی حالت یہ ہے کہ واللہ اگر لیڈر آج اپنی رائے کو بدل دیں تو یہ علما بھی ادھر ہی ہو جائیں مگر ہیں عقل مند کہ فوراً فتویٰ نہ بدلیں گے کیونکہ اس سے عوام کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ ان کے فتوے لیڈروں کی رائے کے تابع ہیں بلکہ آہستہ آہستہ اپنی رائے کو بدل کر لیڈروں کے راستے پر آجائیں گے۔

علما لیڈروں کے ساتھ

آج کل علما لیڈروں کے ساتھ دو وجہ سے ہیں یا تو اس لیے کہ ان سے علیحدگی میں زوالِ جاہ کا اندیشہ ہے، چنانچہ مشاہد ہے کہ جو علما ان کے ساتھ ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے ان کی تحریکات میں شرکت نہ کی تو مدرسہ کا چندہ بند ہو جائے گا کوئی مدرسہ کی اعانت نہ کرے گا ایک عالم نے مجھے لکھا تھا کہ ان تحریکات سے علیحدگی کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم اکیلے رہ جاؤ گے کوئی تمہارے ساتھ نہ ہو گا۔ میں نے جواب دیا کہ مجھے خدا کا ساتھ کافی ہے اور کسی کے ساتھ ہونے کی ضرورت نہیں لعنت ہے ایسے جاہ و مال پر جس میں مخلوق کی رضا مقصود ہو۔

مسلمانوں کی شان تو یہ ہونا چاہیے کہ رضائے الٰہی کے سامنے اس کو کسی کی پروانہ ہو۔ اگر مخلوق اس کو پاگل بنا کر چھوڑ دے مگر خدا راضی ہو تو وہی اس کے لیے سلطنت ہے اگر وہ پاگل بھی ہے تو کس کا پاگل ہے......

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم
مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

اس کے نزدیک جو خدا کا دیوانہ نہ ہو وہ خود دیوانہ ہے......

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد
مرعسش را دید و در خانہ نشد

مگر ان کی دیوانی عقل کی دیوانگی نہیں بلکہ مستیٔ عقل سے ان پر ایک نشہ سوار ہے۔ یہ وہ دیوانگی ہے جس پر ہزار عقلیں قربان ہیں......

اوگل سرخ ست تو ازخونش میخواں
مست عقل است اوتو مجنونش مخواں

کوئی تو اس لیے نیند میں پڑا سو رہا ہے کہ روٹی نہیں ملی، فاقہ گزر رہا ہے اور یہ اس لیے نیند میں ہے کہ کھا بہت گیا ہے۔ بہت کھانے سے بھی نیند آیا کرتی ہے۔ اسی طرح کوئی تو اس لیے مجنون ہے کہ اس کے پاس عقل نہیں اور کوئی اس لیے مجنون ہے کہ غلبۂ عقل سے مست ہو گیا ہے یہ مصالح کو مصالحہ کی طرح پیس ڈالتے ہیں۔ اس کی بڑی مصلحت یہ ہوتی ہے کہ ایک کو راضی کر لیں......

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار
بگذارند و خم طرۂ یاری گیرند

یاد رکھو سلطنت مقصود بالذات نہیں بلکہ اصل مقصود رضائے حق ہے۔

رضائے حق

اگر ہم سے خدا راضی نہ ہو تو ہم سلطنت کی حالت میں فرعون ہیں۔ اور لعنت ہے ایسی سلطنت پر جس سے ہم فرعون کے مشابہ ہوں اگر سلطنت مقصود بالذات ہوئی تو فرعون وہامان و نمرود و شداد بڑے مقرب ہونے چاہئیں حالانکہ وہ مردود ہیں۔ معلوم ہوا کہ سلطنت وہی مطلوب ہے جس میں رضائے حق بھی ساتھ ساتھ ہو اور جس سلطنت میں رضائے حق نہ ہو وہ وبالِ جان ہے۔ اگر ہم سے خدا راضی ہو تو ہم پاخانہ اٹھانے پر بھی راضی ہیں اور اسی حالت میں ہم بادشاہ ہیں۔ آخر حضرت ابراہیم بن ادہم کیا تمہارے نزدیک پاگل تھے؟ ان کو تو سلطنت ملی ہوئی تھی۔ پھر کیوں چھوڑی؟ محض اس لیے کہ مقصود میں خلل واقع ہوتا تھا۔ معلوم ہوا کہ سلطنت خود مقصود نہیں بلکہ مقصود دوسری چیز ہے کہ اگر اس میں خلل واقع ہونے لگے تو اس وقت ترکِ سلطنت ہی سلطنت ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم ہر فن کے امام ہیں۔ حدیث میں ثقہ اور محدث ہیں اور فقہا میں فقیہ اور صوفیہ میں تو امام ہیں۔ ان کو کوئی پاگل نہیں کہہ سکتا جو ان کو پاگل کہے وہ خود پاگل ہے۔ پھر دیکھو تو انہوں نے کیا کیا۔ جب رضائے حق میں سلطنت کو مزاحم دیکھا تو بادشاہت پر لات مار کر الگ ہو گئے۔

حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو سلطنت مضر مقصود نہ تھی، تو ان کو اجازت دی گئی کہ منصبِ خلافت کو قبول کریں اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے لیے مضر مقصود تھی تو ان کے لیے حکم ہے لا تؤتّن أمانتاً و لا تقضين بين اثنين (امانت نہ لینا اور نہ ہی دو لوگوں کے جھگڑے میں کوئی فیصلہ کرنا)۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت خود مقصود نہیں بلکہ مقصود رضائے حق ہے، اگر سلطنت سے مقصود میں خلل واقع ہو تو اس وقت اس سے منع کیا جائے، حضرت ابوذرؓ تو اتباعِ احکام (شریعت) کا ارادہ بھی کرتے تھے ان کو جب بھی قضا و حکومت کی اجازت نہ دی گئی اور تم تو اتباع احکام (شریعت) کا بھی قصد نہیں کرتے۔ اس حالت کی تم کو کیونکر اجازت دی جا سکتی ہے؟ (بحوالہ: تقليل الاختلاط مع الانام ص ۶۰ تا ۶۳)

فکر و منہج

قلوب و اذہان کی جنگ

الشیخ امام انور العولقی شہید رحمۃ اللہ علیہ

زیر نظر مضمون، الشیخ الشہید، امام انور بن ناصر العولقی رحمۃ اللہ علیہ کی انگریزی تقریر ہے جس کا بنیادی ترجمہ انٹرنیٹ پر کسی داعیٔ دین نے کیا ہے (ہمیں مترجم کا نام معلوم نہیں، اللہ اس مترجم کو اجرِ عظیم سے نوازے)۔ اس ترجمے کو یہاں مزید رواں کر کے افادۂ عام کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس مضمون کو پڑھ کر اندازہ ہو گا کہ اہلِ کفر نے مسلمانوں کو رام کرنے یا مغلوب کرنے کے لیے کتنی بڑی بساط بچھائی تھی اور اللہ ربّ العزت نے اپنے فضل سے کس طرح اس بساط کو لپیٹا ہے، بلکہ الٹ دیا ہے۔ اس مضمون میں بعض جگہ ہمارے خطے کے حالات کے مطابق حاشیے درج کیے گئے ہیں۔ اللہ پاک نے فیصلہ تو فرما دیا ہے کہ فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝ (سورۃ المائدۃ: ۵۶)، "یقیناً اللہ کی جماعت ہی غالب آ کر رہے گی"، لیکن سوال ہمارا ہے کہ ہم کس جماعت میں ہیں۔ اللہ پاک ہمیں اللہ والوں کی جماعت کا حصہ بنائے، آمین یا ربّ العالمین۔ یہ مضمون بھی اسی غرض سے شائع کیا جا رہا ہے تاکہ ہم اللہ والوں کی جماعت کا حصہ کھلی آنکھوں اور انشراحِ صدر کے ساتھ بن سکیں۔ (مدیر)

تمام تر تعریفیں اللہ کے لیے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کے وہ ہماری تمام کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور ہمیں نفع بخش علم سے نوازے۔ جیسا کہ پہلے آگاہ کیا گیا تھا کہ ہمارا آج کا موضوع "قلوب و اذہان کی جنگ" ہو گا تو میں (Rand Institute) کی 2007ء میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ سے ایک اقتباس پڑھ کے شروع کرتا ہوں جس کے مطابق:

"مسلم دنیا میں جاری جدوجہد لازمی طور پر نظریات کی جنگ ہے، اس جدوجہد کا جو بھی نتیجہ نکلے گا وہی مسلم دنیا کی مستقبل کی سمت کا تعین کرے گا۔"

امریکہ کی وزارتِ دفاع (Defense Department) کی ایک چار سالہ دفاعی جائزہ رپورٹ کے مطابق، "امریکہ کو اس وقت ایک ایسی جنگ کا سامنا ہے جو بہ یک وقت ایک بندوق کی جنگ بھی ہے اور نظریات کی بھی۔ اس جنگ میں حتمی فتح صرف اسی صورت ممکن ہے جب انتہا پسند نظریات کو ان معاشروں میں جہاں یہ پل رہے ہیں اور ان کے خاموش حامیان کی نظر میں غلط اور فرسودہ نہ ثابت کر دیا جائے۔"۔

لہٰذا دونوں رینڈ اور پنٹا گان، کے مطابق مسلم دنیا میں نظریات کی جنگ برپا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی اس اندرونی کشمکش میں وہ کس جگہ پر کھڑے ہیں؟ در حقیقت یہ کشمکش دو ایسے گروہوں کے درمیان ہے جن میں سے ایک اسلام پہ من و عن اس طرح عمل پیرا ہونا چاہتا ہے جیسے یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہ نازل ہوا اور کلیتاً اس کو اپنانا چاہتا ہے جبکہ دوسرا گروہ اس حوالے سے ایک قسم کی اختیاری روش اپنانا چاہتا ہے، یعنی اسلام کے کسی ایسے حکم پہ تو عمل کر لیا جس پہ عمل کرنے کا جی چاہا اور جسے چھوڑنے کا دل چاہے اسے چھوڑ دیا۔ مسلمانوں میں یہ کشمکش کوئی نئی بات نہیں ہے، ایسا ہر دور میں ہوتا رہا ہے کہ ان میں اہلِ حق بھی موجود ہیں اور ایسے بھی جو صحیح راستے سے منحرف ہونا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کشمکش کو باقی رہنا مقدر کر دیا ہے، یہی نہیں بلکہ وہ قومیں جو ہم سے پہلے ایمان لائیں وہ بھی اس کشمکش سے خالی نہ تھیں۔ مثال کے طور پر بنی اسرائیل میں ایسے بھی موجود تھے جو راستی پر قائم تھے اور ایسے بھی تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہا: يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ...... "انہوں نے اللہ کی آیات کے معانی تبدیل کر دیے"۔

بنی اسرائیل بائبل کی آیات میں تحریف کر دیتے اور بعض دفعہ یہ قبیح حرکت حاکم وقت کو خوش کرنے کے لیے کی جاتی کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ بنی اسرائیل مختلف اقوام کے ماتحت رہے۔ مثلاً وہ رومی سلطنت کے زیرِ نگیں رہے جو کہ بت پرست تھے اور شاہ بابل کے ماتحت رہے اور وہ بھی بت پرست تھا۔ ایک واقعہ جو کہ تفسیر میں بیان ہوا ہے اس کے مطابق بنی اسرائیل کے علما نے بابل (Babylon) کے بادشاہ کے لیے ایک ایسا فتویٰ جاری کیا جس کے تحت وہ ناجائز تعلقات رکھ سکتا تھا اور یہ فتویٰ محض بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دیا گیا تھا۔ اس طرح انہوں نے ایک انسان کی خوشنودی کے لیے اللہ کے قانون کو بدل ڈالا۔

آیئے یہ بات کرتے ہیں کہ مسلم دنیا میں جاری اس نظریاتی کشمکش کے بارے میں کفر کیا کر رہا ہے۔ 'یو ایس نیوز اور عالمی ادارے کی رپورٹ کے مطابق گیارہ ستمبر کے بعد پے در پے غلطیوں کے بعد آج امریکہ دوبارہ سنبھل رہا ہے۔ امریکی حکومت ایک ایسی سیاسی جنگی مہم کا آغاز کر چکی ہے جو سرد جنگ کے عروج کے بعد اپنا کوئی مقابلہ نہیں رکھتی۔ "سی آئی اے (CIA) اور ملٹری سائیکلوجیکل آپریشنز ٹیم (Military Psychological Operations Team) کے خفیہ طریقے سے کام کرنے والوں سے لے کر میڈیا اور تھنک ٹینکس کو کھلے عام فنڈز مہیا کرنے کے ضمن میں امریکہ کروڑوں ڈالر بہا رہا ہے تاکہ نا صرف مسلم معاشروں پہ اثر انداز ہوا جا سکے بلکہ اسلام پہ بھی۔"

دوبارہ ملاحظہ کریں، "امریکہ خود اسلام کو ہی تبدیل کر دینا چاہتا ہے!"۔ بلا کسی جھجک اور شرم کے، بر سر عام وہ یہ بات کہہ رہے ہیں کہ ہم نہ صرف مسلم معاشروں پر اثر انداز ہونا چاہتے ہیں بلکہ خود اسلام کو ہی تبدیل کر دینا چاہتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے دور میں اللہ کے دین میں تبدیلی کے بارے میں اس وقت کے علما نے کبھی اس طرح کھل کر کہنے کی جسارت نہ کی ہو گی۔ یہ برملا

طور پر اور بغیر کچھ چھپائے کھلے عام یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم اسلام کو ہی تبدیل کر دیں گے، ہاں ہم اسلام کو ہی تبدیل کر دیں گے!(العیاذ باللہ)۔ آگے چل کر اسی مضمون میں لکھا ہے:

''کم از کم دو درجن ممالک میں امریکہ نے اسلامی ریڈیو اور ٹی وی پروگرامز کو، مسلم سکولوں کو، مسلم تھنک ٹینکس کو، سیاسی ورکشاپس کو یا دیگر کسی بھی منصوبے کو جو معتدل اسلام کا پرچار کریں انہیں خفیہ طور پر فنڈز مہیا کیے ہیں۔ وفاقی امداد سے مساجد کے ڈھانچے میں اور قرآن میں تبدیلی لائی جائے گی اور اسلامی سکول قائم کیے جائیں گے۔''

اسی طرح یورپ میں نیٹو کا سابق کمانڈر جنرل کلارک اپنے بیان میں کہتا ہے:

''جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم نائن الیون کا بدلہ لینے کے لیے نکلے ہیں تو انہیں یہ غلط فہمی دور کر لینی چاہیے، اصل مسئلہ اسلام اور اس کی تشریح ہے۔ ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے نکلے ہیں، سوال یہ ہے کہ اسلام ایک امن پسند مذہب ہے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں یا یہ وہ مذہب ہے جو لوگوں کو جہاد کے ذریعے سے تشدد پر ابھارتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ دنیا میں مسلمان ایک ارب سے زیادہ ہیں اور ان پر ان کے مذہب کا اثر ہے۔ وہ دنیا کو امن بھی دے سکتے ہیں اور دنیا کا امن خراب بھی کر سکتے ہیں۔ اس لیے ہم مسلمانوں کو آزاد نہیں چھوڑ سکتے کہ وہ خود یہ فیصلہ کریں کہ اسلام کیا کہتا ہے اور کیا نہیں کہتا بلکہ ہم فیصلہ کریں گے کہ اسلام کیا کہتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جنگ کے پس پردہ معاشی، سیاسی اور فوجی ایجنڈا ہے لیکن سب سے اہم انسانیت کا دائرہ کار ہے جسے وہ روز اول سے مسلمانوں کے لیے نافذ کرنے کی کوشش میں ہیں۔''

اس طرح وہ جدید اسلام کو عام کرنا چاہتے ہیں اور جدید بھی ایسا جیسا وہ کہہ دیں اور اس مذموم منصوبے پر وہ کروڑوں خرچ کر رہے ہیں۔ جب ایک مسلمان جو سچا مسلمان ہو جب یہ سنتا ہے کہ اللہ کے باغی جنہیں اسلام کے بارے میں کوئی شدبد نہیں ہے، نہ وہ اللہ کو مان کر دینے والے ہیں، نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا پیغمبر جانتے ہیں اور نہ ہی قرآن کو اللہ کی کتاب۔ یہ برسر عام یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم اللہ کے دین کو بدل ڈالیں گے، تو ایسے ہر مسلمان کو غصے سے بھر جانا چاہیے جس کے دل میں اللہ کے لیے کچھ بھی محبت ہو۔

تم ہو کون اور تمہیں یہ جرأت ہوئی کیسے کہ تم ہمیں یہ بتاؤ کہ اسلام کیا ہے اور کیا نہیں؟ حتیٰ کہ وہ شخص جو اس دنیا میں اللہ کا ہمسر بننے کی کوشش کر رہا ہے اور سب سے بڑا طاغوت ہے......

مائیک کے آگے کھڑا ہو کر 2002ء میں مسلمانوں کو خطبہ دے رہا ہے، ہاں جی جارج بش مسلمانوں کو خطبہ دے رہا ہے کہ، ''اسلام ایک ایسا عقیدہ ہے جو دنیا میں بسنے والے اربوں لوگوں کے لیے امن و آشتی کا پیغام لایا اور نسلی تعصب سے بالاتر ہو کر انہیں اخوت میں پرو دیا۔ یہ عقیدہ محبت پر کھڑا ہے نہ کہ نفرت کی بنیاد پر!''۔

اب یہ بات ہے تو بالکل درست، بالکل ایسے ہی ہے کہ اسلام دنیا بھر کے لوگوں کے لیے امن کا پیغام بن کر آیا اور ہر قسم کے تفاوت سے ہٹ کر اس نے لوگوں کو اسلامی اخوت میں پرو دیا۔

بات ہے درست لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''حضرت بش'' ہیں کون جو ہمیں یہ بتائیں کہ اسلام کیا ہے اور کیا نہیں؟ اسے کس نے یہ اختیار دیا کہ وہ اسلام کے بارے میں اس زاویہ سے بات کرے؟؟

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ اس موقع پر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کچھ مسلمان خوش ہو رہے ہیں اور فخر محسوس کر رہے ہیں کہ ''حضرت بش'' اسلام کے بارے میں اس اس طرح بات کر رہے تھے۔ لیکن حقیقت میں یہ معاملہ کفار کے غرور اور متکبرانہ ذہنیت کا غماز ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں کسی کی ضرورت ہے جو ہمیں بتائے کہ اسلام کیا ہے اور کیا نہیں۔ اس متکبرانہ ذہنیت پر کچھ غیر مسلموں نے بھی تبصرہ کیا، ان میں سے ایک نہایت طنزیہ انداز میں کہتا ہے:

''یوں لگتا ہے کہ سیاسی قیادت نے بحیثیت اجتماعی فوری طور پر اسلامی علوم میں پوسٹ گریجوایٹ کی ڈگری حاصل کر لی ہے جس وجہ سے اب وہ عوام کو اسلام کی حقیقت کے بارے میں لیکچر دے سکتے ہیں۔''

رینڈ کارپوریشن (Rand Corporation) ایک سولہ ہزار ملازمین پر مشتمل رضاکار تنظیم ہے جس کا کام امریکی وزارتِ دفاع کو تجزیہ فراہم کرنا ہے۔ لہٰذا یہ تنظیم پینٹاگون سے براہ راست رابطے میں ہوتی ہے اور ''قلوب اور اذہان کی جنگ'' کے موضوع پر اس تنظیم کی طرف سے کئی پرچے شائع ہو چکے ہیں۔ اپنی اس گفتگو کے دوران میں ان کے تجزیوں سے کچھ نہ کچھ اقتباسات سامنے لاتا رہوں گا اور 'رینڈ' کی تیار کردہ ایک اور رپورٹ جس کا عنوان 'سول ڈیموکریٹک اسلام (Civil Democratic Islam)' ہے، اس سے کچھ اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ یہ رپورٹ شیرل برنارڈ جو کہ ایک یہودن ہے، کی تیار کردہ ہے اور اس نے ایک مرتد سے شادی کر رکھی ہے۔ اس کا شوہر زلمے خلیل زاد ایک مرتد ہے بشرطیکہ اگر وہ کبھی مسلمان رہا ہو۔ امریکی انتظامیہ میں اس کے پاس ہمیشہ کوئی اعلیٰ عہدہ رہا ہے۔ یہ اقوام متحدہ، عراق اور افغانستان میں امریکی سفیر رہ چکا ہے اور ہمیشہ ہی کسی حساس عہدے پر اسے مامور کیا جاتا رہا ہے۔ یہ شیرل برنارڈ اسی کی بیوی ہے جس نے رینڈ کارپوریشن کے لیے 'سول ڈیموکریٹک اسلام' نامی رپورٹ تیار کی۔ اس رپورٹ کے عنوان سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کس قسم کا اسلام چاہتے ہیں!؟ کیسا اسلام ہے جو وہ ہم پر مسلط کرنا چاہتے ہیں؟ اور یہاں تک کہ وہ اس حد تک جانے کے لیے بھی تیار ہیں کہ ہمارے ملکوں میں اپنی فوجیں بھیجیں جو ہم پر ان کا تیار کردہ اسلام تھوپ سکیں جس پر ہمیں بیعت کرنی ہو گی۔ بھائیو، تمام تعریفات اللہ کے لیے ہی خاص ہیں، مسلمانوں کو اس تفاخر اور تکبر کے خلاف متحد ہو کر اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ اس کی کچھ تجاویز ملاحظہ فرمائیں جو وہ روشن خیال مسلمانوں کے حوالے سے اپنے ذہن میں رکھتی ہے:

''ان (روشن خیالوں) کی تحریروں کو چھاپ کر سستے داموں تقسیم کیا جائے۔''

اس سے قبل کہ میں اپنی گفتگو کو آگے بڑھاؤں یہ جان لینا بہت ضروری ہے کہ ان کے ہاں روشن خیال مسلمان کا کیا مطلب ہے؟ تو آیئے 'رینڈ' کے ہی شائع کردہ ایک پرچے جس کا

عنوان ہے(Characteristics of a Moderate Muslim) یعنی "روشن خیال مسلمان کی خصوصیات"سے ہی اس نام نہاد روشن خیال مسلمان کے بارے میں جانیں جو وہ تیار کرنا چاہتے ہیں۔

روشن خیال مسلمان کی خصوصیات

1. جمہوریت

لہٰذا ایک روشن خیال مسلمان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جمہوریت اور جمہوری نظام پر یقین رکھتا ہو۔اب کچھ مسلمان جو جمہوریت کو اپناتے ہیں ان کا طرزِ استدلال یہ ہے کہ جمہوریت اسلام کے نظامِ شوریٰ کی ہی ایک شکل ہے لہٰذا "جمہوریت" کی اصطلاح استعمال کرنا بالکل درست ہے، اصطلاح چاہے ہم جمہوریت کی استعمال کر رہے ہیں لیکن حقیقت میں اسلامی نظام شوریٰ پر ہی ہمارا یقین ہے اور اسی پر عمل پیرا ہیں کیونکہ جمہوریت کی اصطلاح استعمال کرنے سے مغرب کو آسانی سے سمجھ آسکتی ہے کیونکہ وہ اسلامی نظامِ شوریٰ کو نہیں سمجھتے۔اور وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اپنے آپ کو جمہوری باور کروانے سے وہ مغرب کی امداد حاصل کر سکیں گے جس سے وہ اپنے ممالک میں موجود آمریت کا صفایا کر سکیں لیکن ان مسلمانوں کے اس طرزِ عمل سے کچھ تشویشناک مسائل پیدا ہو رہے ہیں، کیونکہ:

- جمہوریت اسلامی نہیں ہے، جمہوریت ایک نظام ہے اور اسلام ہمارے لیے ایک بالکلیہ مختلف نظام لے کر آیا ہے۔اور درحقیقت بہت تھوڑے افراد ایسے ہیں جو اسلامی ریاست اور اس کے نظامِ شوریٰ پر یقین رکھتے ہیں۔کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے شوریٰ کے نام سے ہی پکارا جانا چاہیے جو یہ حقیقتاً ہے نہ کہ جمہوریت کے نام سے۔
- اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اصطلاحات کے ہیر پھیر سے ہم مغرب کو دھوکہ دے لیں گے اور بالآخر اسلامی ریاست اور اس کا نظامِ شوریٰ نافذ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے تو یہ محض ایک سراب ہے کیونکہ 'رینڈ' جیسے اداروں نے بڑی تفصیل کے ساتھ جمہوریت کی تعریف کی ہے جو وہ ایک روشن خیال مسلمان سے توقع کرتے ہیں کہ اپنے معاشروں اور ملکوں میں لے کر آئے گا۔
- جمہوریت سے ان کی کیا مراد ہے، 'رینڈ' کی ایک رپورٹ سے ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

"جمہوریت کے ساتھ آپ کی وابستگی اور جڑنا عین ویسا ہو جیسا آزاد مغربی روایات میں سمجھا جاتا ہے۔"

- لہٰذا آپ مغرب سے یہ کہہ کر ہاتھ نہیں کر سکتے کہ ہمیں جمہوریت نہ سمجھاؤ کیونکہ ہم اسے اسلام سے سمجھتے اور سیکھتے ہیں۔وہ اس امر میں بالکل واضح اور دو ٹوک ہیں کہ ایسا کسی صورت قابل اطمینان نہیں کہ کوئی اپنے تئیں روشن خیال کہلاتا ہو اور جمہوریت کو اسلام سے سیکھتا ہو، وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جمہوریت کو عین اس طرح سمجھا جائے جیسے آزاد مغربی روایات میں جمہوریت کو سمجھا جاتا ہے۔ایک اور اقتباس اسی رپورٹ کا ملاحظہ کریں:

"جمہوریت کی حمایت کا (سادہ سا) مطلب یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے تصور کی مخالفت کی جائے۔"

- لہٰذا ایک روشن خیال مسلمان وہ ہے جو جمہوری نظام میں یقین رکھتا ہو اور جس سے یہ لازم آتا ہے کہ آپ اسلامی ریاست کے تصور کی مخالفت کریں، آگے چل کر اسی رپورٹ میں لکھا ہے، "اوپر کی ساری گفتگو سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کوئی بھی جمہوری ہونے کا مطلب یہ نہ سمجھے کہ یہ (جمہوریت) محض ایک ایسی سواری ہے جس پر سوار ہو کر اقتدار کے ایوانوں میں پہنچا جاتا ہے جیسا کہ مصری تنظیم اخوان المسلمین نے سمجھا"۔

2. غیر فرقہ وارانہ ماخذ قانون کو ماننا

ایک روشن خیال مسلمان کی دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ قانون کے کسی ایسے ماخذ کو نہیں مانتا جو ان کے خیال میں فرقہ وارانہ ہو۔اس بات کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے جیسے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مطیع ہو جائیں اور وہ کہتے ہیں کہ:

"روشن خیال اور انتہا پسند مسلمان کے درمیان خطِ تقسیم یہ ہے کہ کیا وہ اس بات پہ یقین رکھتا ہے یا نہیں کہ شریعت کا نفاذ ہونا چاہیے یا نہیں"، لہٰذا ان کی تعریف کے مطابق ایک ایسا مسلمان جو اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون چاہتا ہو وہ انتہا پسند ہے اور وہ مسلمان جو فرانسیسی قانون، برطانوی قانون یا بین الاقوامی قانون کو ماننے کے لیے تیار ہے یا پھر کوئی بھی ایسا قانون جو انسان کا بنایا ہوا ہو روشن خیال ہے۔

3. عورتوں اور مذہبی اقلیتوں کے حقوق کا احترام

ایک روشن خیال مسلمان بننے کے لیے آپ کو ان کی تعریف کے مطابق عورتوں اور مذہبی اقلیتوں کے حقوق کا احترام کرنا پڑے گا۔اب ایسا تو نہیں کہ ہم مسلمان ان میں سے ہر دو کا احترام نہیں کرتے مگر فرق صرف اس قدر ہے کہ یہ احترام ہم اللہ کے کہے کے مطابق کرتے ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ یہ احترام ان کے کہے کے مطابق کیا جائے۔ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی اسلامی ریاست ہو اور وہ حجاب کو لازمی قرار دیتی ہے تو یہ انتہا پسندی ہے، اگر یہ ریاست غیر مسلموں سے جزیہ (ٹیکس) وصول کرتی ہے تو یہ بھی انتہا پسندی ہے۔

4. دہشت گردی اور ناجائز تشدد کی مخالفت

اب مصیبت یہی ہے کہ جب کوئی شخص یا نظام اللہ کے مد مقابل کھڑا ہوتا ہے تو اصطلاحات کے مفاہیم وضع کرنا بھی وہ اپنا ہی حق سمجھتا ہے۔ اب بندہ پوچھے کہ کون حضرت انسان ہوں گے جو دہشت گردی اور ناجائز تشدد کی مخالفت نہیں کرتے ہوں گے، لیکن مسئلہ یہاں صرف دہشت گردی اور ناجائز تشدد کی مخالفت کرنا نہیں بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ جسے وہ دہشت گردی کہہ دیں اسے آپ بھی دہشت گردی مانیں اور جس تشدد کو وہ ناجائز ٹھہرا دیں اسے آپ بھی ناجائز سمجھیں۔ لہٰذا ایک ایسا مسلمان جو اپنی سرزمین کا دفاع کرے، جو غاصبوں کا قبضہ ماننے سے انکار کر دے، جو اللہ کی زمین پر اللہ کے احکامات کے مطابق رہنا چاہے ایسا ہر شخص انتہا پسند ہے۔ اور دوسری طرف وہ صاحب بھلے وہ خود کو مسلمان ہی کہتے ہوں، جو امریکی طاغوت کو یہ دعوت دیں کہ آؤ ہماری زمین پر ڈیزی کٹر برساؤ اور ڈرون حملے کرو، اور اللہ کے علاوہ ہر طاغوت کے بنائے ہوئے ضابطۂ حیات کے مطابق زندگی گزارنے پر رضامند ہوں اور اس کے دامن میں ذرہ بھر غیرت اور خودی نہ ہو کہ وہ ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہو، ایسا ہر شخص روشن خیال مسلمان ہے۔

لہٰذا وہ صاحب جو ان کی تعریف کے مطابق روشن خیال مسلمان ہیں، درحقیقت مسلمان نہیں کیونکہ روشن خیال مسلمان ہونے کی جو چار خصوصیات وہ گنواتے ہیں کفر ہیں۔ تو آئندہ کی اپنی گفتگو میں، مَیں ایسے مسلمان کو روشن خیال مسلمان کہنے کے بجائے رینڈ مسلمان (Rand Muslim) کہوں گا۔ پھر ان کے پاس ایک سوالنامہ بھی ہے جو انہوں نے ایک مسلمان کے لیے تیار کیا ہے تاکہ اس بات کا تعین کیا جا سکے کہ کیا یہ ایک انتہا پسند مسلمان ہے یا پھر رینڈ مسلمان۔ اس سوالنامے میں ایک چیز جو بالکل واضح جھلکتی ہے وہ کفار کی متکبرانہ ذہنیت ہے جو وہ مسلمانوں کے بارے میں رکھتے ہیں۔ اس سے وہ ہمارے ایمان اور عقیدے کا امتحان لینا چاہتے ہیں اور پھر ہمارے جوابات کو جانچتے ہوئے ہمیں نمبر دیے جائیں گے۔ اس سوالنامہ میں کیا سوالات ہیں، ملاحظہ کریں:

1. کیا یہ گروہ یا فرد دہشت گردی کی حمایت کرتا ہے، اگر وہ اب اس کی حمایت نہیں کرتا تو کیا کبھی ماضی میں اس نے اس عمل کی حمایت کی؟

- تو آپ یہ سوچ کر مطمئن نہ ہو جائیں کہ اب آپ 'دہشت گردی' کی حمایت نہیں کرتے، اگر آپ اس شجرِ ممنوعہ کے پاس کبھی ماضی میں بھولے سے بھی چلے گئے تو آپ کو حساب دینا پڑے گا۔

2. اگلا سوال ہے "کیا یہ فرد یا گروہ جمہوریت کی حمایت کرتا ہے، اگر کرتا ہے تو کیا یہ اسے وسیع تر معنوں میں انسانی حقوق کے اعتبار سے سمجھتا بھی ہے یا نہیں؟
3. کیا یہ بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ انسانی حقوق کی حمایت کرتا ہے؟
4. یا بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ انسانی حقوق میں کیا وہ کوئی استثنائی صورت سمجھتا ہے؟

- تو اگر آپ ارتداد کی حد نافذ کرنے کے قائل ہیں تو آپ انتہا پسند ٹھہرے!

5. کیا زیر بحث فرد یا گروہ تسلیم کرتا ہے کہ دین تبدیل کرنا ہر انسان کا حق ہے؟

- یعنی کہ اگر کوئی مسلمان یہودی یا عیسائی بننا چاہتا ہے یا پھر کسی گائے، بندر یا سانپ کو اپنا معبود ماننا چاہتا ہے تو اس پر کوئی قدغن نہیں ہونی چاہیے۔ ایسا شخص جسے صحیح راستے کی طرف رہنمائی کی گئی اور اللہ نے اسے اپنا مطیع بننے کے شرف سے نوازا، اسے اللہ کی پہچان نصیب ہوئی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری رسول مانا وہ چاہے تو بعد میں گائے کو اپنا معبود بنا لے یا اللہ کے علاوہ کسی کو بھی، یہ اس کا بنیادی حق ہے (العیاذ باللہ)۔

6. کیا یہ شخص یا گروہ سمجھتا ہے کہ ریاست کو جرائم کے ضمن میں شرعی قوانین کا نفاذ کرنا چاہیے؟

- لہٰذا اللہ کی حدود کا نفاذ انتہا پسندی ٹھہرا!

7. کیا یہ سمجھتا ہے کہ ریاست کو شہری قوانین (مثال کے طور پر شادی کے معاملات یا عورت یا مرد کا ایک وقت میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنا) کی مد میں شرعی قوانین کا نفاذ کرنا چاہیے؟
8. یا یہ سمجھتا ہے کہ قوانین کے ضمن میں کسی قسم کے شرعی قوانین کا نفاذ نہیں ہونا چاہیے۔

- ہم کیا کسی منڈی سے آلو اور پیاز خریدنے کی بات کر رہے ہیں کہ اپنی مرضی کر سکیں؟ اللہ کی زمین پر رہتے ہوئے آپ کو صرف ایک اسی کا قانون ماننا ہو گا، ہر معاملہ کے حوالے سے صرف ایک ہی قانون ہے۔ کفار چاہتے ہیں کہ اس معاملہ میں ہم لچک دکھائیں اور یہاں ہر کسی کو اپنے بنائے ہوئے یا اس کے جھوٹے معبود کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق زندگی گزارنے کا مجاز سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
- فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۝ (سورۃ النساء: ۶۵)

"نہیں، (اے پیغمبر) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصلہ کرنے والا نہ بنائیں، پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کے آگے مکمل طور پر سر تسلیم خم کر دیں۔"

- ایسا کوئی بھی شخص جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا ہے مسلمان نہیں ہے اگر وہ صرف ایک اللہ کے قانون کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتا۔ اگر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلنے سے انکار کر دیتا ہے تو وہ مسلمان نہیں ہے۔

9. کیا یہ سمجھتا ہے کہ کسی مذہبی اقلیت سے تعلق رکھنے والا شخص بھی انہی حقوق کا حقدار ہے جن کا ایک مسلمان؟ کیا یہ سمجھتا ہے کہ کسی مذہبی اقلیت سے تعلق رکھنے والا شخص کسی ایسے ملک میں سیاسی طور پر کسی بڑے عہدے پر فائز ہو سکتا ہے؟

- اور اس سوال پر ہمارا جواب "نہیں" ہے، وہ کسی اعلیٰ عہدے پر فائز نہیں ہو سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ○ (سورۃ آلِ عمران:۱۱۸)

"اے ایمان والو! اپنے سے باہر کے کسی شخص کو راز دار نہ بناؤ، یہ لوگ تمہاری بدخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ، بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے اور جو کچھ (عداوت) ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے پتے کی باتیں تمہیں کھول کھول کر بتا دی ہیں، بشرطیکہ تم سمجھ سے کام لو۔"

- اس آیت کی رو سے ہم یہود اور عیسائیوں کو بطانۃ کا یا مشیر کا یا کوئی بھی بڑا عہدہ نہیں دے سکتے۔

10. کیا یہ سمجھتا ہے کہ مذہبی اقلیتیں کسی مسلم اکثریتی ملک میں اپنے عقیدے کے مطابق ادارے بنا اور چلا سکتے ہیں؟

- اس ضمن میں اسلامی قانون یہ ہے کہ وہ اپنے پہلے سے بنے کلیسا اور گرجاگھر تو رکھ سکتے ہیں لیکن نئے معبد تعمیر نہیں کر سکتے۔

11. کیا وہ کسی ایسے نظامِ قانون کو مانتا ہے جس کی بنیاد غیر فرقہ وارانہ اصولِ قانون ہوں؟

- مختصر یہ کہ یہ سب کچھ سراسر کفر پر مبنی ہے، یہ ہے وہ پلندہ جو کسی کو روشن خیال بناتا ہے!

ہم اب واپس 'شیرل برنارڈ' کی تجاویز کی طرف چلتے ہیں:

1. ہمیں رینڈ مسلمانوں کی تحریروں کو سستے داموں چھپوا کر تقسیم کرنا چاہیے۔

یہ سب جھوٹ کو پھیلانے کے لیے ہے۔

2. ان (رینڈ مسلمانوں) کی عوام اور نوجوانوں کے لیے لکھنے کے لیے حوصلہ افزائی کی جائے۔

کیونکہ وہ یہ بو محسوس کرتے ہیں کہ اسلامی دنیا میں مسلمان سچائی سے آشنائی پا سکتے ہیں اور جانتے ہیں کہ کون ان کے لیے بولتا ہے اور کون نہیں۔ اور وہ یہ بھی بہت اچھے طریقے سے سمجھتے ہیں کہ ان کے لیے سب سے بڑا خطرہ نوجوان ہیں کیونکہ یہ نوجوان ہی ہیں جو ہر دور میں حق کے لیے سینہ سپر ہو جاتے رہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب بتوں کو توڑا تو وہ ایک نوجوان تھے، اصحاب کہف بھی دور شباب میں ہی تھے جب وہ غار میں پناہ لینے کے لیے چلے گئے اور یہی معاملہ ان صحابہ کا تھا جنہوں نے اللہ کے نبی کا اسلام کے ابتدائی دنوں میں ساتھ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ نوجوانانِ امت کو جس قدر اسلام سے منحرف کیا جا سکتا ہے کر دیا جائے۔

3. رینڈ مسلمانوں کے نظریات کو اسلامی نصابِ تعلیم میں متعارف کروایا جائے۔

اور اس سمت میں پہلے ہی وہ بہت ٹھوس اقدامات کر چکے ہیں۔ بہت سارے مسلم ممالک میں اس حوالے سے تعلیمی نصاب کا بیڑہ غرق کر دیا گیا ہے۔ کتابوں کے پورے پورے ابواب تبدیل کر دیے گئے یا بالکل سرے سے ہی ختم کر دیے گئے، ایسی کوئی بھی چیز جو جہاد کے بارے، اللہ کی حدود کے بارے میں یا اس کے قوانین کے بارے میں بات کرتی ہو اسے تو بالکل بھی برداشت نہ کیا گیا۔

4. متعلقہ ممالک کے نصاب اور میڈیا میں مسلمانوں کے قبل از اسلام غیر اسلامی کلچر اور اس سے بھی پہلے موجود تہذیبوں کی ثقافت سے آگاہی پیدا کی جائے۔

گویا کہ وہ چاہتے ہیں کہ فرعون کے زمانے کی تہذیب کو زندہ کیا جائے، اس کے بارے میں میڈیا میں گفتگو کی جائے اور نصاب کا حصہ بنایا جائے اور اسے خوبصورت اور اچھی تہذیب اور ثقافت قرار دیا جائے۔ جو اس پرانے وقت میں انہوں نے ترقی کی اور جو کارنامے انجام دیے انہیں سامنے لایا جائے اور یہاں تک کہ اسلامی تہذیب ذہنوں میں پس منظر میں چلی جائے۔ اس کے علاوہ قبل از اسلام عرب کی مقامی ثقافت کے بارے بات کی جائے اور ذہنوں میں اسلام کے آنے سے پہلے والے عرب کو خوبصورت بنا کر پیش کیا جائے اور عرب قومیت کے تعصب کو ابھارا جائے۔ شمالی افریقہ کے بربروں (Berbers) کی تاریخ کے بارے بات کی جائے اور رومیوں اور یونانیوں کی شام (Syria) کی تاریخ کے اوراق سامنے لائے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب آثارِ قدیمہ کے ماہرین (Archaeologist) مشرق وسطیٰ کی قبل از اسلام تاریخ میں اچھی خاصی دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ میسی پوٹیمیا[(Mesopotamia) عراق

میں موجود ایک علاقے کا پرانا نام] اور فرعون کے وقت کے مصر کے بارے میں بہت زیادہ بات چیت کرتے اور لکھتے لکھاتے نظر آئیں گے۔[4]

ہمیں اس سازش سے آگاہ رہنا چاہیے اور اپنی قبل از اسلام تاریخ کے بارے کسی قسم کے فخر میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ یہ سب جاہلیت تھی اور کسی صورت بھی یہ تہذیب کہلانے کی حقدار نہیں کیونکہ یہ تہذیب تھی ہی نہیں! یہ جہنم کا راستہ ہے اور نری تاریکی بلکہ تاریکی پر تاریکی ہے!!! اور فرعون برائی کی علامت ہے اور اسے کسی صورت بھی اچھا بنا کر پیش نہیں کیا جاسکتا۔

جب ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کے ساتھ اہلِ ثمود کی بستی کے پاس سے گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ان کی باقیات کے اندر جانے سے منع فرمادیا اس کی وجہ یہ تھی کہ کہیں وہ جو دیکھیں اس سے متاثر نہ ہو جائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے کہا:

لا تدخلوا علیہم الا ان تکونوا باکین۔

یعنی ان کی باقیات میں مت داخل ہو مگر صرف اس مقصد کے لیے کہ تم ان کے انجام کو دیکھ کر عبرت پکڑتے ہوئے رونا چاہتے ہو۔ اور ایسا بھی ہوا کہ صحابہ نے ثمود کے کنویں سے پانی نکالا اور اس سے آٹا گوندھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آٹے سے روٹیاں پکانے سے منع فرمادیا اور کہا کہ یہ آٹا اپنے جانوروں کو کھلا دو اور خود اس میں سے مت کھاؤ اور نہ ہی ثمود کے کنویں سے پانی پیو۔

یہ ہمارے اور کفار کے درمیان ایک حد قائم کرنے کے لیے تھا۔

5. صوفیت کو فروغ دیا جائے۔

لہٰذا وہ چاہتی ہے کہ مسلم دنیا میں تصوف کو عام کیا جائے، اس وجہ سے نہیں کہ اسے خود تصوف سے کوئی شغف ہے بلکہ اس وجہ سے کہ عام رائج تصوف جہاد کے تصور کو خود بخود ہی کھا جاتا ہے۔ لیکن کیا وہ عمر مختار یا برِّ صغیر اور شمالی افریقہ میں چلنے والی کچھ اسلامی تحریکوں کے تصوف کو رائج کرنا بھی پسند کریں گے ؟؟؟[5]

اور پھر وہ ”بنیاد پرستی سے نمٹنا اور اسکی مخالفت کرنا“ کے زیر عنوان وہ کچھ مزید تجاویز دیتی ہے:

6. ان ”بنیاد پرستوں“ کے غیر قانونی گروہوں سے رابطوں اور سرگرمیوں کو بے نقاب کیا جائے۔

7. پھر، ان کی پر تشدد سرگرمیوں کے بارے میں عوام کو آگاہ کیا جائے۔

اب دورانِ جنگ لوگ مرتے ہیں تو ممکن ہے کہ کچھ معصوم لوگ بھی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور یہ جنگ کی فطرت ہے۔ لیکن مسلمانوں کے ہاں یہ خاصہ ہے کہ وہ معصوم لوگوں کو دوران جنگ ایسے کسی حادثاتی واقعہ سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں اس حوالے سے انتہائی سخت قوانین ہیں۔ مثال کے طور پر وہ جو لڑ نہیں رہے، عورتوں کو، بوڑھوں کو اور مذہبی پیشواؤں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی درختوں اور فصلوں کو برباد کرنے کی اجازت ہے۔

لیکن وہ یہ کہنا چاہتے ہے کہ ہمیں کچھ ایسے واقعات جو دوران جہاد مجاہدین کی جانب سے غیر ارادی طور پر واقع ہوئے انہیں لے کر خوب پروپیگنڈا کیا جائے اور بات کا بتنگڑ بنا دیا جائے اور کچھ حقیقت ہو نہ ہو ساتھ اچھے خاصے جھوٹ کی آمیزش کر کے بات خوب پھیلائی جائے۔ لیکن جب امریکی فوجی شہریوں کی کسی رہائش گاہ پر بم برسائیں، کسی بارات لے جاتی بس کو نشانہ بنائیں، کسی مدرسے میں اسّی، اسّی معصوم بچوں کو خاک و خون میں لت پت کر دیں اور ان واقعات میں بے دریغ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو نشانہ بنائیں تو ایسے کسی واقعہ کو سامنے نہ آنے دیا جائے، اسے فوراً جتنا بھی ہو سکتا ہے چھپا دیا جائے۔ اگر ایسا کوئی واقعہ دنیا کے سامنے آ ہی جائے تو معافی کے دو الفاظ ادا کر کے پھر انہی حرکتوں کو دہراتے رہو۔ لیکن اگر مجاہدین سے

---

[4] اسی کی مثالیں آج پاکستان میں بھی دہرائی جارہی ہیں۔ بلاول بھٹو زرداری موہنجوداڑو اور ہڑپہ میں جاکر فخر محسوس کرتا ہے، انڈس ویلی سولائزیشن سے اپنا 'سندھی' رشتہ جوڑتا ہے۔ آج لاہور کے شاہی قلعے میں 'رنجیت سنگھ' کا مجسمہ اس لیے نصب کیا جارہا ہے کہ رنجیت سنگھ 'پنجابی' تھا۔ ٹیکسلا اور پشاور میں بدھ مت کے پیروکاروں کے لیے گرجے کھولے جارہے ہیں اور بدھ مت کی امن کی گھنٹیاں بجائی جارہی ہیں (حالانکہ یہ بدھ جیسی امن کی گھنٹیاں برما میں بجاچکے ہیں وہ ساری دنیا کے سامنے ہیں)۔ یہ سب باتیں اور فخر ان 'تہذیبوں' پر کیا جارہا ہے، جنہیں نابود کر کے ہمارے آباواجداد نے اسلام نافذ کیا تھا۔ مزید برآں پاکستان تو بنایا ہی 'ہندی' قومیت کو توڑ کر تھا، ہمارا تو دعویٰ ہی یہ تھا کہ ملک خطوں، رنگوں یا نسلوں کی تفریق پر نہیں لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد پر بنائیں گے۔ (مدیر)

[5] جیسا کہ فضیلۃ الشیخ انور العولقی فرما چکے ہیں کہ کیا اس تصوف کو بھی رائج یہ رینڈ والے اور رینڈ کے پیچھے یہودی ہاتھ اور رینڈ کی پالیسیوں کو رائج کرنے والے 'رینڈ مسلمان' کرنا چاہیں گے جو برِّ صغیر میں پایا جاتا ہے۔ غلو اور 'شریعت پر غالب طریقت' کے بر خلاف تزکیہ و احسان پر مبنی تصوف جس کے مشائخ میں ایک اعلیٰ مثال امیر المومنین سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ دورانِ جہاد علاقۂ سرحد میں جب حضرت سید احمد شہید کے ایک مرید نے آپ سے کہا کہ 'جو کیفیت ہندوستان میں رہتے ہوئے ریاضتوں اور کسرتوں میں محسوس ہوتی تھی یہاں (یعنی جہاد میں) حاصل نہیں ہوتی ؟!'، تو سید صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا 'ہمیں تو جتنی روحانی ترقی یہاں جہاد میں نصیب ہوئی ہے ایسی ترقی کبھی اور کہیں بھی نصیب نہیں ہوئی!'۔ سید احمد شہید ہی کے ذکر میں مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ 'تاریخِ دعوت و عزیمت' میں رقم طراز ہیں کہ:

”حقیقت یہ ہے کہ مجاہدات و ریاضات، تزکیۂ نفس اور قربِ الٰہی سے عشق الٰہی اور جذب و شوق کا جو مرتبہ حاصل ہوتا ہے، اس میں ہر رونگٹے سے یہی آواز آتی ہے

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں!

اس لیے روحانی ترقی اور کمال باطنی کا آخری اور لازمی درجہ شوق شہادت ہے اور مجاہدے کی تکمیل جہاد ہے۔“ (مدیر)

کوئی غلطی ہو جائے اور وہ غیر ارادی طور پہ ایسا کچھ کر بیٹھیں تو اس بات سے بھر پور فائدہ اٹھایا جائے اور بات کو اتنا بڑھایا چڑھایا جائے کہ ہر کوئی یقین کر بیٹھے۔ اور اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بات لوگوں کے ذہن میں بہت حد تک پختہ ہو چکی ہے کہ مجاہدین معصوم لوگوں کو قتل کرتے ہیں، یہ خونی لوگ ہیں، یہ کوئی علیحدہ مخلوق ہے جس کا اس دنیا میں واحد مشغلہ اور کام معصوم لوگوں کی جانیں لینا ہے۔ مغربی میڈیا نے مجاہدین کے بارے میں یہ جھوٹا پروپیگنڈا پھیلانے میں بھر پور کردار ادا کیا اور اس ایجنڈے کو مغرب باقاعدہ مشن کے طور پر لے کر آگے بڑھ رہا ہے۔ لیکن کوئی بھی معقول انسان جو تھوڑی بہت ہی سوچ سمجھ رکھتا ہو اسے یہ سمجھنے میں کوئی مشکل در پیش نہیں ہو گی کہ یہ امریکہ ہی ہے جو افغانستان، عراق اور صومالیہ میں معصوموں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ رہا ہے اور مسلمان آبادیوں میں حربیوں اور غیر حربیوں کا فرق کیے بغیر بم برسا رہا ہے۔

عراق پر جنگ مسلط کرنے سے قبل اس پہ لگائی جانے والی معاشی پابندیوں کی وجہ سے دس لاکھ سے زیادہ لوگ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اب ایک پوری نسل ہے جو ان پابندیوں کی وجہ سے غربت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے اور بہت سی بیماریوں کا شکار ہے۔[6]

8. بنیاد پرستوں، انتہا پسندوں اور دہشت گردوں کے کسی بھی کام کے لیے کسی بھی قسم کے تعریفی کلمات کا اظہار نہ کیا جائے چاہے وہ کوئی کارنامہ ہی کیوں نہ سرانجام دے لیں۔ اور پھر وہ کہتے ہے کہ:

- "انہیں دنیا کے سامنے بزدل اور ناقص لوگوں کے طور پر پیش کیا جائے حتیٰ کہ انہیں 'برائی کے ہیرو' کے طور پہ بھی نہ پیش کیا جائے۔"

بعض اوقات آپ اپنے دشمن کی کسی خوبی کی وجہ سے اس کے لیے بھی ایک خاص انداز کے احترام کا اظہار کرتے ہیں مثال کے طور پر مغرب اپنے آپ کو صلاح الدین کی بہادری اور ایک سپہ سالار ہونے کی حیثیت سے اعلیٰ کردار کا حامل ہونے کے حوالے سے تعریفی کلمات کہنے سے روک نہ سکا۔ تاریخ میں ایسا ہمیشہ ہوتا رہا ہے کہ قوموں کے درمیان جنگیں بھڑکتی رہیں تاہم ایک قوم اپنی دشمن قوم کے لیے ایک خاص انداز کے تعریفی کلمات بھی کہتی اور اسی ضمن میں کچھ نہ کچھ احترام کا اظہار بھی کرتی رہی۔ تاریخ میں آپ کو ایسی مثالیں مل جائیں گی، مثلاً لوگ کہتے رہے، "ہاں یہ سچ ہے کہ وہ ہمارے دشمن ہیں لیکن وہ حوصلہ مند بھی ہیں کیونکہ ہمیں بہر حال سچ ہی بولنا ہے"، یا پھر "ہاں یہ سچ ہے کہ وہ ہمارے دشمن ہیں لیکن یہ بھی نہیں کہ ان کا نکتہ نگاہ وزن سے بالکل خالی ہو"۔

لیکن 'شیرل برنارڈ' کا کہنا ہے کہ انہیں اپنے دشمن کے حوالے سے ایسے کسی تعریفی کلمات یا احترام کا بھی روادار نہیں ہونا چاہیے حتیٰ کہ انہیں برائی کے ہیرو کے طور پر بھی پیش نہیں کرنا چاہیے اور پھر یہیں بس نہیں بلکہ انہیں بزدل اور ناقص لوگوں کے طور پر پیش کیا جائے۔ اور اس "بزدلی" کا مظاہرہ مجھے بار بار دیکھنے کو ملتا ہے اور حیرانی اس بات پہ ہے کہ کچھ مسلمان بھی طوطوں کی طرح اس الزام کو دہرا رہے ہیں۔ مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ ایک اسرائیلی فوجی جس نے بلٹ پروف جیکٹ پہن رکھی ہے، سر کو سٹیل کے ہیلمٹ سے ڈھانک رکھا ہے اور مورچوں میں اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے فلسطینی بچوں کے پھینکے گئے پتھروں سے بھاگ جاتا ہے اور وہ بہادر ہے جبکہ وہ فلسطینی بچے جو اسرائیلی فوجی پر دھاوا بولنے کے لیے پوری رفتار سے آگے بڑھتے ہیں، جن کے پاس پتھروں کے علاوہ کوئی اسلحہ نہیں ہے اور پاجامے اور ٹی شرٹ کے علاوہ انہوں نے کچھ بھی پہنا ہوا نہیں ہے وہ بزدل ہیں! میں اس فلسفے کو سمجھنے سے بہر حال قاصر ہوں۔ وہ امریکی فوجی جو اپنی آرام دہ بکتر بند گاڑی میں بیٹھ کر لڑتا ہے "بہادر" ہے اور وہ مجاہد جس کے پاس محدود ہلکے ہتھیاروں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے "بزدل" ہے! اور جو چیز بالکل ہی سمجھ میں نہیں آتی وہ یہ کہ ایک ایسا شخص جو پوری رضامندی اور بغیر کسی دباؤ کے اپنے عقیدے کی خاطر خوشی اور مسکراتے چہرے کے ساتھ موت کو گلے لگا کر شہادت کے رتبے پہ فائز ہوتا ہے کیسے بزدل ہو سکتا ہے! لیکن یہ بات مغرب اور اس کے نام نہاد مسلم حواری طوطے کی طرح مسلسل کہہ رہے ہیں۔

9. دہشت گرد اور بنیاد پرست حلقوں میں موجود بدعنوانی، منافقت اور اخلاقیات کے منافی معاملات کی تفتیش کے لیے صحافیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

بلکہ اسے واضح طور پر یوں کہنا چاہیے تھا کہ بدعنوانی، منافقت اور غیر اخلاقی حرکتوں کے جھوٹے الزامات سچے مسلمانوں پر لگا کر انہیں عدالت میں لا کر سنگین سے سنگین تر سزائیں دلوائی جائیں۔ امریکہ میں امام جمیل امین کو موت کی سزا دی گئی کیونکہ ان پر ایک پولیس افسر کو قتل کرنے کا الزام تھا۔ ہمید ان جو کہ ترکی میں البشیر پبلیکیشنز کے سربراہ تھے انہیں بھی موت کی سزا دی گئی کیونکہ ان پر اپنے نوکر کے ساتھ زیادتی کرنے کا الزام تھا۔ اسی طرح ایک لمبی لسٹ مرتب کی جا سکتی ہے جس میں آپ ان لوگوں کا تذکرہ کر سکتے ہیں جن پر امریکہ نے جھوٹا

[6] بالکل ایسا ہی معاملہ پاکستان میں بھی ہے۔ مجاہدین سے غلطیاں ہوئی ہیں لیکن مجاہدین ان غلطیوں پر نادم ہیں، کفارے کے لیے تیار ہیں اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ غلطیوں کے باوجود یہ بات سمجھنا لازمی ہے کہ مجاہدین، اسلام اور جہاد کے نام لیوا ہیں، ان سے غلطی ضرور ہوئی ہے لیکن انہوں نے عمداً اس کا ارتکاب نہیں کیا۔ جبکہ مجاہدین کے مخالف گروہ 'پاک فوج' نے کفر و اسلام کی جنگ میں امریکہ کا فرنٹ لائن اتحادی بن کر ہزارہا عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کا قتلِ عام کیا ہے جس کی ایک واضح اور بڑی مثال لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ میں علما اور طلبا و طالبات کو قتل کرنا اور پھر انہیں فاسفورس سے جلا ڈالنا ہے، حالانکہ فاسفورس سے جلانا تو جدید دنیا کے قوانین کے مطابق بھی جنگی جرم ہے۔ تو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے جرائم پر ایسی خاموشی اور مجاہدین سے سرزد ہونے والی خطاؤں کا پرچار اور بے تحاشہ پراپیگنڈا اسی امریکی ورینڈ پالیسی کا حصہ اور عملی نفاذ ہے۔ (مدیر)

الزام صرف اس وجہ سے لگایا تا کہ ایسے شخص کو منظر سے ہٹایا جاسکے۔ کیپٹن پی جو کہ گوانتانامو میں امام تھا کی مثال لیں، اگرچہ وہ ایک امریکی فوجی تھا اور امریکی حکومت کا ملازم اور ان کا ساتھی تھا، خدا جانے کیا معاملہ تھا جو وہ امریکیوں کی نظر میں ناپسند ٹھہرا۔ لہٰذا ابتدا میں اس پر جاسوسی کا الزام لگا کہ اس نے خفیہ معلومات شام کو دی ہیں۔ جب یہ الزام ثابت نہ ہو سکا تو اس پر ایک نیا الزام دھر دیا کہ اس نے اپنے لیپ ٹاپ میں فحش مواد رکھا ہوا تھا اور جرم یہ تھا کہ یہ لیپ ٹاپ حکومتی ملکیت تھا تو وہ اس میں فحش مواد کیسے رکھ سکتا ہے۔ پھر اس پر (ریپ) زیادتی کا الزام بھی لگایا گیا اور اس طرح اس پر مقدمہ چلا کر اس کا سب کچھ برباد کرنے کی کوشش کی گئی لیکن آخر میں کوئی بھی الزام ثابت نہ کیا جاسکا اور تمام مقدمات ختم کرنے پڑے۔

'یو ایس نیوز اور عالمی ادارے' کے ایک آرٹیکل میں لکھا ہے کہ "باہر کے ممالک میں موجود سی آئی اے کے سٹیشنز (مراکز) انتہائی تیزی اور نت نئے انداز میں کام کر رہے ہیں۔ مجاہد بھرتی مراکز، مجاہدین اور امریکہ مخالف مبلغین کو راستے سے ہٹانے کے لیے بھاری رقوم خرچ کی جا رہی ہیں"۔ اور مزید یہ لکھا ہے کہ، "اگر ملا عمر گلی کے ایک کونے میں کوئی سرگرمی کر رہا ہے تو اس گلی کے دوسرے کونے میں ملا بریڈلی ہونا چاہیے تا کہ ملا عمر کی سرگرمی کے اثر کو زائل کیا جا سکے"۔ یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوتی ہے کہ آج مسلم دنیا میں کتنے ہی ملا بریڈلی ہیں[7]۔

10. بنیاد پرستوں کو تقسیم در تقسیم کیا جائے۔

عزیز بہنو اور بھائیو ہمیں صرف امریکہ کی سیاسی اور عسکری جارحیت کا ہی سامنا نہیں ہے بلکہ وہ جھوٹ کو بھی ایک اہم ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ وہ ہمارے بھائیوں کے بارے میں جھوٹ پھیلاتے رہے ہیں، ان پر جھوٹے الزامات عائد کرتے رہے ہیں حتیٰ کہ ہم ان سے نفرت کرنے لگے اور اس طرح وہ ہمارے مابین نفرت اور نفاق کا بیج بونے میں کامیاب رہے۔ اور آپ دیکھ سکتے ہیں کہ وہ برملا کہہ رہی ہے کہ ہمیں "بنیاد پرستوں" کے اتحاد کو توڑنا ہو گا اور انہیں تقسیم کرنا ہو گا۔ مثال کے طور پر جب اللہ تعالیٰ مجاہدین کو کسی جگہ کامیابی سے نوازتا ہے اور وہ اس خطۂ ارضی پر اللہ کی شریعت نافذ کرنے کے لیے اقدامات اٹھاتے ہیں تو کس طرح کفار ان کے تشخص کو داغ دار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بڑی بدقسمتی یہ ہے کے بھولے مسلمان اس جھوٹ پر یقین کر لیتے ہیں کیونکہ وہ مغربی میڈیا کی چال میں بری طرح پھنس چکے ہیں۔ ہمیں ان کے ذرائع ابلاغ پر کسی صورت اعتماد نہیں کرنا چاہیے خاص طور پر اس وقت جب معاملہ ہمارے مسلمان بھائیوں کا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا (سورۃ الحجرات:٦)

"اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔"

یعنی کہ اگر کوئی فاسق آدمی آپ کے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تصدیق کر لیا کرو، اس صورت آپ کا کیا خیال ہے جب خبر لانے والا ذریعہ محض فاسق ہی نہیں بلکہ کافر ہے؟ لہٰذا جو ہم سنتے ہیں اس پر یقین کر لینے اور اس سے نتائج اخذ کرنے کے معاملہ میں ہمیں بہت محتاط ہونا چاہیے۔ مثال کے طور پر جب طالبان افغانستان پر حکومت کر رہے تھے تو آپ ان کے بارے میں بہت کچھ سن رہے تھے۔ مغربی میڈیا ان کے بارے میں جھوٹ پھیلا رہا تھا تا کہ امت طالبان سے نفرت کرنے لگے۔ ایسا وہ ہمارے درمیان نفرت کا بیج بونے کے لیے کرتے ہیں۔ اور جب صومالیہ میں اللہ کا قانون نافذ کیا گیا تو مغرب کے میڈیا نے ان کے بارے بھی بہت کچھ کہا۔ لہٰذا ہمیں بہت زیادہ محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔

اس سے پہلے کی سطور میں ہم رینڈ کی رپورٹ میں دی گئی تجاویز کا جائزہ لے رہے تھے اور یہ امر بھی زیرِ بحث آیا کہ رینڈ مسلمان اور حقیقی مسلمان کے درمیان کن بنیادوں پر فرق کیا جائے گا۔ امریکی اداروں کی طرف سے اس طرح کی تحقیق کا کام نائن الیون کے بعد بہت زوروں پر ہے، کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ نائن الیون سے پہلے اس طرح کی کوئی کوشش نہیں کی جارہی تھی بلکہ نائن الیون کے بعد ان کوششوں کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اور جیسا کہ میں نے 'یو ایس نیوز اور عالمی ادارے کی دستاویز' کا حوالہ دیتے ہوئے ذکر کیا تھا کہ "گیارہ ستمبر کے بعد پے در پے غلطیوں کے بعد آج امریکہ دوبارہ سنبھل رہا ہے۔ امریکی حکومت ایک ایسی سیاسی جنگی مہم کا آغاز کر چکی ہے جو سرد جنگ کے عروج کے بعد اپنا کوئی مقابلہ نہیں رکھتی"۔ لہٰذا نظریاتی جنگ پر زیادہ وسائل نائن الیون کے بعد جھونکنا شروع کیے گئے۔ اس طرح سات سال گزر جانے کے بعد جس دوران امریکہ اپنے انٹیلی جنس، اقتصادی اور افرادی وسائل اس جنگ میں جھونکتا رہا ہے، اس پر سوال یہاں یہ اٹھتا ہے کہ اس سب کوشش کے نتائج کیا ہیں؟

عزیز بہنو اور بھائیو، اگر سلطنت برطانیہ جو اپنے وقت کی عظیم ترین سلطنت تھی سمندروں پر غلبہ رکھتی تھی تو اس کے مقابل امریکہ ہواؤں، بحر و بر اور خلا تک اپنی سلطنت پھیلائے ہوئے ہے۔ امریکہ کا دفاع کی مد میں آنے والا خرچہ پوری دنیا میں اس مد میں ہونے والے خرچ کا تقریباً آدھا ہے اور اسی طرح دفاع کے معاملہ میں کی جانے والی تحقیق پر بھی امریکہ باقی ساری دنیا سے زیادہ خرچ کرتا ہے۔ امریکہ جو اس وقت کی طاقتور ترین فوج رکھتا ہے جو پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور اس پر اربوں خرچ کر رہا ہے، اس سب کے باوجود یہ فوج سچے مسلمانوں کو

[7] ملا بریڈلی ہمیں کتنی ہی شکلوں میں آج واضح دیکھنے کو ملتے ہیں۔ کچھ تو باقاعدہ اللہ اور اس کے رسول سے منسوب دین اسلام کو چھوڑ کر غامدی کہلاتے ہیں اور کتنے ہی ہیں جو آج اسی غامدیت کے راستے پر چلنے کو تیار بیٹھے ہیں۔ (مدیر)

شکست نہ دے سکی اور نہ ہی نظریاتی جنگ میں جیت سکی۔ شبلی تلحامی (Shibli Talhami) جو کہ وائٹ ہاؤس کی طرف سے (Advisory Group and Public Diplomacy and Brookings Institute) کارکن ہے واشنگٹن پوسٹ کے ایک مضمون میں لکھتا ہے کہ، "یہ تو شکست سے بھی بدتر ہے۔ شکست کا مطلب ہوتا ہے کہ آپ نے کوشش کی اور بہتری نہ لا سکے لیکن یہاں تو "گیارہ ستمبر" کے تین سال بعد تک آپ صحیح طور پر کوشش بھی نہ کر سکے۔ آج امریکہ کے ساتھ عربوں اور مسلمانوں کا جو رویہ ہے اور جس طرح وہ امریکہ پر عدمِ اعتماد کرتے ہیں یہ تین سال پہلے کی صورتحال سے کہیں بدتر ہے۔ بن لادن آپ سے آپ ہی کی (مسلط کردہ) یہ جنگ جیت رہا ہے"۔

لہٰذا وہ ہار رہے ہیں اور مس برنارڈ اور رینڈ اور پنٹاگون میں موجود ان کے ساتھیوں کو جان لینا چاہیے کہ ان کی سازشیں ناکام ہوں گی کیونکہ اللہ کی چال بہترین ہوتی ہے۔ اور وہ "بنیاد پرست" اور "انتہا پسند" جنہیں وہ تحقیر اور تضحیک کا نشانہ بناتے ہیں یہ نا صرف افغانستان اور عراق میں جیتیں گے بلکہ وہ اپنا جہاد اس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک وہ تمہارے یہودی آقاؤں کو بیت المقدس سے نکال نہیں پھینکتے اور یروشلم کے سب سے اونچے مقام پر سیاہ جھنڈا نہیں لہرا دیتے۔ ان کی کوششیں محض ناکامی ہیں اور اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُواْ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّواْ عَن سَبِيلِ اللّهِ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُواْ إِلَى جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ۝ (سورۃ الانفال:۳۶)

"جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ اپنے مال اس کام کے لیے خرچ کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ خرچ تو کریں گے، مگر پھر یہ سب کچھ ان کے لیے حسرت کا سبب بن جائے گا، اور آخر کار یہ مغلوب ہو جائیں گے۔ اور (آخرت میں) ان کافر لوگوں کو جہنم کی طرف اکٹھا کر کے لایا جائے گا۔"

وہ کروڑوں ڈالر خرچ کریں گے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوگا، شکست سے دو چار ہوں گے اور آخرت میں جہنم کی دہکتی آگ ان کا مقدر بنے گی[8]۔

عزیز بہنو اور بھائیو! نظریاتی محاذ پر ہونے والی جنگ کے نتائج عسکری محاذ پر جاری معرکے سے کہیں زیادہ اہم ہیں۔ نتائج سے زیادہ منہج پر بات کرنا اہم ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ سورۃ البروج میں خندق والوں کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ اسے عظیم کامیابی سے تعبیر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ۝

حالانکہ عسکری محاذ پر وہ جیت نہیں سکے تھے، ان سب کو خندقوں میں پھینک دیا گیا تھا جن میں آگ دہکائی گئی تھی۔ لیکن کیونکہ وہ آخری دم تک سچائی کے ساتھ چمٹے رہے اور اس پر صبر کے ساتھ ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے عظیم کامیابی قرار دیا۔ لہٰذا زیادہ فکر اس بات کی کرنی چاہیے کہ حقائقِ دین آج کے مسلمان کے قلب و شعور میں کس قدر گہرے اترے ہیں قطع نظر عسکری یا دیگر محاذوں پر کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ قلب و شعور کے اس معرکہ میں مغرب کی یلغار نے بہت سارے مسلمانوں کو متاثر کیا اور وہ اس کے اثرات کو بہت حد تک قبول کر بیٹھے لیکن دوسری طرف ہم اللہ کا فضل بھی دیکھتے ہیں کہ بیداری کی لہر بھی اپنے کمال پر ہے جس کا زیادہ تر اثر نوجوان طبقے پر ہو رہا ہے۔ اہداف اور سمت کا واضح تعین اور اس کی سمجھ جو آج کے کچھ نوجوانوں میں دیکھنے کو ملتی ہے واقعی لاجواب ہے۔ خاص طور پر اگر آپ مغرب میں موجود نوجوان طبقے کی بات کریں جو دوسری یا تیسری نسل کے مسلمان ہیں تو ان میں تو امت کی سطح کے معاملات کا فہم حیران کن حد تک اعلیٰ پائے کا ہے۔

يخرج الحي من الميت۔

نوجوان اپنی ذمہ داریوں کو بطور مسلمان جس بہترین انداز میں سمجھتے ہیں اور ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے جس طرح ہمہ وقت تیار رہتے ہیں، جس طرح "ولاء اور براء" کے تصورِ اسلامی کا فہم رکھتے ہیں، اللہ کی زمین پر اس کے قانون کو نافذ کرنے کی اہمیت سے جس طرح وہ واقف ہیں اور کیونکر خلافت کا قیام ضروری ہے، ان سب معاملات کا فہم حیران کر دینے والا ہے! کتنے ہی مسلمان ہیں جو خوابِ غفلت سے بیدار ہو رہے ہیں اور قلب و شعور کے علاوہ دیگر محاذوں پر جاری سرگرمی بھی اللہ کے خاص فضل کا ہی نتیجہ ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ امریکہ انتہائی احمقانہ قسم کی غلطیوں کا ارتکاب کر رہا ہے۔ مثال کے طور پر عراق پر امریکی حملہ ہر طرح سے اس کے لیے تباہی ہی تباہی ہے۔ ایک امریکی محکمہ خارجہ کا افسر کہتا ہے کہ، "بش کے عراق پر حملے کے جو نتائج برآمد ہو رہے ہیں وہ انتہائی ذلت آمیز شکست کا ہی پتا دیتے ہیں جو بالکل ویتنام کی شکست جیسی ہے اور اس جنگ کا اختتام کہیں ہوتا نظر ہی نہیں آتا"۔ اختتام کرنا کسی کے ہاتھ نہیں، یہ بس اس کا آغاز کر سکتے تھے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ نائن الیون کے بعد اللہ کے دین کے لیے مسلمان عراق، افغانستان، چیچنیا، فلسطین اور صومالیہ میں مزید عزم و ہمت کے ساتھ کھڑے ہیں۔ یہ صورتحال جو آج ان محاذوں پر ہے ۱۱ ستمبر سے پہلے نہ تھی۔

ہمیں اس صورتحال کا سامنا کیسے کرنا ہے؟

---

[8] اس کی ایک بہترین مثال یہ ہے کہ رینڈ کارپوریشن کی سرگرم رکن اور جس رپورٹ پر تجزیہ کیا جا رہا ہے اس کی مؤلفہ 'شیرل برنارڈ' کا شوہر 'زلمے خلیل زاد' اس وقت امریکہ کی جانب سے امارتِ اسلامیہ افغانستان کے ساتھ 'مذاکرات' کر رہا ہے۔ سبحان اللہ و بحمدہ و سبحان اللہ العظیم...... ہم اپنی آنکھوں سے اور اپنی زندگی میں ہی کفر کا مغلوب ہونا اور اسلام کا غالب ہونا دیکھ رہے ہیں۔ جنہوں نے یہ رپورٹیں لکھیں اور جنہوں نے یہ جنگیں لڑیں، آج خود اللہ اور اس کے دین کے پیروکاروں کے سامنے امن اور مذاکرات کی بھیک مانگ کر 'محفوظ راستوں' کی تلاش میں ہیں۔ امریکی ذلت آمیز ہزیمت میں امریکہ کے فرنٹ لائن اتحادیوں کے لیے بھی سبق ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں ہونے والی آخری ذلت آمیز رسوائی کا راستہ ترک کر دیں۔ (مدیر)

یہ درست ہے کہ اللہ کا دین اس کے ہی حکم سے فتح یاب ہو گا لیکن سوال یہ ہے کہ اس میں ہمارا کیا حصہ ہو سکتا ہے یا ہمیں کیا کرنا ہو گا؟ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم ایک طرف بیٹھے رہیں اور تماشا دیکھتے رہیں۔ اگر امریکہ کسی قسم کی شرم محسوس کیے بغیر کھلے بندوں یہ بات کر رہا ہے کہ وہ اسلام کو ہی تبدیل کر دینا چاہتا ہے تو ہمیں بھی اس صورتحال کا سامنا کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہونا پڑے گا۔ عزیز بہنو اور بھائیو! ہمیں مختلف معاملات پر لوگوں پر اسلام کا موقف واضح کر کے پیش کرنا ہو گا۔ ہمیں واضح اور برملا انداز میں اسلامی ریاست، خلافت اور زمین پر اللہ کے قانون کے نفاذ کے حوالے سے خالص اسلامی موقف سامنے لانا ہو گا۔ ہمیں جمہوریت پر بات کرنا ہو گی کہ اسلام میں اس کا کیا حکم ہے اور کیونکر یہ اس سے ایک متصادم نظام ہے! ہمیں اسلامی متبادل شوریٰ کو لوگوں پر واضح کرنا ہو گا۔ ہمیں اسلامی حدود، جرائم کے حوالے سے اسلامی قوانین، عورت یا مرد کا ایک سے زیادہ شادیاں کرنا، عورتوں کے حقوق اور دیگر انسانی حقوق وغیرہ سے متعلق اسلام کا موقف سامنے لانا ہو گا۔ ہمیں یہ معاملات اور اس طرح کے دیگر حساس معاملات واضح کرنے میں کسی قسم کا معذرت خواہانہ رویہ نہیں اپنانا چاہیے اور پوری ایمانداری کے ساتھ چیزوں کو سامنے لانا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ مغرب کا ایجنڈا مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب نہ ہو جائے۔

دوم یہ کہ ہمیں ہر وہ چیز جو امریکہ کی طرف سے دی جا رہی ہو اس کے حوالے سے بہت محتاط رویہ اختیار کرنا ہو گا۔ وہ اپنے اسلحہ خانے کا ہر ہتھیار اپنے خفیہ عزائم کو پورا کرنے کے لیے استعمال کریں گے۔ مضمون 'یو ایس نیوز اور عالمی ادارے کی دستاویز' جس کا ہم پیچھے بھی ذکر کر آئے اس میں کہا گیا ہے کہ، "اپنے نظریات کو عرب دنیا میں عام کرنے کے لیے ہمیں انہیں موسیقی، مزاح، شاعری اور انٹرنیٹ کے ذریعے ان تک پہنچانا ہو گا"۔ وہ ہر قسم کا ہتھیار استعمال کر سکتے ہیں لہٰذا انتہائی محتاط ہونا بہت ضروری ہے۔

سوم یہ کہ اگر 'رینڈ' میں موجود لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ سچے مسلمانوں کو اپنے ہی لوگوں کی نظروں میں گرانا چاہتے ہیں اور حق کو دبانا چاہتے ہیں جیسا کہ 'شیرل برنارڈ' نے کہا، "دہشت گرد اور بنیاد پرست حلقوں میں موجود بدعنوانی، منافقت اور اخلاقیات کے منافی معاملات کی تفتیش کے لیے صحافیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے" اور محکمہ دفاع کی چار سالہ دفاعی جائزہ رپورٹ کے مطابق "ہم انتہاپسندانہ نظریات کو لوگوں کی نظر میں غلط اور فرسودہ ثابت کر دینا چاہتے ہیں"۔ ایسے میں یہ ہمارا فرض بن جاتا ہے کہ ایسے علما اور داعیان کو سامنے لایا جائے جو حق بات کہہ رہے ہوں۔ اگر وہ ان نظریات کو جو ان کے خیال میں انتہا پسندانہ ہیں، اگر وہ انہیں لوگوں کی نظر میں غلط ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ہم انہیں عام کرنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ حق کو دبانا چاہتے ہیں تو ہم اسے زور دار اٹھان کے ساتھ ان معاشروں میں اترتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور یہ کام کرنا ہر مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے، یاد رکھیں کہ ہمیں ایک ایسے دشمن کا سامنا ہے جو وسائل کے اعتبار سے ہم سے کہیں آگے کھڑا ہے اور ساری دنیا کو اپنا اتحادی بنا کر آگے بڑھ رہا ہے اور ایسی صورتحال کے حوالے سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

واعدوا لهم (ان کے لیے تیاری کرو) بالکل اسی طرح جیسے وہ ہمارے دین کو بدل دینا چاہتے ہیں اور جھوٹ کا پرچار کرنا چاہتے ہیں اور ہمیں رینڈ مسلمان میں تبدیل کر دینا چاہتے ہیں ایسے ہی ہمیں حق کا پرچار کرنا ہو گا۔

چہارم یہ کہ ہمیں سچائی پر مبنی مواد کو عام کرنا ہو گا۔ کوئی بھی ایسی چیز یا کوئی بھی ایسا ذریعہ جو سچائی کو پھیلانے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے ہمیں استعمال میں لانا چاہیے اور اس سچائی کو پھیلانا چاہیے، اس معاملے میں اپنی دولت صرف کرنی چاہیے۔

پنجم یہ کہ ہمیں اپنی زبان اور اپنے مال کے ساتھ جہاد کرنا ہو گا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جاهدوا المشركين بانفسكم واموالكم والسنتكم۔

مشرکوں کے خلاف اپنی جان، مال اور زبانوں کے ساتھ جہاد کرو۔

حق کا پرچار اسی جہاد کی ہی ایک شکل ہے۔

اور آخر میں محترم بہنو اور بھائیو میں یہ کہنا چاہوں گا کہ ہمیں مسلمانوں کو ان کے حقیقی تشخص سے آگاہ کرنا ہو گا۔ اگر کفار ہمیں ہمارے قبل از اسلام کے ماضی سے جوڑنا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی اپنی تاریخ کے حوالے سے معلومات کو عام کرنا ہو گا کہ ہم کیا ہیں! اور ہمیں امت کے تصور کو عام کرنا ہو گا کہ ہم سب مسلمان ایک امت کا حصہ ہیں اس مقصد کے لیے ہمیں قومیت اور قبائلی تعصب سے بالاتر ہونا ہو گا۔ ہمیں اپنے آپ کو ایک امت کا حصہ سمجھنا ہو گا، مختلف النسل، مختلف اللسان اور رنگوں کے تفاوت کے باوجود ہم سب مسلمان ایک امت ہیں اور یہ وابستگی باقی سب وابستگیوں پر مقدم ہونی چاہیے۔ مزید یہ کہ ایسا نہیں سمجھنا چاہیے کہ گھر بیٹھے ہی اللہ ہمیں فتح سے ہمکنار کر دے گا اور ہمیں کچھ کرنا بھی نہیں پڑے گا۔ بلکہ ہمیں اٹھ کھڑا ہونا ہو گا اگر ہم طائفۂ منصورہ کا حصہ بننا چاہتے ہیں، اگر ہم فرقۂ ناجیہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں کیونکہ آج بدعت کو پھیلانے کے لیے محدود وسائل نہیں بلکہ امریکہ اور اس کے حواریوں کے وسائل کی مدد حاصل ہے۔ لہٰذا نظریات کی اس جنگ میں آج حق پہ کھڑے لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسے دنیا کے سامنے پیش کریں قطع نظر اس کے کہ وہ تعداد میں کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

ہم منہجِ اہلِ سنت والجماعت سے سرِ مو انحراف گوارا نہیں کرتے!

شہید عالمِ ربانی استاد احمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ

حضرت الاستاذ، شہید عالمِ ربانی استاد احمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ نے زیرِ نظر خط شعبان ۱۴۳۳ھ بمطابق جولائی ۲۰۱۲ء میں تحریر فرمایا تھا۔ یہ خط افادۂ عوام و خواص کی غرض سے شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے۔ اس خط میں حضرت الاستاذ نے اپنے اور جماعت القاعدہ کے منہج و نظریے میں سے بعض پہلوؤں کو نہایت جامعیت سے بیان فرمایا ہے۔ اللہ پاک اس خط میں بیان کردہ منہج و طریق کا فہم عام فرمائیں اور شریعتِ اسلامی کی بہاریں تمام امتِ مسلمہ کو دکھلائیں جن بہاروں کی خاطر حضرت الاستاذ جیسوں کے لہو سے زمین سیراب ہوئی ہے، آمین۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۵ شعبان، ۱۴۳۳ھ

محترم بھائی جان ابو عبد اللہ حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ خط آپ کو ایمانی و جسمانی صحت کے اعتبار سے بہترین حالت میں پائے، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ہر ظاہری و باطنی شر و فتنے سے محفوظ فرمائے، آمین!

محترم بھائی جان!

سب سے پہلے تو میری طرف سے معذرت قبول کیجیے اور معاف کر دیجیے کہ آپ کا خط موصول ہوئے غالباً ڈیڑھ سال یا زائد عرصہ گزر جانے کے بعد بھی میں جواب نہیں دے سکا۔ چونکہ آپ نے خط میں بعض شرعی مسائل کے حوالے سے سوالات اٹھائے تھے لہٰذا جواب دینے کے لیے تھوڑا سا ذہنی سکون اور فرصت درکار تھی، لیکن ایک تو ہمارے حالات مستقل اتنے دشوار اور غیر یقینی رہے کہ یہ سکون میسر نہ آ سکا، دوسرا کچھ طبعی سستی بھی غالب آتی رہی، کئی بار ارادہ کرنے کے باوجود بھی آپ کو جواب نہیں دے سکا۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائیں، امید ہے آپ بھی معاف کر دیں گے۔

محترم بھائی جان!

کوشش ہو گی کہ آئندہ سطور میں آپ کے سابقہ خط کا جواب عرض کر دوں:

1. آپ نے خط میں اس بات کی اطلاع دی تھی کہ آپ کچھ دیگر بھائیوں کے ساتھ رابطے میں ہیں اور فرض کی ادائیگی میں مصروف ہیں۔ یہ امر جان کر مجھے خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی جہود و مساعی قبول فرمائیں۔ مقصود کسی خاص نام یا تنظیم سے وابستہ ہونا نہیں ہے بلکہ مقصود اللہ کے دین کی خدمت کرنا اور اس سے بھی قبل اپنے کندھے پہ عائد فرض سے سبکدوش ہونا ہے۔ اگر یہ ہو رہا ہو، تو ان شاء اللہ نظم کے فرق (یا، مختلف ہونے) سے کوئی فرق نہیں پڑتا، سب بھائی ایک ہی دین کی خدمت اور ایک ہی دشمن کا سامنا کر رہے ہیں۔

2. آپ نے پاکستان کے اندر پیش آنے والے بعض واقعات پر اپنی تشویش کا اظہار کیا اور ان واقعات کے پس منظر میں کچھ سوالات پوچھے، کوشش ہو گی کہ ان سوالات کا جواب یہاں اختصار سے بیان کر دوں۔ ان میں سے سب سے پہلا سوال ایک عام پاکستانی مسلمان کے شرعی حکم کے حوالے سے ہے۔

- محترم بھائی جان! الحمدللہ ہم اپنے عقائد میں اہلِ سنت والجماعت کے عقائد سے سرِ مو انحراف گوارا نہیں کرتے۔ ہم امت اور امت کے اہلِ علم سے علیحدہ اپنی کوئی آزاد پرواز نہیں رکھتے۔ ایک عام مسلمان کا، خواہ وہ پاکستانی ہو یا غیر پاکستانی، ہمارے نزدیک وہی حکم ہے جو امت کے جمہور اہلِ علم کے نزدیک ہے، یعنی یہ کہ وہ مسلمان ہے اور اس کا جان و مال ہم پر حرام ہے، اس کی حرمت کعبہ کی حرمت سے بھی زیادہ ہے۔
- اس عمومی حکم سے مستثنیٰ صرف یہ صورت ہے کہ امت سے منسوب کسی خاص فرد یا جماعت سے کوئی ایسا قول، فعل یا عقیدہ قطعی طور پہ ثابت ہو جائے جس کا کفر ہونا ہر شک و شبہے سے بالا ہو، تو ایسی صورت میں جید اہلِ علم اگر یہ تحقیق کر لینے کے بعد اس کے کفر کا فتویٰ صادر کریں کہ وہ شخص (یا جماعت) نہ جاہل ہے، نہ مکرَہ (مجبور) ہے، نہ کوئی قابلِ قبول تاویل کر رہا ہے اور نہ یہ قول یا فعل بلا قصد اس سے صادر ہوا ہے، تو ایسی صورت میں ہم بھی اس کے بارے میں یہی عقیدہ رکھیں گے کہ وہ دین سے خارج ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے قادیانی خود کو دین سے منسوب کرتے تھے لیکن علماء نے ان کے کفر کا فتویٰ دیا۔ (یہ بھی واضح رہے کہ ہم کسی گناہ، صغیرہ یا کبیرہ کے سبب کسی کی تکفیر نہیں کرتے، جیسا کہ اہلِ سنت والجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے۔ ہم تو ان اقوال، افعال اور عقائد کی بات کر رہے ہیں جو 'نواقضِ ایمان' میں شمار ہوتے ہوں، یعنی جن کے سبب ایمان زائل ہو جاتا ہو)۔ لیکن اس صورت کے علاوہ، ہم اصلاً ہر مسلمان کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ہمارا مسلمان بھائی ہے اور اس کے بھی وہی حقوق ہیں جو ہمارے ہیں۔
- میرے پیارے بھائی جان! جو مجاہدین گھروں سے نکلے ہی امت کے غم میں اور ان کے جان و مال کے دفاع کی خاطر ہوں، ان سے تو ویسے بھی یہ سوال پوچھا جانا مناسب نہیں

لگتا۔ میری ناقص رائے میں مجاہدین تو پوری امت کا وہ حساس ترین طبقہ ہے جس سے امت کے بوڑھوں بچوں جوانوں پہ جاری ظلم ٹھنڈے پیٹوں ہضم نہیں ہو سکا اور وہ ان کے دفاع کے لیے سب کچھ چھوڑ کر نکل آئے۔ خود پاکستان کے اندر جاری تحریک بھی لال مسجد میں مسلمان بہنوں اور علمائے کرام کی شہادت کے بعد شروع ہوئی۔ جب سارا ملک اطمینان سے ان کی مظلومانہ شہادت کا تماشہ دیکھ رہا تھا تو یہ مجاہدین ہی تھے جو اپنے جسموں سے بم باندھ کر میدان میں اتر آئے تھے اور ظلم کا بدلہ چکا رہے تھے۔ اس لیے یہ سوال شاید ہماری نسبت ایسے طبقات سے پوچھے جانے کے زیادہ لائق ہے جو مسلمانوں کے جان، مال اور آبرو لٹتے دیکھ کر بھی جنبش نہ کریں۔ مجاہدین کا تو عمل ہی ان کے عقائد اور امت سے ان کی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

3. دوسرا سوال فوجیوں سے میل جول رکھنے والوں کے شرعی حکم کے بارے میں ہے؟ جواباً عرض ہے:

- پہلی بات تو یہ واضح رہے کہ ہمارے جہاد کا اصل ہدف امریکہ اور اس کے صلیبی صہیونی اتحادیوں کو شکست دینا اور امت اور امت کے مقدس مقامات کو کفر کے عالمگیر تسلط سے آزادی دلا کر خلافت قائم کرنا ہے۔ اس لیے درجۂ اول میں صلیبی، صہیونی اور مشرک فوجی ہی ہماری کارروائیوں کا ہدف ہیں۔ خود پاکستان کے محاذ پہ بھی کراچی کے امریکی سفارت خانے، پشاور کے امریکی قونصلیٹ، پشاور ہی میں امریکی قونصلیٹ کی گاڑیوں، پاکستان بھر میں جابجا نیٹو سپلائی کے مراکز، میریٹ ہوٹل اسلام آباد اور پی سی پشاور میں سی آئی اے کے مراکز، وغیرہ پہ حملے اس بات کی دلیل ہیں کہ مجاہدین کی جنگ بالاصل کس کے خلاف ہے۔
- امریکہ کا امتِ مسلمہ پر تسلط کہیں براہِ راست ہے اور کہیں بالواسطہ۔ افغانستان، عراق، یمن وغیرہ میں امریکی افواج کا علانیہ اور براہِ راست تسلط ہے، جبکہ پاکستان، سمیت بیشتر مسلم ممالک میں بالواسطہ تسلط ہے۔ دونوں قسم کے تسلط کا خاتمہ شرعاً مطلوب اور اس عالمی جہادی تحریک کو بھی مقصود ہے۔
- پاکستان جیسے ممالک میں امریکہ نے اپنی افواج کو علانیہ جنگ میں نہیں اتارا، بلکہ مقامی افواج و حکمرانوں کو خرید کر، ان سے کام لے رہے ہیں اور عملاً یہی افواج اور یہی سرکاری مشینری امریکی ایجنڈے کے نفاذ میں مصروف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صراحت سے ایسے لوگوں کا حکم بیان فرمایا ہے جو مسلمانوں اور کفار کی جنگ میں کافروں کا ساتھ دیں۔ سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۲۸ میں اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر ان کا حکم بیان کیا کہ "فليس من الله في شيء" (یعنی یہ کہ ان کا اللہ سے کوئی واسطہ نہیں)، سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۵۱ میں یہ کہہ کر بیان کیا کہ "ومن يتولهم منكم فإنه منهم" [یعنی تم میں سے جو کوئی ان کا (یعنی یہود و نصاریٰ کا) ساتھ دے وہ انہی میں سے ہے] اور سورۂ محمد کی آیت ۲۵، ۲۶ میں یہ کہہ کر بیان کیا کہ "إن الذين ارتدوا......" (یعنی یقیناً وہ لوگ جو دین سے مرتد ہو گئے......)۔ اگرچہ یہ آیات بھی اپنے مفہوم میں بالکل واضح اور صریح ہیں، لیکن ان آیات کے ذیل میں امام ابن کثیر، قرطبی، طبری، آلوسی و جصاص رحمہم اللہ سمیت بیشتر مفسرینِ کرام نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس سے بھی زیادہ واضح ہے۔ مفسرین نے صراحت سے یہ بات کہی ہے کہ یہ آیات یہ فیصلہ سنا دیتی ہیں کہ کافروں اور مسلمانوں کی جنگ میں کافروں کا ساتھ دینے والا کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔ مثلاً امام المفسرین امام طبری رحمۃ اللہ علیہ سورۂ آل عمران کی آیت ۲۸ کے تحت لکھتے ہیں:

"فَلَيْسَ مِنْ اللَّهِ فِي شَيْء ; يَعْنِي بِذَلِكَ , فَقَدْ بَرِئَ مِنْ اللَّه , وَبَرِئَ اللَّه مِنْهُ بِارْتِدَادِهِ عَنْ دِينه , وَدُخُوله فِي الْكُفْر"

"(اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں) سے مراد ہے کہ وہ اللہ سے بری ہو گیا اور اللہ اس سے بری ہو گئے، کیونکہ وہ اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور کفر میں داخل ہو گیا۔"

اختصار کی خاطر مزید آیات، احادیث اور اقوال نقل نہیں کروں گا، ورنہ اس موضوع پر اتنے زیادہ اور اتنے صریح دلائل موجود ہیں کہ ان سے فرار بہر حال ممکن نہیں۔ سب دلائل کا خلاصہ یہی بنتا ہے کہ کفار اور مسلمانوں کی جنگ میں مسلمانوں کے بالمقابل کافروں کی براہِ راست اور صریح معاونت کرنا کفر ہے۔

- یہ نکتہ بھی واضح کرتا چلوں کہ کفریہ فعل یا قول کا مرتکب ہر شخص کافر نہیں ہوتا۔ یعنی فعل یا قول کو کفر کہنے سے بندے کو کافر کہنا لازم نہیں آتا، کیونکہ کسی متعین فرد پہ کفر کا فتویٰ تبھی لگتا ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ اس کے اندر کوئی 'موانع کفر' (یعنی اس کو کافر کہنے میں مانع ہونے والے عناصر) نہیں پائے جاتے [مثلاً اس کا جاہل یا مکرَہ (مجبور) ہونا] اور اس میں وہ تمام شروط بھی پائی جاتی ہیں جس کے سبب اس پہ کفر کا فتویٰ لگے۔ پس ہم کسی شخص کو کفریہ قول و فعل یا کفریہ عقیدے کا مرتکب دیکھیں گے تو اس کے اس قول، فعل یا عقیدے کو تو کفر ہی کہیں گے، البتہ اس شخص کو کافر کہنے سے قبل لازم ہو گا کہ کوئی جید مفتی اس شخص کے حالات کا مفصل جائزہ لے کر فیصلہ کرے کہ اس کے پاس کوئی ایسا عذر تو نہیں ہے جو اس کی تکفیر میں مانع ہو۔ یہ کام ہر عامی کے کرنے کا نہیں اور اس کے لیے علمِ شرعی کی ایک خاص سطح درکار ہے۔
- اس لیے ہم یہ بات تو بلا تردد کہتے ہیں کہ ہمارے حکمران اور ہمارے سکیورٹی ادارے سالہا سال سے کفر و اسلام کی جنگ میں کافروں کا صریح، علانیہ، براہِ راست، بلکہ مسلح ساتھ دینے کے سبب (فرنٹ لائن اتحادی بننے کے سبب) بحیثیتِ مجموعی ایک کفریہ عمل کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ باقی ان میں سے فرداً فرداً ہر فوجی پہ کیا حکم لگتا ہے، کون کافر ہے، کون مسلمان، اس تفصیل میں جانا اول تو لازم نہیں، دوم اس کے لیے اس کے ذاتی حالات کی تفصیل معلوم ہونا لازم ہے کہ وہ شرعاً کوئی عذر رکھتا ہے یا نہیں۔ البتہ فوج

کی اعلیٰ قیادت، یعنی جرنیلوں یا کور کمانڈرز کی سطح پہ (یا اسی طرح وزیرِ اعظم، صدر اور کابینہ وغیرہ کی سطح پہ) شاید کوئی عذر بھی قبول نہ ہو، کیونکہ عذر قبول ہونے کی بھی اپنی تفصیلات ہیں۔ ہر معاملے میں اور ہر سطح پہ جہالت وجبر جیسے عذر قبول نہیں ہوتے۔

- ایک ضمنی بات یہ کہ یہاں میں نے حکمرانوں اور فوج کا محض ایک کفریہ فعل ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ بھی کچھ اسباب ہیں جن کی بنا پہ تکفیر لازم آتی ہے، مثلاً قدرت کے باوجود شریعت کا نفاذ نہ کرنا، شریعت کے نفاذ کی کوشش کرنے والوں کو بزورِ قوت روکنا، وغیرہ۔ لیکن اس کی تفصیل میں گئے تو موضوع بہت پھیل جائے گا، اس لیے ایک اساسی کفریہ فعل کے ذکر پہ اکتفا کر رہا ہوں۔
- اس تفصیل سے یہ بات خود ہی واضح ہو جانی چاہیے کہ فوجیوں سے میل جول رکھنے والوں پہ کفر کا فتویٰ کوئی دین سے جاہل فرد ہی لگائے گا۔ ہم ایسا کوئی عقیدہ نہیں رکھتے کہ فوجیوں سے میل جول رکھنے والا کافر ہے، نعوذ باللہ من ذلک۔ ہم تو اس احتمال کو بھی رد نہیں کر رہے کہ فوج کے اندر ابھی تک کچھ لوگ ایسے موجود ہوں جن پہ کفر کا فتویٰ منطبق نہ ہوتا ہو، کیونکہ یا تو وہ مجاہدین کے کہنے پر ہی فوج میں بیٹھے ہوں اور فوج کے اندر دعوتی کام کرنے، یا اندر کی معلومات فراہم کرنے میں مصروف ہوں تو اس صورت میں تو وہ ان شاء اللہ شریکِ جہاد سمجھے جائیں گے۔ اور یا پھر وہ ایسے تو نہ ہوں لیکن وہ واقعتاً جہالت یا جبر واکراہ جیسے عذر کی وجہ سے مرتد ہونے سے بچ جائیں۔
- لیکن یہ بات واضح رہنا بھی اتنا ہی اہم ہے کہ ایک ایسی فوج میں بلا عذر شامل رہنا جو مجاہدین کے خلاف امریکہ کا سب سے مؤثر ہتھیار بن چکی ہے، یہ انسان کے ایمان کو خطرے میں ڈالنے والا امر ہے اور کوئی صاحبِ ایمان اور صاحبِ عقل محض نوکری اور روزی کی خاطر ایسا خسارے کا سودا کبھی نہیں کرے گا۔ یقیناً یہ بات افسوس اور دکھ کا باعث ہے کہ امتِ محمد یہ ﷺ سے منسوب لاکھوں جوان اپنی آخرت کو خطرے میں ڈالنے والی اس نوکری میں مصروف ہیں۔ اللہ انہیں ہدایت دے اور توبہ کی توفیق بخشے، آمین!
- نیز یہ بات بھی واضح رہنا اہم ہے کہ شریعت کی رو سے کسی کے خلاف جنگ کرنا، اس کی جان و مال کو نشانہ بنانا ایک علیحدہ مسئلہ ہے اور اس کو کافر کہنا ایک علیحدہ مسئلہ۔ یہ ضروری نہیں کہ دشمن کو کافر ثابت کرنے کے بعد ہی اس کے خلاف جنگ کا جواز پیدا ہو۔ قرآن ہمیں سورۂ حجرات میں باغیوں کے خلاف قتال کا حکم دیتا ہے اور ان باغیوں کو مومن بھی قرار دیتا ہے۔ اسی طرح انسان کے دین، جان، مال، اور عزت پہ حملہ آور دشمن کے خلاف دفاع شرعاً جائز ہی نہیں واجب بھی ہے، خواہ حملہ کرنے والا مسلمان ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ لہٰذا جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فوج کے اندر موجود ہر فرد کا کافر ہونا لازم نہیں، تو اس سے یہ اشکال نہیں پیدا ہونا چاہیے کہ پھر ہم فوجیوں کو بلا تفریق مارتے کیوں نظر آ رہے ہیں؟ فوج ہمارے خلاف دس سال[9] سے بر سرِ پیکار ہے، جنگ کا آغاز فوج نے کیا ہے، ہم نے تو سات سال صبر کے بعد، سینکڑوں شہادتیں اور سینکڑوں گرفتاریاں برداشت کرنے کے بعد جواب دینا شروع کیا ہے۔ اس لیے ہم دفاعی جنگ میں ہیں اور فوج بحیثیت ایک ادارہ ہم پہ حملہ آور ہے۔ اس حالت میں فوج کی کسی گاڑی کو بارودی سرنگ سے اڑانے سے قبل یا کسی مرکز پہ حملہ کرنے سے قبل اس میں موجود ہر ہر فرد کے بارے میں یہ تحقیق کرنا کہ وہ صرف 'کفریہ فعل' کر رہا ہے یا خود بھی 'کافر' ہو چکا ہے...... یہ مطالبہ نہ تو شریعت نے ہم سے کیا ہے اور نہ عملاً وعقلاً ایسا کرنا ممکن ہے۔ ہم ایک 'طائفہ کفر' یعنی کفریہ فعل کے مرتکب گروہ کے خلاف جنگ کر رہے ہیں اور اس کے خلاف جنگ کے لیے اس کے ایک ایک فرد کے بارے میں انفرادی حکم معلوم کرنا شریعت کی رو سے قطعاً بھی ضروری نہیں۔ لہٰذا شرعاً ہر فوجی کو نشانہ بنانا جائز ہے، یہاں تک کہ فوج اپنے کفر سے رجوع کر لے یا فوج سے وابستہ فرد توبہ کر کے اس طائفہ کفر سے علیحدہ ہو جائے۔
- اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اتنی تفصیل اس مسئلے کو سمجھانے کے لیے کافی ثابت ہو۔ یہ مسئلہ کفر وایمان کے نازک باب سے متعلق ہے جس کی تمام تر تفصیل تو شاید ایک کتاب میں بھی نہ سما سکے، اس لیے اس موضوع پہ اختصار سے ہی بات سمجھانے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ اگر پھر بھی بات واضح نہ ہو سکے تو نسبتاً مزید تفصیل کے لیے شہید شیخ ابو یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "شمشیرِ بے نیام" کی سافٹ کاپی ساتھ بھیج رہا ہوں جو اس موضوع کے دیگر پہلوؤں پر بھی قدرے تفصیل سے روشنی ڈالتی ہے۔

4. تیسرا سوال مجاہدین کی کارروائیوں میں عام شہریوں کی ہلاکت کے حوالے سے ہے۔ اس کے جواب میں کچھ عرض کروں گا، لیکن پہلے بطور مقدمہ چند باتیں پیشِ خدمت ہیں، پھر اصل موضوع کی طرف آؤں گا ان شاء اللہ:

- ہمارا تعلق جماعت القاعدہ سے ہے، جس کے سابقہ امیر شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ تھے اور حالیہ امیر شیخ ایمن حفظہ اللہ ہیں۔ نیز ہم سب کے امیر، امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ ہیں۔
- جماعت القاعدہ نے پاکستان کے اندر جو کارروائیاں کی ہیں الحمدللہ ان سب میں جید علماء سے رجوع کرنے کے بعد قدم اٹھایا ہے اور شرعی ضوابط کے مطابق ہی کارروائیاں کرنے کی سعی کی ہے۔

---

[9] اس خط کو لکھے ہوئے بھی آٹھ سال ہونے والے ہیں۔

- بازاروں، مزاروں، جنازوں، ہسپتالوں، عوامی جلسوں، مسلمانوں کی مساجد میں کارروائیوں کی ہم نے علانیہ روزِ اوّل سے مذمت کی ہے اور اپنے رسائل، افلام، بیانات میں علانیہ ان کے خلاف بولا اور ان سے برأت کا اظہار کیا ہے۔ مجاہدین چونکہ وزیرستان سے لے کر سوات تک کی وسیع پٹی میں اور پھر پاکستان کے اندر بھی پھیلے ہوئے ہیں اور وہ سب کے سب جماعت (القاعدہ) سے وابستہ نہیں، اس لیے ان کے ہر ہر فعل کے ذمہ دار ہم نہیں ہو سکتے، نہ شرعاً، نہ ہی عقلاً، خصوصاً جبکہ ہم نے اس معاملے میں بالکل واضح موقف اختیار کر رکھا ہو اور خاموشی نہ اختیار کی ہو۔
- میری اس بات سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہو گا کہ گویا مذکورہ بالا اقسام کی تمام یا زیادہ تر کارروائیاں مجاہدین نے کی ہیں۔ ہمارے پاس اس امر کے شواہد موجود ہیں کہ کئی کارروائیوں کے پیچھے پاکستانی یا بیرونی ایجنسیوں کے ہاتھ ہیں۔ یہ کوئی تعجب کا امر نہیں ہونا چاہیے۔ الجزائر، مصر، شیشان کے تجربات ہمارے سامنے ہیں جہاں ایجنسیوں نے ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت پورے پورے بازار اور بستیاں دھماکوں سے اڑائیں تاکہ عوام کو مجاہدین سے متنفر کیا جا سکے۔ یاد رکھیے! جو مجاہد جنت لینے کے لیے گھر سے نکلا ہو وہ پاگل ہی ہو گا اگر وہ کسی ناحق قتل کے ذریعے اپنی آخرت خراب کرنے پہ راضی ہو۔ جتنا حریص اپنی جان دینے والا اور فدائی حملے کرنے والا شخص ہوتا ہے کہ ہدف شرعاً درست ہو، اتنا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس احتمال سے ہم انکار نہیں کرتے کہ اس نوزائیدہ جہادی تحریک سے وابستہ بعض افراد یا گروہ جہالت و کم علمی کے سبب یا انتقام کے جذبے سے مغلوب ہو کر بعض ایسی کارروائیاں کر بیٹھیں جن میں اصلی ہدف تو درست ہو، لیکن ضمناً مسلمانوں کو اتنا بھاری نقصان پہنچ جائے اور اتنا ناحق خون بہہ جائے جو شرعاً بالکل ناقابلِ قبول ہو۔ ایسے چند واقعات ہمارے علم میں آئے ہیں اور جب بھی علم میں آئے ہیں تو ہماری قیادت نے اس پہ سخت ترین موقف اختیار کیا ہے اور میدان میں موجود مجموعات کو اکٹھا کر کے ایسے سنگین جرائم کو روکنے کے لیے اپنی پوری سعی کی ہے۔ اگر شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کے گھر سے برآمد ہونے والے خطوط آپ کی نگاہ سے گزرے ہوں، جن میں سے سترہ عدد خطوط کو امریکہ نے حال ہی میں جاری کیا ہے تو آپ یقیناً یہ دیکھ کر ضرور مطمئن بلکہ شاید حیران ہوں گے کہ تمام خطوط میں ہماری قیادت کی سب سے بڑی حرص اور توجہ یہی نظر آتی ہے کہ کسی طرح بھی ہمارے ہاتھ سے کسی مسلمان کا ناحق خون نہ بہے، اور کسی دوسرے مجاہد سے بھی ایسی حرکت ہو تو اسے پوری قوت سے روکا جائے۔
- باقی، یہ ایک بالکل علیحدہ بات ہے کہ جنگ کی ایک اپنی فطرت ہے۔ تمام شرعی ضوابط جاننے سمجھنے کے بعد بھی اور حرمتِ خونِ مسلم کا عقیدہ رکھنے کے بعد بھی، جب کچھ لوگ عملاً جنگ کے میدان میں اتریں گے، تو ان سے غلطی ضرور ہو گی، ورنہ وہ بشر نہیں، فرشتے ہوں گے۔ اور جنگ میں جو بھی غلطی ہو، اس سے عموماً لوگوں کے جان و مال پر ہی زد پڑتی ہے۔ گویا نظری طور پہ شرعی احکامات تسلیم کر لینے سے سارے مسائل ٹھیک نہیں ہو جاتے بلکہ اس کے بعد بھی ان احکامات پہ عمل کرنے کے دوران غلطی کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ غلطی سے ناحق خون بہنے کے واقعات دورِ نبوی ﷺ میں اور اس کے بعد بھی پیش آتے رہے، لیکن کبھی بھی اس کا حل یہ نہیں نکالا گیا کہ جہاد ہی بند کر دیا جائے، بلکہ جہاد کو جاری رکھتے ہوئے غلطیوں کو دور کرنے اور خلافِ شرع امور کو روکنے کی کوشش جاری رہی۔ ہم بھی یہی طریقہ اختیار کیے ہوئے ہیں اور ان شاءاللہ امت کے ہر طبقے سے زیادہ اس بات کا غم کھاتے ہیں کہ ہماری تحریک اللہ کی ناراضگی والے افعال سے پاک ہو۔ لیکن اس ساری کوشش کے باوجود بھی جب ہزاروں کے لشکر آپس میں ایک گھمسان کی جنگ میں گتھم گتھا ہوں، جب محاذِ جنگ غیر روایتی ہو اور ہزاروں میل طویل قطعۂ زمین پہ پھیلا ہو، جب صبح و شام لاشیں گر رہی ہوں، جب بستیوں کی بستیاں وحشیانہ بمباری سے اجاڑی جا رہی ہوں، جب ایک ایک آبادی میں دسیوں مساجد کو تباہ کیا جا رہا ہو، جب مجاہدین کے گھروں کی خواتین تک جیلوں میں پڑی ہوں، جب جیل میں قید بھائیوں کی عزتیں پامال ہو رہی ہوں، علماء تک کو برہنہ کر کے اذیتیں دی جا رہی ہوں، جب ڈرون حملوں سے امت کے ہیرے موتی روزانہ کی بنیاد پہ شہید ہو رہے ہوں اور ایسے انداز سے شہید ہو رہے ہوں کہ جسم کی بوٹیاں تک سلامت نہ ملیں، جب...... جب...... جب...... تو پھر اپنے ہر ہر فرد کے جذبات پہ قابو رکھوانا، ہر عمل کو شریعت کے تابع بنانا اتنا سہل نہیں رہتا جتنا شاید دور سے معلوم ہو۔ مقصود یہ نہیں کہ دشمن کے یہ مظالم ہمارے لیے بھی جوابی ظلم کرنے کا عذر بن جاتے ہیں۔ نہیں، لیکن یہ بتانا مقصود ضرور ہے کہ بھائی جان! اگر آپ مجاہدین کے درمیان ایک ماہ بھی گزار لیں اور ان کے حالات کا مشاہدہ کر لیں تو آپ ان کے صبر اور ضبطِ نفس پر داد ہی دیں گے اور حیران ہی ہوں گے کہ اتنے مشکل حالات میں اس سے زیادہ غلطیاں کیوں نہیں ہو رہیں؟ الغرض، ہم اپنی حد تک غلطیاں کم کرنے کے لیے کوشاں ضرور ہیں، لیکن ان کا مکمل اور فوری طور پر خاتمہ بہر حال ایک غیر متوقع امر ہو گا۔ یہ غلطیاں افغانستان کے اندر بھی، اور عراق اور دیگر محاذوں پہ بھی نظر آتی ہیں، لیکن جہاد کے دوران ہونے والی غلطیوں کے سبب نہ امت نے پہلے کبھی جہاد چھوڑا ہے، نہ آئندہ چھوڑے گی۔ البتہ مستقل اصلاح کے لیے کوشش جاری رہے گی، ان شاءاللہ۔
- باقی، آپ نے کارروائیوں کے دوران عام مسلمانوں کی شہادت کے پس منظر میں پوچھا کہ کیا یہ قتلِ خطا نہیں۔ تو عرض یہ ہے کہ ہماری بیشتر کارروائیوں میں قتلِ خطاء کی صورت نہیں پائی جاتی۔ کارروائی کی تین صورتیں ممکن ہیں:

- یہ کہ کسی ایسے ہدف پہ کارروائی ہو جس میں کسی معصوم جان کی ہلاکت بالکل بھی نہ ہو، جیسے جی ایچ کیو پہ کارروائی۔ ظاہر ہے کہ یہاں دیت وغیرہ کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔
- دوسرا کسی ایسے ہدف پہ کارروائی جس میں ہدف تو شرعاً درست ہو لیکن اس کو نشانہ بنانے کے دوران عام مسلمانوں کی شہادت کا خطرہ بھی موجود ہو۔ یہاں 'مسئلۂ تترس' کی صورت لاگو ہوتی ہے۔ مسئلۂ تترس فقہاء کے یہاں ایک معروف مسئلہ ہے (تفصیل کے لیے امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کی طرف یا کسی بھی معروف فقہی کتاب کی کتاب السیر کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے)، یعنی یہ کہ جب دشمن کے خلاف قتال کے دوران کسی ہدف کو نشانہ بنانے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ ہو کہ ساتھ کچھ مسلمان بھی شہید ہوں، تو ایسی صورت میں جمہور اہلِ علم نے بعض شروط و قیود کے ساتھ اس بات کی اجازت دی ہے کہ کفار کو نشانہ بنانے کی نیت سے حملہ کیا جائے اور اس دوران ضمناً جن مسلمانوں کی شہادت ہو تو اس پہ گرفت نہیں ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس مسئلے کی قیود و شروط کو پورا کرنا ضروری ہے ورنہ یہ ایک خطرناک دروازہ ہے، جسے چوپٹ کھولنا قتلِ ناحق ہی قرار پائے گا۔ پس جن کارروائیوں کے دوران ان شروط کو پورا کیا گیا ہے، وہاں اگر کسی مسلمان کی بلا قصد شہادت ہوئی ہے تو اسے تترس کے تحت سمجھا جائے گا۔ مثلاً آئی ایس آئی کے کئی اساسی مراکز کی تباہی کے دوران اڑوس پڑوس میں موجود چند لوگوں کے زخمی ہونے اور چند کی شہادت کے واقعات پیش آئے ہیں، باوجود اس کے کہ بارود کے استعمال سمیت کارروائی کے ہر پہلو میں اس کا پورا خیال رکھا گیا تھا کہ عام مسلمانوں کو ضرر حتی الامکان نہ پہنچے۔ نیز اہداف بھی بہت اہم تھے اور انہیں نشانہ بنانے کا کوئی دیگر محفوظ طریقہ بھی نہیں تھا لہٰذا ان کی خاطر ایسا خطرہ مول لینے کی گنجائش موجود تھی۔ ایسی صورت ان شاء اللہ مسئلۂ تترس ہی کے ذیل میں آتی ہے اور تترس کی صورت 'قتلِ خطاء' سے یکسر علیحدہ ہے اور اس میں دیت عائد نہیں ہوتی، جیسا کہ فقہاء نے صراحت سے لکھا ہے۔ امام محمد بن حسن الشیبانی (شاگردِ رشید امام ابو حنیفہؒ) کی کتاب سیر کبیر کی شرح میں درج ہے:

"قَدْ بَيَّنَّا أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِتَحْرِيقِ حُصُونِهِمْ وَتَغْرِيقِهَا مَا دَامُوا مُمْتَنِعِينَ فِيهَا، سَوَاءٌ كَانَ فِيهَا قَوْمٌ مِنْ الْمُسْلِمِينَ أُسَرَاءَ أَوْ مُسْتَأْمَنِينَ أَوْ لَمْ يَكُونُوا، وَالْأَوْلَى لَهُمْ إذَا كَانُوا يَتَمَكَّنُونَ مِنْ الظَّفَرِ بِهِمْ بِوَجْهٍ آخَرَ أَلَّا يُقْدِمُوا عَلَى التَّغْرِيقِ وَالتَّحْرِيقِ. لِأَنَّ فِي ذَلِكَ إتْلَافَ مَنْ فِيهَا مِنْ الْمُسْلِمِينَ إنْ كَانُوا وَإِنْ لَمْ يَكُونُوا ، فَفِي ذَلِكَ إتْلَافُ أَطْفَالِهِمْ وَنِسَائِهِمْ ، وَذَلِكَ حَرَامٌ شَرْعًا ، فَلَا يَجُوزُ الْمَصِيرُ إلَيْهِ إلَّا عِنْدَ تَحَقُّقِ الضَّرُورَةِ ، وَالضَّرُورَةُ فِيهِ أَلَا يَكُونَ لَهُمْ طَرِيقٌ آخَرُ يَتَمَكَّنُونَ مِنْ الظَّفَرِ بِهِمْ بِذَلِكَ الطَّرِيقِ ، أَوْ يَلْحَقُهُمْ فِي الطَّرِيقِ الْآخَرِ حَرَجٌ عَظِيمٌ وَمَئُونَةٌ شَدِيدَةٌ ، فَحِينَئِذٍ لِدَفْعِ هَذِهِ الْمَئُونَةِ يُبَاحُ لَهُمْ التَّحْرِيقُ ، وَمِنْ ضَرُورَةِ ثُبُوتِ الْإِبَاحَةِ مُطْلَقًا مَعَ الْعِلْمِ بِالْحَالِ أَلَّا يَلْزَمَهُمْ دِيَةٌ وَلَا كَفَّارَةٌ ؛ لِأَنَّ وُجُوبَ ذَلِكَ بِاعْتِبَارِ قَتْلِ مَحْظُورٍ وَهَذَا قِتَالٌ مَأْمُورٌ بِهِ فَلَا يَكُونُ مُوجِبًا دِيَةً وَلَا كَفَّارَةً ."

- "ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ جب کافر قلعہ بند ہو کر بیٹھے ہوں تو ان (کافروں) کے قلعے جلانے اور انہیں پانی میں ڈبو دینے میں کوئی حرج نہیں، چاہے ان کے درمیان مسلمان قیدی یا وہ مسلمان موجود ہوں جو پناہ لے کر ان کی طرف گئے تھے، اور چاہے وہ موجود نہ ہوں۔ البتہ اگر ان قلعوں پر فتح پانے کی کوئی دوسری صورت موجود ہو تو مجاہدین کے لیے زیادہ بہتر یہی ہے کہ وہ قلعوں کو جلانے یا ڈبونے سے گریز کریں، کیونکہ ایسا کرنے سے ان کے درمیان موجود مسلمانوں کو ضرر پہنچے گا اور اگر مسلمان نہ موجود ہوں تو کافروں کی عورتوں اور بچوں کو ضرر پہنچے گا۔ اور ایسا کرنا (عام حالات میں) شرعاً حرام ہے، لہٰذا اس رستے کو صرف تبھی اختیار کرنا چاہیے جب واقعتاً اس کی ضرورت ہو۔ ضرورت سے مراد یہ ہے کہ اس ہدف پر فتح پانے کا کوئی دوسرا طریقہ نہ ہو، یا کوئی دوسرا طریقہ تو ہو لیکن اسے اختیار کرنے میں بہت بڑی مشقت و دشواری درپیش ہو۔ پس ایسی بڑی دشواری کی صورت میں قلعہ جلانا جائز ہو جائے گا۔ پس جب یہ حالت ہو تو چونکہ یہ فعل جائز ہو جائے گا لہٰذا اس پہ دیت و کفارہ لازم نہیں آئے گا، کیونکہ دیت و کفارہ تو تب لازم آتا ہے جب شرعاً ناجائز قتل کا ارتکاب کیا جائے، جبکہ اس قتال کا تو خود شریعت نے حکم دیا ہے لہٰذا اس پہ کوئی دیت و کفارہ نہیں ہوگا۔"

اسی طرح علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ 'بدائع الصنائع' میں لکھتے ہیں:

وَكَذَا إذَا تَتَرَّسُوا بِأَطْفَالِ الْمُسْلِمِينَ فَلَا بَأْسَ بِالرَّمْيِ إلَيْهِمْ ؛ لِضَرُورَةِ إقَامَةِ الْفَرْضِ ، لَكِنَّهُمْ يَقْصِدُونَ الْكُفَّارَ دُونَ الْأَطْفَالِ ، فَإِنْ رَمَوْهُمْ فَأَصَابَ مُسْلِمًا فَلَا دِيَةَ وَلَا كَفَّارَةَ۔

"اسی طرح اگر کفار مسلمانوں کے بچوں کو بطور ڈھال استعمال کریں تو ان کی طرف تیر مارنے میں حرج نہیں کیونکہ جہاد کے فریضے کی ادائیگی بہر حال لازم ہے، البتہ تیر پھینکتے ہوئے نیت کفار ہی کو مارنے کی رکھی جائے گی، نہ کہ (مسلمان) بچوں کو۔ پس اگر تیر کفار کو مارنے کی نیت سے پھینکا اور کسی مسلمان کو لگ گیا تو نہ کوئی دیت ہوگی اور نہ ہی کفارہ۔"

مذکورہ بالا اقوال میں تترس کی شرائط کی طرف بھی اشارہ ہے اور یہ شرائط دیگر مقامات پر اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ پس اگر یہ شرائط کسی کارروائی میں پوری نہ ہوں، مثلاً کسی چھوٹے سے ہدف کی خاطر جسے ترک کرنے میں کوئی خاص نقصان نہ ہو (مثلاً پولیس کی کوئی چوکی) کسی مسلمان کو ضمناً شہید کر دیا جائے، یا

پھر کسی نسبتاً بڑے ہدف کی خاطر مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کو شہید کر ڈالا جائے (جیسا کہ شیر پاؤ پر حملے کی خاطر سٹیڈیم میں جمع تیس سے زائد افراد شہید کر دیے گئے) تو یہ تترس سے خارج اور قتلِ ناحق ہو گا۔ تترس کا ایسا استعمال نہ ہم کرتے ہیں اور نہ کس کے لیے بھی ایسا استعمال شرعاً درست سمجھتے ہیں۔ البتہ اسے قتل خطاء کہنے کے لیے ہر ہر واقعے کی تفصیل میں جانا ہو گا، عین ممکن ہے کہ بات قتل خطاء سے آگے بڑھ کر قتل عمد میں داخل ہو۔ بہر حال، واقعے کی تفصیل کے مطابق اس پر کوئی شرعی وصف لاگو ہو گا اور اگر دیت کی ادائیگی لازم ہوئی، تو کارروائی کرنے والوں کو (حسبِ استطاعت جلد یا بدیر) وہ ادائیگی کرنا ہو گی۔

- تیسری قسم ان کارروائیوں کی ہے جہاں سیدھا عوام المسلمین ہی کو نشانہ بنایا جائے، کسی اور ہدف کو نشانہ بناتے ہوئے وہ ضمناً نشانہ نہ بنیں۔ ایسی کارروائیاں کرنے والا تو یقیناً مجاہد نہیں کہلائے گا۔ یہ تو جہاد نہیں فساد ہو گا۔ ایسے فسادی لوگ جب مسلم خون کی حرمت جانتے ہی نہیں تو دیت کیسے دیں گے؟ یہ تو وہ حرکت ہے جو ایجنسیاں کرتی ہیں یا جو فوج ہمارے خلاف کرتی ہے۔
- قتل خطاء کی واضح صورت یہ بنتی ہے کہ مجاہدین نے ایک سڑک پر ایک بارودی سرنگ لگائی جس سے فوج کی گاڑی کو تباہ کرنا مقصود تھا، لیکن کسی تکنیکی خرابی (مثلاً شارٹ سرکٹ ہونے) کی وجہ سے یہ بارودی سرنگ اس وقت پھٹ گئی جب ایک عوامی گاڑی وہاں سے گزر رہی تھی۔ ایسی صورت میں دیت دینا لازم ہو گا۔ اگر مجاہدین فوری ادائیگی کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو ان پہ بطور جماعت یہ ذمہ داری باقی رہے گی کہ جب بھی ان کے پاس استطاعت ہو تو وہ دیت ادا کریں، واللہ اعلم۔ ایسے واقعات مجاہدین کے درمیان پیش آئے ہیں اور جب استطاعت موجود تھی تو مجاہدین نے دیت ادا بھی کی ہے۔

- قتلِ مسلم پر ہمارے موقف کو مزید واضح کرنے کے لیے شیخ عطیۃ اللہ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان 'خونِ مسلم کی عظمت' کا اردو ترجمہ ساتھ بھیج رہا ہوں۔ اس پر ایک نگاہ ڈالنا مفید رہے گا۔
- تترس کے مسئلے پر یہاں اختصار سے چند اقوال نقل کیے ہیں، مزید تفصیل کے لیے شیخ ابو یحییٰ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "التَّتَرُّس في الجهاد المعاصر" ساتھ بھیج رہا ہوں۔ تاحال اس کا اردو ترجمہ نہیں ہوا، اس لیے عربی نسخہ ہی بھیج رہا ہوں۔

5. یہاں ایک بات مزید واضح کیے دیتا ہوں۔ آپ نے اپنے سوالات کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ جوابات قرآن و سنت کے دلائل اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مثالوں کے ذریعے واضح کروں۔ اسی مناسبت سے کچھ اصولی باتیں واضح کرتا چلوں۔ محترم بھائی جان!

- بحیثیت مسلمان ہم سب کے لیے شرعی احکامات کے چار بنیادی مصادر ہیں:
  - قرآن
  - حدیث
  - اجماع
  - قیاس
- ان چاروں کی ترتیب یہی ہے، یعنی سب سے پہلے اللہ کی کتاب، پھر نبی ﷺ کی سنت، پھر اجماع اور پھر قیاس۔ یہ چار مصادر متفق علیہ ہیں، ان کے بعد مختلف فیہ مصادر بھی ہیں، یعنی جن کو بعض فقہاء نے تسلیم کیا ہے اور بعض نے ان سے اختلاف کیا ہے۔
- اسی بات سے یہ نکتہ بھی سمجھ آتا ہے کہ عین ممکن ہے کہ بعض مسائل احادیث سے ثابت ہوں مگر قرآن میں ان کا کوئی براہِ راست ذکر نہ ہو۔ یا بعض مسائل قرآن و سنت دونوں سے صراحتاً ثابت نہ ہوں، لیکن ان پر علماء کا اجماع ہو، اور اجماع بھی بالاتفاق دلیلِ قطعی ہے اور اس سے ثابت مسائل کو تسلیم کرنا اسی طرح لازم ہے جیسے کتاب و سنت سے ثابت مسائل کو تسلیم کرنا۔ یا پھر بعد کے ادوار میں پیش آنے والا کوئی مسئلہ ان تینوں مصادر سے ثابت نہ ہو اور محض قیاس کے ذریعے ثابت ہو۔ اس لیے کسی بھی مسئلے میں یہ مطالبہ کرنا تو بالکل بجا ہے کہ اس کی شرعی دلیل بتائی جائے، لیکن شرعی دلیل کو محض کتاب و سنت کی صریح نصوص تک محدود کر دینا درست نہیں۔ مثلاً تترس کے مسئلے کو ثابت کرنے کے لیے ایک دلیل تو یہ ہے کہ امام ابن تیمیہ اور علامہ ابن رشد نے اس مسئلے پہ علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ علماء (مثلا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ) نے اسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے طائف کی بستی کے خلاف منجنیق کے استعمال پہ قیاس کیا ہے۔ منجنیق کے استعمال کا واقعہ بیشتر کتبِ حدیث (بشمول بخاری و مسلم) میں موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم پہ طائف کے کافروں کے خلاف منجنیق استعمال کی گئی۔ کفارِ طائف قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے تھے اور باہر نہیں نکل رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم پہ ان کے خلاف منجنیق استعمال کی گئی، حالانکہ قلعے کے باہر سے اندر گولے پھینکتے ہوئے یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ اندر یہ گولہ عورتوں پر گرے گا، یا بچوں پر یا بوڑھوں پر۔ پس رسول اللہ ﷺ نے بعض مخصوص حالات میں ایسے لوگوں کے قتل کی گنجائش دے دی جن کا قتل عام حالات میں حرام ہے۔ عام حالات میں کافر عورتوں، بچوں کا قتل حرام ہے، لیکن جب قلعے کو شکست دینے کی کوئی صورت نہ رہی تو نبی ﷺ نے منجنیق کی عمومی گولہ باری کی اجازت دی اور منجنیق کے گولے بستی پہ بلا تفریق گرتے رہے۔ اسی پہ قیاس کرتے ہوئے علماء نے 'تترس' کی اجازت بھی دی ہے۔ یہ اس مسئلے کی ایک دلیل ہے، اس سے زیادہ تفصیل کا یہ 'خط' متحمل نہیں ہو سکتا، ورنہ تو یہ 'کتاب' بن جائے گی۔

- نیز یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ کتاب و سنت کو مصدر ماننے کے بعد بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ آیات و احادیث کی تشریح میں کس کی بات معتبر مانی جائے گی؟ اس بات کا تعین کہ قرآن و سنت کو سمجھنے کے معاملے میں کس کا فہم، کس کی تشریح حتمی ہو گی اس لیے اہم ہے کیونکہ اس معاملے کو کھلا چھوڑ دیں تو جاوید احمد غامدی اور وحید الدین خان جیسے گمراہ لوگ بھی بظاہر قرآن و سنت سے ہی بات کر رہے ہوتے ہیں، بلکہ غلام احمد قادیانی بھی قرآن سے ہی دلائل لاتا تھا۔ یوں تو معنوی تحریف کا دروازہ چوپٹ کھل جاتا ہے۔ اسی دروازے کو بند کرنے کے لیے ہمارے نبی ﷺ ہمیں یہ تعلیم دے گئے اور قرآن کی متعدد آیات بھی یہ نکتہ واضح کر گئیں کہ قرآن و سنت کو سمجھنے میں اصل معتبر فہم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے، پھر ان کے بعد والوں (یعنی تابعین کا) اور پھر ان کے بعد والوں (یعنی تبع تابعین کا)۔ یہ تین ادوار خیر القرون ہیں، نبی ﷺ سے بالکل قریب ہیں اور حدیث کے مطابق ان کے بعد کذب (یعنی جھوٹ) پھیل گیا۔ اس لیے جس آیت اور جس حدیث کا جو مفہوم ان تین ادوار میں متفق علیہ تھا آج بھی اس سے انحراف کی اجازت نہیں۔ امت کے بیشتر معروف محدثین، مفسرین، اور فقہاء اسی خیر القرون سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کے اقوال کو ذکر کرنا کوئی معیوب امر نہیں، بلکہ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خیر القرون میں فلاں مسئلے کو یونہی سمجھا جاتا تھا۔ نیز جو مسائل خیر القرون کے بعد پیش آئے اور ان کا جواب اجتہاد کے ذریعے دیا گیا ان میں تولا محالہ ایسے علماء کے اقوال نقل کیے جائیں گے جو اگرچہ سلفِ صالحین میں سے نہ ہوں، لیکن انہی کے رستے پہ کاربند ہوں۔
- اسی لیے بھی عرض کرتا چلوں کہ درج بالا سطور میں جو اقوال ذکر کیے وہ اسی پس منظر میں تھے۔ اس سے زیادہ تفصیل میں جانا اور ہر مسئلے پہ متعلقہ آیات و احادیث و اقوالِ صحابہؓ اور اقوالِ فقہاء لانا تو کتاب تحریر کرنے ہی کے مترادف ہو گا۔
- یہ بھی عرض کروں گا کہ آپ مجھ سے 'شرعی دلیل' طلب کیجیے۔ لیکن یہ لازم نہیں کہ وہی دلیل شرعی دلیل کہلائے جس سے ثابت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے دورِ مبارک میں قتال میں ایسے کیا۔ یہ طرز اختیار کرنے سے تو روزمرہ زندگی کے ہزاروں مسائل کا جواب دینا ناممکن ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ہر ہر واقعہ بعینہ اسی صورت میں کر کے نہیں دکھایا جیسے وہ واقعات قیامت تک پیش آنے ہیں، بلکہ آپ ﷺ نے ایسی اصولی تعلیمات دے دی ہیں کہ جن کی رہنمائی میں ہم ہر قسم کے بدلتے حالات میں مختلف کاموں کا حلال یا حرام یا مکروہ یا مباح وغیرہ ہونا متعین کر سکتے ہیں۔

هذا ما عندي، والله أعلم بالصواب! اللہ سے دعا ہے کہ ان مسائل شرعیہ میں جو آراء یہاں درج کی ہیں اگر ان میں کوئی خطاء ہو گئی ہو تو اللہ تعالیٰ تجاوز فرمائیں اور اگر درست ہو تو اللہ قبول فرمائیں، آمین!

محترم بھائی جان!

خط کے آخر میں یہ عرض کرتا چلوں کہ اگر خط کے دوران کسی جگہ جوش میں آکر آپ سے کوئی گستاخی کر بیٹھا ہوں تو معاف کر دیجیے گا۔ جان بوجھ کر ایسا فعل کرنا قطعاً مقصود نہیں تھا۔ امید ہے آپ چھوٹا بھائی سمجھ کر در گزر فرمائیں گے۔

نیز ایک بار پھر خط کے جواب میں اس قدر تاخیر پہ معافی کا خواست گار ہوں گا۔ امید ہے آپ معاف فرما دیں گے۔

نیز یہ بھی امید ہے کہ آپ اپنی دعاؤں میں ضرور بالضرور یاد رکھیں گے اور کبھی موقع میسر ہوا تو ملاقات کے لیے بھی تشریف لائیں گے۔

اللہ آپ کی حفاظت فرمائے، دنیا و عقبیٰ کی بھلائیاں آپ کو نصیب فرمائے، آمین!

۞ خط کے ہمراہ ہماری جانب سے صادر ہونے والے بعض بنیادی دعوتی کتابچے ارسال کر رہا ہوں۔ امید ہے آپ کچھ وقت نکال کر مطالعہ ضرور کریں گے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پالیٹکس!

''سارے قرآن میں 'پالیٹکس' کے مفہوم میں سیاست کا لفظ نہیں۔ ہاں، میں جانتا ہوں! اس کے معنیٰ 'مکر' کے ہیں۔ انبیا علیہم الصلاۃ والتسلیمات کی سیاست احکامِ الٰہی کے نفاذ کی تدبیر ہے اور 'پالیٹکس' فرنگی مقامروں کی ایجاد ہے۔ جس کا مطلب ہی فریب دہی ہے۔ پالیٹیشنز کے وعدے پورے کرنے کے لیے نہیں بلکہ ٹالنے کے لیے کیے جاتے ہیں۔ ان بدبختوں کے دِل پر خدا کے سوا ہر شئے کا خوف غالب ہے۔ میں نے 'پالیٹکس' سے زیادہ شریر لفظ نہیں دیکھا۔ یہ خدع و فریب کے ایک ایسے اجتماعی کاروبار کا نام ہے، جس سے بابو لوگ اغراض کی دکان چمکاتے ہیں۔ اِس دور میں 'پالیٹکس' کا مطلب فتنہ خیزی، فتنہ پروری اور فتنہ انگیزی ہے۔''

(امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ)

عصرِ حاضر کا سِحر ... پہچان، حفاظت اور تعامل

استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ

یہ تحاریر بنیادی طور پر شیخ ابو قتادہ فلسطینی حفظہ اللہ کے کتابچے "درك الهدى في اتباع سبيل الفتى" (نوجوان کے نقش قدم پر حصولِ ہدایت کا سفر) کو سامنے رکھ کر مرتب کئے گئے دروس کا مجموعہ ہیں، کتابچے میں شیخ نے اصحاب الاخدود والی حدیث کی شرح کی ہے اور اس میں موجود حکمت کے ان موتیوں کو سمیٹا ہے جو دعوت و جہاد کے راہیوں کے لیے انتہائی اہم اور قیمتی ہیں۔ اللہ یہ اسباق سمجھنے اور ان پر عمل کی توفیق دے، آمین۔ (ادارہ)

دورِ حاضر کی صنعت سحر

آج کے دور میں سحر و جادو کے لیے انتہائی مؤثر جو شعبہ ہے، اس کا نام میڈیا و صحافت ہے۔ یہ شعبہ چونکہ قلوب واذہان کو دھوکہ دینے اور انہیں اپنی مرضی کے مطابق موڑنے کا انتہائی قوی ہتھیار ہے، اس لیے آج کی تمام تر باطل قوتوں کو اس کی شدید ضرورت ہے۔ بلاشبہ ہر وہ فرد یا شعبہ جو برائی کو اچھائی یا خوبصورتی کو بدصورتی دکھانے کا فن جانتا ہو، وہ چاہے اپنے لیے جتنا بھی 'مہذب' اور عصرِ حاضر کے لحاظ سے 'معزز' نام رکھے، وہ وہی ساحر ہی ہوتا ہے جو نظروں کو دھوکہ دینے میں ماہر تھے اور جنہیں زمانۂ قدیم کے بادشاہ عوام پر اپنا تسلط جمانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ چونکہ آج یہ نظامِ باطل سراسر جھوٹ، دھوکہ، دہشت اور استحصال پر قائم ہے، اس لیے ساحروں کے اس کردار کی آج پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج میڈیا کو دنیا کی تمام تر حکومتیں بہت اہمیت دیتی ہیں اور اس پر خطیر رقم خرچ کرتی ہیں۔ یہ بڑے بڑے نشریاتی دارے ویسے تو بڑے 'بے لاگ' اور 'بے باک' بنتے ہیں مگر فی الحقیقت جن طبقات کے قبضہ میں طاقت و دولت ہے یہ ادارے خود انہی کے آلۂ کار ہیں۔ یہ مقتدر طبقات اپنے مفادات کا تحفظ بھی اس میڈیا سے کراتے ہیں اور اپنی طاقت و دولت میں اضافے کے لیے بھی اسی کو استعمال کرتے ہیں۔ نظامِ باطل کے ناخداؤں کو جس قدر افواج اور ہتھیاروں کی ضرورت ہے، اسی کے بقدر عصر حاضر کے اس 'سحر و جادو' کی بھی انہیں حاجت ہے اور اس کی مدد کے بغیر ان کا یہ نظام شاید چند دن بھی نہ چل سکے۔ بلکہ صحیح تر یہ ہے کہ میڈیا کی ضرورت و اہمیت افواج و ہتھیار سے بھی زیادہ ہے، کیونکہ فوج یا کسی اور حکومتی ادارے نے اگر عوام سے متعلق کوئی اہم کام کرنا ہو تو کام تو تھوڑی یا زیادہ دیر میں ہو جاتا ہے، مگر وہ کام شروع کرنے سے پہلے بھی میڈیا کی ضرورت پڑتی ہے، کام کے دوران بھی اور بعد میں بھی۔ عوام کا ٹمپریچر اگر نارمل رکھنا ہو اور ہر اقدام کو ان کے لیے مزین دکھانا ہو، یا کسی اچھے معاملے کو انہیں غلط اور برا دکھانا ہو، تاکہ وہ آپ کی چاہت و خواہش ہی کے مطابق اس پر ردِ عمل دکھائیں، تو اس سب کے لیے ضروری ہے کہ میڈیا نامی سحر کی یہ چھڑی حرکت میں ہو، اور یہ وہ چھڑی ہے کہ جو آج بلاشبہ نظروں کو دھوکہ دینے، ذہنوں کو مسخر کرنے اور قلوب پر ناجائز قبضہ جمانے کا بہترین آلہ ہے..... گویا میڈیا کے یہ ساحر و جادوگر آج کے نظامِ باطل کی مجبوری بن گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے خود ان کی زبان میں بھی ریاست کا چوتھا ستون کہا جاتا ہے۔ اس کے بغیر گویا یہ نظامِ باطل چل نہیں سکتا۔ بلکہ صحیح تر یہ ہے کہ نظامِ باطل کا یہ ستون باقی سب ستونوں (مقننہ، عدلیہ اور حکومتی۔سیکورٹی اداروں) کو بھی تحفظ و تقویت دیتا ہے۔

سحر کا ہدف... فکر و خواہش پر غلبہ!

واقعہ یہ ہے کہ انسان کا وجود قلب و ذہن سے عبارت ہے، انسان کے اندر اس کی فکر و خواہش ہی ایسے عوامل ہیں جو اسے اٹھنے اور عمل پر مجبور کرتے ہیں۔ اگر تو اس کی فکر میں کوئی کام مفید یا ضروری ہو تو وہ اسے کرنے کے لیے اٹھتا ہے۔ اسی طرح اگر اس کا دل کسی چیز کی خواہش کرے تو وہ اسے حاصل کرنا چاہتا ہے جبکہ اگر وہ چیز اسے بری لگے تو وہ عموماً اس سے بچتا ہے۔ گویا انسان کو بٹھانے اور حرکت میں لانے والے عوامل اس کی فکر و خواہش ہیں۔ اب کسی فرد کی اس فکر و خواہش پر اگر آپ نے قابو پالیا، اس کی پسند و ناپسند بھی وہ ہو جو آپ چاہتے ہیں اور اس کے ہاں اچھا اور برا بھی وہ ٹھہرے، جو آپ ٹھہرانا چاہتے ہیں، تو ایسے میں وہ آپ ہی کا تابع رہے گا۔ پھر اس کی ذاتی زندگی میں کیا ترجیحات ہوں اور اس کی اجتماعی زندگی کا کیا ڈھب ہو یہ سب آپ ہی کے ہاتھ میں ہو گا۔ وہ کس طرزِ حیات پر فخر کرے اور کس اندازِ زندگی کو اپنے لیے باعثِ عار و نقصان سمجھے، کون اس کا دوست ہو اور کون اس کا دشمن؟ کیا امور اس کے لیے قابلِ ترجیح ہوں اور کیا کچھ اس کے ہاں غیر اہم ہوں..... ان تمام معاملات میں بس جو طبقہ اس کی فکر و خواہش کی تشکیل کرتا ہو، وہ زیادہ تر اُسی کے پیچھے چلے گا۔ حکومت و افواج اور ملکی و غیر ملکی سرمایہ دار (یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں) یہ سب چاہتے ہیں کہ عوام انہی کی مرضی کے مطابق اپنی فکر و خواہش تشکیل دیں، ایسا جب ہوتا ہے تو ان طبقوں کے مفاد پورے ہو جاتے ہیں اور ان کی قوت و دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ کام فوج و ہتھیار سے نہیں لیا جاسکتا ہے۔ لاٹھی کے ذریعہ کسی ناجائز کام کو آپ لوگوں سے جائز نہیں منوا سکتے ہیں، وہ خاموش تو ہو جائیں گے مگر دل و ذہن سے برے کو برا ہی سمجھیں گے۔ لوگ دل و ذہن سے کسی مضر کام کو مفید تب ہی کہہ سکتے ہیں جب انہیں دھوکہ دیا جائے۔ گویا کسی کے دل و دماغ کو دو صورتوں میں ہی اپنا بنایا جاسکتا ہے۔ ایک یہ کہ آپ خود واقعی حق پر ہوں، جس فکر و عمل کی طرف آپ بلائیں گے، اس میں فی الحقیقت عوام کی خیر و فلاح ہو۔ ایسے میں آپ بھی پھر ظاہر و باطن میں سچے ہوں گے اور

دوسروں کا استحصال نہیں کریں گے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو، تو پھر ظاہر ہے، ایسے میں سچ اور حق چھپانا ضروری ٹھہرتا ہے۔ جہاں تک لاٹھی اور دولت کا سوال ہے، تو ان کا اپنا کام ہے، اپنی جگہ ان کی ضرورت ہے، ان کے بغیر بھی یہ نظام نہیں چلتا مگر محض یہ کافی نہیں ہیں، ان کے باوجود بھی مستقل سوالات اٹھیں گے اور مزاحمت ہوگی۔ اس بے چینی کا خاتمہ بس صرف اُس وقت ہو سکتا ہے جب عوام بھی اپنی آنکھوں پر وہ عینکیں لگالیں کہ جن سے سب کچھ ایسا ہی نظر آئے جیسا کہ آپ انہیں دکھانا چاہتے ہیں۔ مگر وہ آپ کی یہ عینکیں کیسے اور کیونکر قبول کریں گے؟ اس کے لیے ایسے شعبے اور فن کی ضرورت پڑتی ہے، جس سے بصارت و سماعت اور دل و ذہن پر جادو کیا جا سکے، ایسا جادو کہ انہیں مقتدر طبقات کا ضعف، طاقت، ان کی بدصورتی، خوبصورتی اور ان کا رائج کردہ طرزِ حیات عین مطلوب دکھائی دے۔ یہ ہو گا تو پھر ان کی سوچ اور حرکت خاص اُن خطوط پر ہو گی جو آپ نے ان کے لیے کھینچے ہوں گے۔ یہ وہ مقصد ہے کہ جس کے لیے آج کا یہ دجالی میڈیا استعمال ہوتا ہے۔

میڈیا کا ہتھیار

میڈیا کا ہتھیار کلمہ (یعنی بول اور بات) ہے۔ شیخ ابو قتادہ کہتے ہیں: فالكلمة هي أقوى أسلحة البشر، فهي أداة الأنبياء في نشر الحقِ، و هي وسيلة الباطل في نشر مفاسده. "پس یہ کلمہ (یعنی بات یا بول) انسان کا سب سے قوی ہتھیار ہے۔ یہ انبیاء کے ہاں حق کی اشاعت و فروغ کا ذریعہ ہے اور یہی باطل کے لیے بھی اپنے فساد کے پھیلانے کا وسیلہ ہے۔" اسی طرح شیخ فرماتے ہیں کہ 'کلمہ کی یہ اہمیت ہی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا" "بے شک بعض بیان جادو میں سے ہے" پھر شیخ کہتے ہیں کہ: "فالكلمة قذيفة تدمر وتُحي" "کلمہ جیسے میزائل ہو جو تباہی بھی کرتا ہے اور زندگی بھی دیتا ہے"۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾[10] "بلکہ ہم تو حق بات کو باطل پر کھینچ مارتے ہیں، جو اس کا سر توڑ ڈالتی ہے، اور وہ ایک دم ملیامیٹ ہو جاتا ہے"۔ اگر یہ کلمہ اور بات حق ہو تو یہ باطل کو تباہ کرتا ہے اور دلوں میں اس کے سبب ایمان پیدا ہوتا ہے، اور اگر یہ باطل ہو تو دِلوں کو برباد کرتا ہے اور ان میں فساد بھرتا ہے۔ دیکھیے! جب سات آسمان اوپر سے وحی آئی تو وہ کیا تھی؟ ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾[11] "پڑھو اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے سب کچھ پیدا کیا"۔ تو وہ بھی کلمہ تھا، اس مبارک کلمہ سے جس وحیِ الٰہی کا آغاز ہوا، اس کے سبب انسان کو انسانیت و حیوانیت میں تمیز ہوئی اور اسی کی وجہ سے بنی آدم ٹھوکریں کھانے اور اندھیروں میں گم ہو جانے سے بچ گیا، دوسری طرف جب آدم علیہ السلام کو شیطان نے دھوکہ دیا، تو کیا ہتھیار استعمال کیا؟ ﴿فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَا يَبْلَى﴾[12] "لیکن شیطان نے اس کو پھسلایا، کہنے لگا: آدم! بتاؤں تمہیں وہ درخت جس سے ابدی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہوتی ہے؟"، وہ بھی یہی کلمہ، بول اور بات تھی... تو یہ ہے کلمہ اور بول کی اہمیت... اگر تو یہ کلمہ باطل کی طرف سے ہو تو چاہے ظاہری اور عارضی طور پر فائدہ دے، مگر حقیقت میں وہ اُس افیون جیسا ہے جو وقتی لذت تو دے دیتی ہے مگر انجام کے لحاظ سے وہ تباہ کن ہے۔ لہٰذا باطل کی طرف سے آئی بات تباہی لاتی ہے، دھوکہ و فریب اور گمراہی و ضلالت لاتی ہے، ایسی بات دل و دماغ میں اندھیروں کو جنم دیتی ہے اور کردار و اخلاق میں گراوٹ پیدا کرتی ہے۔ لیکن اگر یہ کلمہ حق ہو، حق کی طرف سے آتا ہو، تو یہ تعمیر، رحمت اور زندگی ساتھ لاتا ہے اور دل و دماغ کو منور کرتا ہے، اس سے بندہ اپنے مالک کو پہچان لیتا ہے اور اپنے اُس رب کے ساتھ جڑتا ہے جس نے اسے پیدا کیا، اس کو پالتا اور چلاتا ہے، اُس کو اس رب کے قریب کرتا ہے جو موت دیتا ہے اور جس کی طرف مرنے کے بعد لوٹ کر جانا ہے۔ گویا حق کی طرف سے آئی بات سے سکون و اطمینان ملتا ہے اور دلوں کی بے چینی اور زندگی کی تنگی، وسعت و سرور میں بدل جاتی ہے[13]۔ تو یہ ہے کلمہ و بات کی تاثیر! آج میڈیا کا ہتھیار بھی یہی کلمہ ہے... رپورٹیں، تجزیے، فیچر۔ یہاں ہر بات ایک پیغام رکھتی ہے اور اس بات کے ساتھ ہر منظر و تصویر ایک تاثر و تاثیر رکھتی ہے۔ جہاں آج کے میڈیا، باطل کا ہتھیار کلمہ ہے، وہاں ہمیشہ کی طرح آج بھی حق کی دعوت کا وسیلہ بھی یہی کلمہ، بیان اور مبنی بر حق بول ہے۔ کلمۂ حق اور باطل میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ منبع و ماخذ میں بھی، اسلوب اور وسائل میں بھی اور ہدف و مقصد اور انجام و مآل میں بھی... کلمۂ حق قوی ہوتا ہے جبکہ باطل کلمہ کمزور و ضعیف ہوتا ہے۔

حق بات (کلمۂ حق) اور اس کی قوت!

حق کلمہ (یا مبنی بر حق بول و بیان) وہ ہوتا ہے، جس کا ماخذ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دین ہو۔ یہ کلمہ حق اور سچ پر مبنی ہوتا ہے، اس کو بولنے والا اپنے ساتھ بھی سچا ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ حق دیکھ کر اس کا انکار نہیں کرتا ہے، بلکہ اس پر لبیک کہہ دیتا ہے، وہ خالق کے ساتھ بھی سچا اور مخلوق کے ساتھ بھی کھرا ہوتا ہے... جس فکر و عمل کی طرف وہ بلاتا ہے، سب سے پہلے وہ خود اس پر عمل کرتا ہے اور اس کے حق ہونے کی گواہی دیتا ہے۔

کلمۂ حق کی قوت کا ایک بڑا سبب اسے بلند کرنے والے کا اپنا کردار ہوتا ہے۔ وہ جس فکر و عمل کی دعوت دیتا ہے، سب سے پہلے وہ خود اس کا نمونہ ہوتا ہے اور پھر اس حد تک نمونہ، کہ نہ تنگی اور مصائب میں وہ اس پر کوئی مداہنت کرتا ہے اور نہ وسعت اور فراخی کا جب امکان نظر آرہا

---

[10] الانبیاء: ۱۸

[11] العلق: ۱

[12] طٰہٰ: ۱۲۰

[13] یہ سب تب ہوتا ہے جب انسان حق بات کے لیے دل و ذہن کے دروازے کھول دے اور کفر و عصیان پر اصرار نہ کرے، ﴿وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ﴾ "اور نہیں نصیحت حاصل کرتا مگر وہی جو رجوع کرتا ہے (اللہ کی طرف)"۔

ہو، تب وہ کسی طور پر پیچھے ہٹتا ہے، وہ ہر لحاظ سے شریعت اور حق کے ساتھ قولاً اور عملاً جڑا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ گفتار و کردار میں یکسانیت بھی اس کو ایسی قوت فراہم کرتی ہے جو اپنوں پرایوں سب کو متاثر کرتی ہے۔

پھر حق کلمہ خود اپنے اندر زندگی رکھتا ہے، یہ خود قوی ہوتا ہے اور جو اس کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھاتا ہے، یہ اس کو بھی انتہائی غیر معمولی قوت فراہم کرتا ہے۔ یہ قوت کا سبب اس لیے بنتا ہے کہ یہ انسان کے خالق و مالک کی طرف سے ہوتا ہے، وہ رب کہ انسان کے لیے اس کے غلام ہونے کا اقرار کرنا، عین سچ و حق کا اقرار ہے، وہ اُس رب کے غلام ہونے کا اقرار اور عہد کرتا ہے جو اسے پیدا کرنے والا اور اس کو جسم و جان، شعور و علم اور دنیا کی تمام نعمتیں دینے والا ہے۔ لہٰذا جب انسان اس سچ کا اقرار کرتا ہے اور اس رب کی پکار پر لبیک کہہ دیتا ہے تو اسے ایک روحانی اور ایمانی لذت ملتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: "ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا" [14] "جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا، اسلام کے دین ہونے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رسول ہونے پر اپنی رضا کا دل سے اعلان کر دیا اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا"۔ یہ ایسا مزہ اور ایسی لذت ہوتی ہے کہ جس کی خاطر دنیا کی تمام نعمتوں اور لذتوں کو قربان کرنے کے لیے وہ تیار ہو جاتا ہے۔ اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ اس حق بول پر عمل اور اس حق کے اظہار کا انجام رب کی رضا، اس کا دیدار اور اس کی دائمی جنتیں ہیں۔ یہ وہ سبب ہے کہ جو اس کو قوی بنا دیتا ہے، گوشت پوست کا یہ چند فٹ کا انسان پھر پہاڑ جتنے مصائب کا بھی مقابلہ کرتا ہے اور پوری انسانیت بھی اگر حق کی عداوت میں اس کے مقابل کھڑی ہو جائے، تو اسے پرواہ نہیں ہوتی۔ اسے اپنے رب کی نصرت کا بھروسہ ہوتا ہے ﴿وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ﴾ "اور اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کریں گے"، لہٰذا وہ جھکتا نہیں، بِکتا نہیں، باطل سے مصالحت نہیں کرتا، ہر حال میں بس وہ صبر واستقامت سے کام لیتا ہے، اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ اس کا کھڑا رہنا، خود اس کی نجات کا بھی سبب ہے اور انسانیت کو ظلم و ظلمات سے نجات دلانے میں بھی اس کا حصہ ڈلے گا، لہٰذا وہ ڈٹا ہے، کھڑا رہتا ہے اور کھڑا کھڑا جب قربان ہو جاتا ہے، تو جس طرح اپنی زندگی میں وہ ظالموں کے لیے پریشانی کا سبب ہوتا ہے، دنیا سے رخصت ہو کر بھی اس کی قوت ختم نہیں ہوتی، بلکہ اس کے کلمات زندہ رہتے ہیں اور وہ مبنی بر حق کلمات تا قیامت باطل کے خلاف لوگوں کو کھڑا کر دیتے ہیں۔

اصحابِ اخدود کے اس واقعہ میں، نوجوان کی زندگی ظالم بادشاہ کے لیے پریشانی کا سبب تھی، اس کے حق بولنے کے سبب اس کی راتوں کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔ مگر جب اس کو اس نے قتل کیا، تو کیا معاملہ حل ہو گیا؟ حق بولنے والے کے ساتھ کیا حق بھی دنیا سے رخصت ہو گیا؟ نہیں! حق کی خاطر اس کی قربانی نے پوری قوم کو جگا دیا۔ اس کی جان تو چلی گئی، مگر اس قربانی نے اس کے کلمات میں جان پیدا کر دی اور اس کی باتوں میں اس قدر طاقت و قوت پیدا ہو گئی کہ یہ سب کچھ دیکھ کر پوری کی پوری قوم مسلمان ہو گئی۔ اس کے اخلاص، عزم اور حق کی خاطر قربان ہو جانے سے لوگ حق و باطل میں تمیز کر پائے، انہیں سچ اور جھوٹ میں فرق نظر آیا...یوں حق کی دعوت دینے اور اس کی خاطر جہاد کرنے والے کے قتل سے حق کمزور نہیں بلکہ مزید قوی ہو جاتا ہے۔ سید قطب شہید رحمہ اللہ کا یہ قول کس قدر پیارا ہے، جب آپ نے فرمایا: "ہماری باتیں شمع کی لو کی مانند (ہلکی سے حرارت اور اثر رکھنے والی) ہوتی ہیں لیکن جب ہم حق موقف کے لیے مارے جاتے ہیں تو ہماری باتیں زندہ ہو جاتی ہیں، اور معاشرے میں حرارت پیدا کر دیتی ہیں"[15]... سید قطب بھی حق کی گواہی دینے کھڑے ہوئے، وقت کے فرعون نے انہیں قتل کرنا چاہا، آپ کو بے شمار ترغیبات دی گئیں، مگر آپ کو جو معنوی اور ایمانی لذت نصیب تھی، اس کا ثمرہ ہی تھا کہ آپ نے فرمایا، تم مجھے معافی، وزارت اور دنیا کی لالچ دیتے ہو؟ سن لو! جو شہادت کی انگلی میں نماز میں اللہ وحدہ لا شریک کی عظمت بیان کرنے کے لیے اٹھاتا ہوں، وہ انکار کرتی ہے کہ طاغوت کی تعریف میں ایک حرف بھی لکھے۔ یہ کلمات آپ رحمہ اللہ نے اُس وقت کہے جب سامنے پھانسی کا پھندہ تیار تھا، جلاد کھڑا تھا اور عین اُس وقت ایک حکومتی وزیر صدرِ جمہوریہ سے اس شرط پر ان کی معافی کا پیغام لے آیا کہ سید رحمہ اللہ نے جو کچھ لکھا اور کہا، جس چیز کی دعوت دی ہے، اس سے پیچھے ہٹ جائیں اور تھوڑی سی مداہنت اختیار کریں۔ اس پر سید نے یہ کھرا جواب دیا اور مسکراتے چہرے کے ساتھ پھانسی کے پھندے کی طرف بڑھے، سید شہید کیے گئے، پر کیا سید کا پیغام ختم ہو گیا؟ جس حق کے لیے آپ رحمہ اللہ نے جان دی تھی، کیا وہ بھی زمین میں دب گیا؟ کلّا! قطعاً نہیں!... آپ کی شہادت نے آپ کے کلمات میں جان ڈال دی، آپ کی کتابوں اور تفسیر قرآن کی آپؒ رحمہ اللہ کی زندگی میں اس قدر اشاعت نہیں ہوئی تھی جس قدر کہ آپ کی شہادت کے بعد ہوئی۔

یہی ہمارے پاکستان میں عبد الرشید غازیؒ کے کلمات و کردار کے ساتھ ہوا۔ آپ رحمہ اللہ نے جب قربانی دی تو کیسے حق اور باطل لوگوں پر واضح ہوا اور کیسے آپ کی قربانی سے لوگوں کو ہدایت ملی اور کتنوں پر حجت تمام ہوئی۔ یہ ہے حق کی قوت!، حق کا علمبردار جیل جائے، جلا وطن ہو جائے یا قتل ہو جائے، ہر حال میں وہ حق کی علامت اور حق کی دعوت ہی رہتا ہے اور اس کے سبب باطل کے ایوانوں میں آگ لگانے اور اللہ کے لیے قربانی دینے کی تحریض ملا کرتی ہے۔

ناحق بات (باطل کلمہ)...اور اس کی کمزوریاں!

مبنی بر باطل کلمہ (یعنی وہ بات کہ جس کا مرجع و منبع شریعت اور وحی نہ ہو، بلکہ جو شریعت کے خلاف ہو) خود اپنے اندر قوت نہیں رکھتا، وہ ضعیف اور کمزور ہوتا ہے، قوتِ تاثیر کے لیے وہ انسانی کمزوری کا استحصال کرتا ہے اور جھوٹ و فریب کا سہارا لیتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو پیدا ایسا کیا ہے کہ جب اس کی فطرت مسخ نہ ہو، تو عام حالت میں وہ باطل کے مقابلے میں حق کا چناؤ کرتا ہے۔ اس لیے باطل کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی مبنی بر ظلم

[14] صحیح مسلم

[15] ذخائز العظام۔ از شیخ عبد اللہ عزام

اصلیت ظاہر کرے اور عوام اسے قبول بھی کرے، یہی وجہ ہے کہ باطل براہ راست اپنی اصلی اور حقیقی صورت میں مخاطب پر اثر نہیں ڈال سکتا۔ وہ اپنا ہدف حاصل کرنے اور مخاطب کو گمراہ کرنے کے لیے اپنی بدصورت اصلیت پر نقاب چڑھاتا ہے اور پھر مخاطب کی کمزوریوں کو استعمال کر کے اسے دھوکہ وفریب میں مبتلا کرتا ہے۔ شیطان نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پھسلانا چاہا تو کیا اپنے اصل ارادے اور خواہش کو بھی ان کے سامنے رکھا؟ نہیں! اس نے جھوٹ اور دھوکہ سے کام لیا۔ اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں: ﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْآتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ○ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ﴾ ”پھر ہوا یہ کہ شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا، تاکہ ان کی شرم کی جگہیں جو ان سے چھپائی گئی تھیں، ایک دوسرے کے سامنے کھول دے، کہنے لگا کہ: تمہارے پروردگار نے تمہیں اس درخت سے کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ صرف اس وجہ سے روکا تھا کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ، یا تمہیں ہمیشہ کی زندگی نہ حاصل ہو جائے۔ اور اس نے قسمیں کھا کھا کر ان کو یقین دلایا کہ میں آپ دونوں کے لیے بہت ہی خیر خواہ ہوں“... یہ اصل ارادہ چھپانا، یہ جھوٹ، یہ دھوکہ... یہ سب باطل کلمے کا ضعف واضح کرتا ہے کہ وہ کس قدر کمزور ہوتا ہے۔

پھر دیکھیے کہ شیطان اور اس کے معاون، انسان نما شیاطین بھی ہمیشہ انسان کی کمزوری کو استعمال کرتے ہیں۔ آدم علیہ السلام کے معاملے میں بھی شیطان نے ان کی جنت میں ہمیشہ رہنے کی خواہش کا سہارا لیا، ان کا 'خیر خواہ' بنا اور صریح جھوٹ بول کر انہیں دھوکہ دیا۔ یہ ہے باطل کا ضعف! یہی آج کے ساحروں کا بھی طریقۂ واردات ہے، وہ سچ نہیں بول سکتے، انہیں پتہ ہوتا ہے کہ سچ بول کر اور حقائق دکھا کر پھر ان کے مفادات کبھی پورے نہیں ہوں گے، اگر انسان کو غلط راستے پر ڈالنا ہو اور اس پر ظلم کرنا ہو تو اس کے لیے ایک تو اس کی خواہشات کا استحصال کرنا ہو گا، اور دوسرا یہ کہ یہ استحصال بھی تب ہی ہو سکتا ہے جب جھوٹ و فریب سے کام لیا جائے۔ سچ یہ ہے کہ سب سے ظالم لوگ وہ ہوتے ہیں جو انسانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور انہیں اپنے خود غرضانہ مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

تہذیبِ قبیح کے یہ سوداگر اور نظامِ باطل کے یہ ظالم ناخدا صرف دھوکہ نہیں دیتے ہیں، ساتھ ہی یہ عوام کی فطرت بھی بگاڑتے ہیں، فطرت جب خراب ہو جاتی ہے تو پھر بدبو خوشبو اور باطل حق لگنے لگتا ہے، ایسے میں پھر دونوں ہاتھوں سے انسان کو لوٹا جاتا ہے اور اسے اپنے حیوانی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ آغاز دھوکہ سے، فطری خواہشات اور کمزوریوں کے استحصال سے ہوتا ہے... رزق، امن و سکون، شریکِ حیات، عزت اور گھر بار... یہ ہر انسان کی چاہتیں ہیں۔ مرد کی بھی اور خاتون کی بھی، اب دیکھیے دورِ حاضر کے یہ عفریت، یہ شیاطین، خواتین کی ان خواہشات کو بنیاد بنا کر انہیں جھانسا دیتے ہیں اور دامِ فریب میں پھنسا کر انہیں مردوں کے بیچ لا کھڑا کرتے ہیں، مردوں کی پہنچ میں اسے لا کر اس کی فطرت مسخ کر دیتے ہیں، پھر وہ اپنے زوال کو ترقی اور اپنی اسیری کو آزادی سمجھنا شروع کرتی ہیں، شوہر اور محرموں کے بیچ گھر کی ملکہ رہنے کی بجائے، وہ شمعِ محفل و انجمن ہونے پر فخر جب کرنے لگتی ہیں تو پھر یہ بے رحم شیاطین انہیں ہوس کی تسکین اور سرمایہ بٹورنے کا ایک بے جان آلہ بنا لیتے ہیں۔ خاتون کی عزتِ نفس، چین و سکون، عفت و حیا، خاندان سب کچھ برباد ہو جاتا ہے، مگر دوسری طرف اس بربادی سے ہی سرمایہ داروں کی دکان چمک جاتی ہے اور ان کے مذموم مقاصد پورے ہو جاتے ہیں۔ شریعت انسانی کمزوری اور ضروریات کے لیے محفوظ اور مفید راستہ فراہم کرتی ہے، ایسا راستہ کہ جہاں ضروریات بھی پوری ہو جاتی ہیں اور ضعف قوت و طاقت میں بدل کر انسان کو اشرف المخلوقات کی اعلیٰ منازل تک پہنچنے میں تعاون بھی فراہم کرتا ہے۔ تو یہ ہے باطل اور اس کے کلمے کی کمزوری کہ وہ سچ اور حقیقت بتا کر کبھی تاثیر نہیں ڈال سکتا۔

اسی طرح ایک اور حربہ جو باطل اپنے کلمے میں اثر ڈالنے کے لیے استعمال کرتا ہے، وہ دہشت ہے۔ چونکہ باطل کے اپنے اندر کوئی جان اور کشش نہیں ہے، اس لیے یہ نظروں کو دہشت زدہ کرتا ہے تاکہ مخاطب مرعوب ہو کر رہے اور باطل کے وضع کردہ راستوں کے سوا کسی اور آپشن کا نہ سوچے۔ ہر دور کے باطل کا یہی وطیرہ رہا ہے۔ جادوگر اور ساحر بھی دیکھنے سننے والوں کو دہشت زدہ کرتے ہیں، فرعون کے دربار میں ساحروں کے سحر کے بارے میں اللہ رب العزت فرماتا ہے: ﴿قَالَ أَلْقُوا فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ﴾[16]، ”(موسیٰ نے) کہا: تم پھینکو! چنانچہ جب انہوں نے (اپنی لاٹھیاں اور رسیاں) پھینکیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا، ان پر دہشت طاری کر دی، اور زبردست جادو کا مظاہرہ کیا“ فرماتے ہیں "سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ"۔ دھوکہ و فریب بھی دیتے ہیں اور دہشت و خوف میں بھی مبتلا کرتے ہیں۔

باطل کی پیروی کیوں؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ کیا وجہ ہے کہ باطل خود اپنے اندر کمزور ہے، وہ دھوکہ دیتا ہے، اس کا دھوکہ زیادہ عرصہ چھپتا بھی نہیں ہے، نظر آ جاتا ہے، اس کی برائیاں بھی واضح ہیں، اس کا ظلم عیاں ہے، مگر اس سب کے باوجود کیوں حق کی لذت چھوڑ کر لوگ باطل کے راستے پر چلتے ہیں؟ شیخ ابو قتادہ فرماتے ہیں کہ وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ جو ایمان کی لذت ہے وہ دراصل اس کے معانی کی لذت ہے۔ جبکہ باطل کی لذت شہوات کی لذت ہے۔ پس معانی کی لذت کی نسبت شہوات کی لذت کے پیچھے چلنے والے زیادہ ہوتے ہیں۔ افیون کا عادی جانتا ہے کہ افیون تباہ کن ہے، مگر یہ نقد لذت ہی ہے کہ جس کے سبب عزت سے محرومی و تباہی قبول کی

[16] الاعراف: ۱۱۶

جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جانوروں کی طرح موجودات پر یقین کرنے والے تو زیادہ ہیں، مگر علم غیب پر یقین رکھنے والے اور خیر و فلاح کی خاطر آج اپنے آپ کو قابو کرنے والے کم ہیں۔ اکثریت 'لا یعقلون' اور 'لا یعلمون' کی ہے۔ اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں سچ اور جھوٹ کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، جائز و ناجائز، مفید اور مضر کے زاویوں پر وہ سوچتے ہی نہیں ہیں، وہ جانوروں سے بھی بدتر ہوتے ہیں، انہیں نظر آتا ہے کہ اپنی فکر و عمل کو دین کی کھونٹی سے باندھے بغیر کتنی بڑی تباہی کا سامنا ہوگا، وہ دیکھتے ہیں کہ ناجائز لذت کتنی بڑی بے چینی اور بربادی پر منتج ہوگی مگر اس کے باوجود بھی، انہوں نے دل و ذہن کو بند کیا ہوتا ہے اور ہر وہ چیز جس میں انہیں عارضی لذت ملتی ہے، اس کی طرف لپک جاتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ ان کے ہاں حق و باطل کی پہچان کا سوال اہم نہیں ہوتا ہے، اس کی پرواہ ہی نہیں کرتے ہیں، ان کی نظر، سوچ اور کوشش بس شہوات کے گرد گھومتی ہے۔ ان کے پاس آنکھیں، کان اور دماغ تو ہوتے ہیں مگر ان نعمتوں کو یہ سوچ و فکر، خود احتسابی اور رشد و ہدایت کے لیے استعمال نہیں کرتے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ ان سب پر انہوں نے ھوائے نفس کو جو حاکم بنایا ہوتا ہے۔ اسی طرح اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ جب انسان اپنے اوپر شہوت و ہوس کو حاوی ہونے دیتا ہے تو پھر اس کی انسانیت و روحانیت دب جاتی ہے، اس کی عقل و شعور کام چھوڑ جاتی ہے، اس کا حیوانی ذوق جو چاہتا ہے (یہ دیکھے بغیر کہ ایسا کرنا حق ہے یا باطل، مفید ہے یا مضر) کوئی رکاوٹ اگر نہ ہو، تو وہ بدترین برائی بھی کر گزرتا ہے، بس اس لیے کہ اس کی شہوت چاہتی ہے۔ ایسے انسان نما حیوانوں کے بارے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ[17]﴾ "اور ہم نے جنات اور انسانوں میں سے بہت سے لوگ جہنم کے لیے پیدا کیے۔ ان کے پاس دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، ان کے پاس آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، اور ان کے پاس کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں"۔

پھر ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ چونکہ اہل باطل ظاہری موجودات کی ہی عبادت کرتے ہیں اور نفسانی خواہشات (شہوات) ہی ان کو چلاتی ہیں، اس لیے جب حق کے ساتھ ان کا ٹکراؤ ہوتا ہے، تو ان پر جانوروں کی طرح حیوانی جبلت غالب آجاتی ہے، یوں جنگ و لڑائی میں انتہائی سفاک اور ظالم یہی بے دین لوگ ہوتے ہیں، جبکہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے ہوتے ہیں، جو اپنے آپ کو ایک ضابطۂ حیات کا پابند سمجھتے ہیں اور اللہ کے سامنے جوابدہی کی جنہیں ہر وقت فکر لاحق رہتی ہے وہ کبھی ناحق خون نہیں بہاتے ہیں۔ وہ سب سے زیادہ انسانیت کے خیر خواہ اور اس پر رحم کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کی جنگوں کا آپ تناسب دیکھیں کہ انہوں نے کتنے انسانوں کو مارا ہے، اور جنہوں نے بغیر دین کے جنگیں لڑی ہیں، مغرب کو دیکھیں، انہوں نے کتنے انسانوں کو مارا ہے! کیا پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں لاکھوں لوگ نہیں مارے گئے؟ یہ لاکھوں لوگ جو مارے گئے کیا یہ اہل اسلام نے مارے ہیں؟ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کی سوچ کے ساتھ مارے گئے ہیں؟ نہیں، خوف خدا انہیں تھا اسی لیے اتنے انسانوں کو مارا گیا۔ یہ تو کفار و مستشرقین کی عادت ہے کہ جب وہ اسلام کی تاریخ پیش کرتے ہیں تو اس میں خون ہی خون دکھاتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مغرب خود اپنی تاریخ پہ شرمندہ ہے اسی لیے اس کا ذکر نہیں کرتے۔ یہ جرمنی کا ہٹلر کون تھا؟ اس نے جتنے انسانوں کو مارا کیوں مارا؟ اور پھر ایٹم بم کس نے گرایا؟ وہ کسی مسلمان نے نہیں گرایا! آج جو اپنے آپ کو تہذیب کے علمبردار کہتے ہیں، انہوں نے گرایا۔ اور کس پہ گرایا؟ ان شہریوں پہ جن کے بارے میں یہ خود کہتے ہیں کہ انہیں نہیں مارنا چاہیے! تو شیخ کہتے ہیں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آج جنگوں کا باعث آسمانی دین ہے، وہ سب سے بڑے جھوٹے ہیں۔ ان جنگوں کا سبب دراصل اللہ کے دین کو چھوڑنا ہے۔ انسانیت کا خون اگر آج ہو رہا ہے، انسانیت کا قتل عام اور استحصال اگر ہو رہا ہے تو اس کا سبب حق کو چھوڑنا ہے، شریعت کو چھوڑنا ہے، دین کو چھوڑنا ہے۔ جو لوگ آج لادینیت اور بے دینی کے شعار کو اٹھائے ہوئے ہیں یہی سب سے بڑے ظالم اور سب سے بڑے قاتل ہیں۔ مگر آج یہی لوگ اپنے جادو (میڈیا) کے ذریعے اپنے آپ کو بڑے انسان دوست اور امن پسند دکھاتے ہیں، جبکہ 'چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر' ان کی حقیقت ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

قیامِ پاکستان کے مقصد سے انحراف

"کبھی بھی سنجیدگی کے ساتھ نہ یہاں قرآن و سنت کا نظام نافذ کرنے کی کوشش کی گئی، نہ عدل و انصاف کی حکمرانی قائم ہوئی، نہ اسلامی علوم کی سرپرستی کی گئی اور نہ اسلام کو بالادستی عطا کی گئی بلکہ اس عرصے میں غیر اسلامی نظامِ تعلیم اور فرنگی معاشرت و ثقافت کے ذریعے تین نسلیں وہ تیار کی گئی ہیں جو اسلام کے متعلق یا تو شک و شبہ کا شکار ہیں یا پھر کھلم کھلا بغاوت پر آمادہ ہیں۔"

(حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان ؒ، بحوالہ: صدائے حق ص ۱۳۱)

[17] الاعراف: ۱۷۹

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

''کہو کہ: کیا وہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے سب برابر ہیں؟''

(تعلیم، حکمِ تعلیم اور نظامِ تعلیم پر بحث کرتا ایک مقالہ)

مولانا ڈاکٹر عبید الرحمٰن المرابط حفظہ اللہ

باب دوم: مغربی تعلیم کا تاریخی جائزہ

پروفیسر محمد سلیم مغربی تعلیم کا تاریخی جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہمارے معاشرے کا تعلیمی انحطاط ڈیڑھ صدی کے طویل تعلیمی عمل کا نتیجہ ہے۔ یہ نتائج منطقی طور پہ ان مقاصد سے ہی پیدا ہوئے ہیں جو اس نظام تعلیم کے معماروں کے پیش نظر تھے۔

تاریخی واقعات

1789ء انقلاب فرانس

دنیا کے نئے مقاصد

انقلابِ فرانس کے نتیجے میں جب شہنشاہیت اور کلیسا کی بساط الٹ دی گئی تو نئے مقاصد متعین ہوئے۔ [مغربی مفہوم کے مطابق] حریت [یعنی کہ آوارگی کی حد تک ہر قید و بند سے مادر پدر آزادی]، اخوت [یعنی کہ اختلافِ دین و ایمان کی بنیاد پر اخوت کے بجائے وطن اور انسانیت کی بنیاد پر اخوت]، مساوات [یعنی کہ مرد و زن کے درمیان، مومن و ملحد کے درمیان اور عالم و جاہل کے درمیان باعتبارِ جنس انسانی مساوات]۔

علوم کی ترتیب میں تبدیلی

[اسی طرح تعلیم کے میدان میں] سقراط کے زمانے سے سولہویں صدی عیسوی تک علوم کی ترجیحی ترتیب [بدل دی گئی]۔ [سابقہ ترتیب یہ تھی کہ سب سے اونچے اور اہم علوم:] عقلی علوم ہوتے تھے جن میں مذہب، اخلاق اور مابعد الطبیعیات شامل تھے۔ دوم: علومِ عمرانی جس میں طب، قانون اور سیاست شامل تھے۔ سوم: مادی علوم جس میں علوم طبیعیات تھیں۔ چہارم: صنعت و حرفت اور دستکاری۔ استعمار سے پہلے تمام ممالک میں یہی ترتیب رائج تھی۔ اس کے بعد ترتیب میں تبدیلی آئی۔ اہلِ علم کا مزاج یہ بن گیا کہ ہر اس چیز کی مخالفت کی جائے جس کی دعوت کلیسا دے یا جس کا تعلق کلیسا سے ہو۔ غالباً سب سے پہلے فریڈرک ہربارٹ (1776-1834) نے دعویٰ کیا کہ علوم صرف دو ہیں: علم انسان اور علم فطرت۔ یعنی عمرانی اور سائنسی علوم۔ اس نے دینی، اخلاقی اور عقلی علوم کی نفی کر دی۔ فرانسیسی فلسفی اگسٹ کومٹ (1798-1857) نے کہا کہ صرف محسوسات (مادیات) اس قابل ہیں کہ ان کا مطالعہ کیا جائے۔ اس نے معقولات کو بھی رد کر دیا۔ اس لیے آج سائنسی علوم کی اہمیت سب سے زیادہ ہے، پھر عمرانی، اور پھر اس کے بعد عقلی کی۔ جبکہ مذہب و اخلاق کی اہمیت ختم ہو کر رہ گئی ہے۔

نئی اقدار

جدید نظام تعلیم طلبہ کے اندر [چار] اقدار کو جنم دینے کا دعویدار ہے۔ عقلیت پسندی، آزادانہ روش، سائنسی تعلیم اور [وطن پرستی]۔

عقلیت پسندی

عقل و خرد اللہ تعالیٰ کے بہترین عطیات ہیں۔ تمام ترقی عقل کی وجہ سے ممکن ہے۔ عالم طبعی اور عالم مادی میں عقل کی حسن کارکردگی سے کسی فرد کو انکار نہیں۔ نہ یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کا نظامِ تعلیم اس پہلو سے عاری تھا۔ قدیم مدارس کی تعلیم میں ایک حصہ معقولات کے نام سے موجود ہے۔ لیکن اختلاف وہاں رونما ہوتا ہے جہاں مغربی فلسفۂ حیات عقل کو مختار مطلق کی حیثیت سے پیش کرتا ہے، اور عقل کے دائرے سے ماورا کسی حقیقت کا اثبات تسلیم نہیں کرتا۔ حالانکہ عقل کی محدودیت جدید فلسفہ کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ محدودیت کے بعد ہر جگہ عقل کی حکمرانی کا دعوی کرنا تجاوز عن الحدود ہے۔ عقل کا صحیح مقام یہ ہے کہ وہ عالم انسانیت اور عالم ماورائے طبیعیات میں وحی الٰہی کی رہنمائی قبول کرے۔

عقل بے مایہ امامت کی سزا وار نہیں
رہنما ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات

آزادانہ روش

اہلِ مغرب کی انتہا پسندی نے آزادی کو انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ اب یہ مادر پدر آزادی کے مترادف بن گئی ہے، اور یہ دن بدن زندگی کے لیے مہلک بنتی جا رہی ہے۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے اخلاقی ضابطہ اور معاشرتی قیود ضروری ہیں۔ صدیوں کے تجربات شاہد ہیں کہ حیاتِ انسانی کی کامیابی کے لیے مذہب اور اخلاق کی بندشیں ضروری بلکہ ناگزیر ہیں۔ زندگی میں اعتدال کی راہ اس وقت میسر آسکتی ہے، جب زندگی کی خواہشات کو اعلیٰ اقدارِ حیات و کائنات یعنی کہ اللہ تعالی کی رضا اور آخرت کی جواب دہی کے تحت منضبط کیا جائے۔

سائنسی تعلیم

سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کا کوئی مخالف نہیں البتہ مسئلہ وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں سائنس کو بت بنا کر اس کی پرستش کی جائے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نے غیر معمولی طاقت اور مہلک ترین اسلحے انسانوں کے ہاتھوں میں تھما دیے ہیں۔ کوئی مذہب، کوئی اخلاق، کوئی اخروی جواب دہی کا تصور اس انسان کے کردار کو منضبط کرنے کے لیے تیار نہیں۔ بڑا سوال یہ ہے کہ انسان کو یہ طاقت دینے سے پہلے ایک ذمہ دار اور جواب دہ انسان بنایا جائے۔

وطن پرستی

1802ء میں نپولین نے جرمنی کو شکست دی۔ جرمنی نے حبِ وطن اور وحدت قومی کو تعلیم کا مقصود قرار دیا۔ جس نے بڑھتے بڑھتے ہٹلر کے زمانے میں آ کر فسطائیت کی شکل اختیار کر لی۔ جاپان نے اپنا نظام تعلیم جرمنی سے اخذ کیا۔ اس لیے وہاں کے نظام تعلیم میں عظمتِ وطن کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ [جبکہ اسلام میں وطن کی محبت اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامتِ خلافت سے جڑی ہے نہ کہ خطۂ ارض یا نسل اور قوم سے۔]

انگریز سے قبل ہندوستان کا نظام تعلیم

1. ایک جامع نظام تعلیم رائج تھا۔
2. نظام تعلیم خوف خدا، آخرت میں جوابدہی، اور زندگانی عبادت کے تصور پر قائم تھا۔
3. اساتذہ اور طلبہ دینی جذبہ کے تحت تعلیم اور تعلم میں مشغول رہتے تھے۔
4. صدیوں کے تعامل سے اس نظام میں استحکام اور پختگی پیدا ہو چکی تھی۔
5. ملک بھر میں مدرسوں کا جال تھا۔ بقول میکس مولر 'اسلامی دور میں چالیس گھروں پر ایک مدرسہ موجود تھا'۔
6. خود کار تھا جس پر حکومتوں کے نشیب و فراز سے اثر نہیں پڑتا تھا۔
7. خود کفیل تھا، جہاں تعلیم مفت تھی۔
8. تعلیم عام تھی۔
9. غریب اور امیر کے درمیان تمیز اور تفریق نہ تھی۔
10. ہندوستان کے معاشرے سے مطابقت رکھتا تھا۔
11. وسیع و عریض اسلامی سلطنت کو ہر قسم کے مردانِ کار فراہم کر رہا تھا۔
12. ذہنی آبیاری، وسعتِ نظر، دقت نگاہ، حوصلہ اور شائستگی میں ہر لحاظ سے مغربی تعلیم سے بہتر تھا۔ ان باتوں کا اعتراف جنرل سیمن اور ولیم ہنٹر وغیرہ نے کیا ہے۔

1813ء مغربی نظام تعلیم کی آمد

1757ء میں پلاسی کی جنگ کے بعد بنگال میں انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی۔ [حکومت مستحکم ہوئی تو] 1813ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے حکمرانِ بنگال کو پابند کیا کہ وہ اہل ہند کی تعلیم کا انتظام کریں۔ جس کے لیے ایک لاکھ روپے کی خطیر رقم مختص کی۔ اس چارٹر کے الفاظ میں ابہام تھا جس کے تعین میں 10 سال گزر گئے۔ [لیکن اس مبہم چارٹر میں بھی] قومی مقصود سرے سے مفقود تھا۔ پھر [اسلامی نظام تعلیم کو جڑ سے کاٹنے کے لیے] 1818ء میں لارڈ ولزلی نے قوانین بازیافت نافذ کیا جس سے مدارس کے اوقاف اور معافیوں پر قبضہ کر لیا تھا، اور ان کے مالی نظام کو مختل کر دیا تھا۔ [ساتھ ہی اس کے مقابلے میں عیسائیت کی ترویج و تبلیغ کی گئی۔] انیسویں صدی کے وسط تک انجیل کی تعلیم اور مسیحیت کے اسباق کالجوں میں لازمی تھے۔ بلکہ اتنا غلبہ تھا کہ بعض انگریز بھی اس کے خلاف احتجاج کرتے تھے۔ سر فریڈرک ہولی ڈے 1853 میں لکھتا ہے: "میں سمجھتا ہوں کہ ہندو کالج (کلکتہ) میں انجیل کی تعلیم اس قدر زیادہ ہے کہ انگلستان کے کسی پبلک اسکول میں بھی اتنی نہیں ہے"۔

1823ء میں اس نظام کے تحت کلکتہ، آگرہ اور دہلی میں کالج کھولے گئے۔ اس وقت ان کالجوں میں اردو زبان ذریعہ تعلیم مقرر ہوئی۔ میڈیکل کالج کلکتہ، انجینئرنگ کالج رڑکی، میڈیکل کالج آگرہ، دہلی کالج (سائنس)، حیوانات کالج پونا۔ سب میں اردو ذریعہ تعلیم تھا۔

1924ء سقوطِ خلافت

پہلی جنگ عظیم کے بعد صلح نامہ وارسائی کی تیاری ہو رہی تھی۔ اتحادیوں کے سامنے یہ مسئلہ در پیش تھا کہ خلافتِ عثمانیہ کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ انگریزی حکومت نے مشہور مؤرخ آرنلڈ ٹائن بی سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے کہا کہ خلافت کو اس کے تمام مقبوضات سے محروم کر دیا جائے۔ بلکہ خلافت ہی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس کے دونوں مشوروں پر عمل ہوا، اور مصطفیٰ کمال نے ہزار سالہ ادارۂ خلافت کا خاتمہ کر کے لادینیت کو قوم کے سر پر مسلط کر دیا۔

1835ء لارڈ میکالے کا نیا نظام

لارڈ میکالے باعتراف خود اہل مشرق کے علوم اور فنون سے ناواقف تھا۔ اور اس کے باوجود ان کے علوم کی سخت مذمت کرتا تھا۔ اس کے بقول "یورپ کے کسی اچھے کتب خانے کی محض ایک الماری ہندوستان اور عرب کے تمام علمی ذخیرہ پر بھاری ہے"۔ [ان نظریات کے حامل

شخص] نے پرانی اسکیم ختم کی اور نیا تعلیمی خاکہ پیش کیا۔ جسے لارڈ ولیم بینٹنک گورنر جنرل ہندوستان نے نافذ کیا۔ جدید تعلیم کا سنگ بنیاد یہ تعلیم بنی۔ انگریزی دور میں اس پر عمل ہوتا رہا اور [ظاہری] آزادی حاصل کرنے کے بعد ابھی تک یہی بنیادی ڈھانچہ ہے۔ اس نظام میں بھی قومی مقصود سرے سے مفقود تھا۔ انفرادی سطح پر ایک فروتر مقصد دیا گیا کہ وہ حکومت کے یہاں کلرکی کریں اور پیٹ پالیں۔

مقاصد

میکالے کے بقول تعلیمی اسکیم کا مقصد کچھ یوں تھا: "ہمیں اس وقت بس ایک ایسا طبقہ پیدا کرنا چاہیے جو ہمارے ان کروڑوں انسانوں کے درمیان ترجمانی کے فرائض انجام دے سکے۔ جن پر ہم اس وقت حکمران ہیں۔ ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو مگر ذوق، طرزِ فکر، اخلاق اور فہم فراست کے نقطۂ نظر سے انگریز"۔

میکالے کے پیش نظر دو واضح مقاصد تھے: ایک انگریزی سلطنت کو استحکام بخشنا اور وفاداروں کا ایک طبقہ پیدا کرنا۔ دوم انگریزی حکومت کو مشینری چلانے کے لیے کلرک اور کارکن تیار کرنا۔ اور اس کے بدلہ میں ان کو نوکری فراہم کرنا۔ مسلمان نوکری اور پیٹ پالنے میں منہمک رہیں۔ کسی دوسرے کام کے لیے ان کے پاس نہ وقت ہو نہ دماغ۔ نیز خاص اہتمام کیا گیا کہ طلبہ کے اندر اعلیٰ علمی مقاصد، اخلاقی خوبیاں اور خود اعتمادی پیدا نہ ہو۔ ان کو قومی زبان اور روایات سے کاٹ دیا جائے۔ قومی تاریخ مسخ کر کے پڑھائی جائے۔ اور ہر طرف مغربی افکار کی بھرمار ہو۔ یہ نظام خوئے غلامی میں پختہ تر کرتا ہے۔ غلام کا سارا اعتماد اپنے مالک پر ہوتا ہے۔ وہ کبھی متفق نہ ہوں گے۔ ان میں صدہا اختلاف پیدا ہو جائیں گے۔

تدابیر

اس مقصد کے حصول کے لیے درجِ ذیل تدابیر اختیار کی گئیں:

1. "سرکاری تعلیم کا مقصد ہندوستان میں مغربی علوم اور سائنس کی اشاعت کرنا ہے"۔ اس دن سے ہندوستان میں اسلامی نظامِ تعلیم کی سرکاری حیثیت ختم کر دی گئی۔ اور محروم و مقہور اس نظام تعلیم کو تدریجی موت مرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ 1947 تک نصاب تاریخ میں ہندوستان، انگلستان، یورپ اور امریکہ کی تاریخ کی تو بھرمار تھی لیکن اسلامی تاریخ کا وہاں سے گزر بھی نہیں تھا۔
2. "آئندہ اس ملک کی سرکاری زبان فارسی کے بجائے انگریزی ہو گی"۔ اس طرح اہل ہند کو ہزار سالہ علمی ورثے سے محروم کر دیا گیا۔
3. "علوم و فنون کی تدریسی زبان بھی انگریزی ہو گی"۔ عمومی تعلیم کے راستے میں زبردست رکاوٹ کھڑی کر دی گئی۔
4. "طلبہ کو وظیفہ دینے کا قدیم طریقہ ختم کر دیا گیا"۔ اسلام کے نزدیک تعلیم کا حصول ایک عبادت ہے۔ جس پر کسی قسم کی فیس وصول نہیں کی جا سکتی۔ اب تعلیم کے لیے دولت اہم عامل قرار پائی۔ عمومی تعلیم میں مزید رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں۔

اثرات

اس طرح بالائی نفوذ (ڈاؤن ورڈ انفلٹریشن پالیسی) پر عمل در آمد کے لیے زمین ہموار کر لی گئی۔ لارڈ میکالے کی اسکیم کی تدابیر کے مقاصد سب سیاسی مقاصد تھے۔ کوئی علمی یا اخلاقی مقاصد پیش نظر نہیں تھے۔ قدیم تعلیم ختم کر دی گئی تاکہ زندگی میں مقصد اور غایت کے تصور سے اہلِ علم بیگانے ہو جائیں۔ مقصد کے فقدان کے بعد اخلاق اور کردار کی تشکیل نہیں ہو سکتی۔ پھر ان گمراہ بھیڑوں کو ہانکنا آسان ہو جائے گا۔ صدیوں سے قائم اور پورے ملک میں رائج نظام تعلیم ختم کرنے سے لاکھوں انسانوں کی روزی بیک جنبش ختم کر دی گئی، اور دینی مدارس برائے نام سرکاری سرپرستی سے بھی محروم ہو گئے۔ مغربی نظامِ تعلیم نے تعلیم کا مفہوم نوکری دلانا اور روزی کمانا متعین کر دیا ہے۔ ڈیڑھ سو سال سے عملاً نوکری انگریزی پڑھنے کے بعد ملی۔ کروڑوں آدمیوں نے اس کا تجربہ کیا۔ اس لیے غالب اکثریت نے تعلیم کا یہی مفہوم قبول کر لیا ہے۔ یہ نقوش اتنے جم گئے کہ آزادی حاصل کرنے کے ربع صدی بعد بھی عوام اور خواص اسی نہج پر سوچتے ہیں۔ تاریخ میں شاید کسی فاتح نے کسی مہذب اور متمدن قوم کی تعلیم کا مقصد اتنا حقیر مقرر کیا ہو۔ اس سے تو یہ بہتر تھا کہ انگلستان میں رائج تعلیمی مقصد ہی یہاں رائج کر دیا جاتا[1]۔ کہاں تعلیم کا سابق تصور کہ مسلمان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ خدا کی مرضی معلوم کرنے کے لیے تعلیم ضروری ہے، تاکہ خدا کی خوشنودی حاصل کر سکے۔ تعلیم کا تعلق فلاح دنیا اور نجات عقبیٰ سے ہے۔ اس لیے تعلیم کو عبادت کا درجہ حاصل تھا۔ کہاں یہ جدید تعلیم کا تصور۔ جب علم حصول ملازمت کا ذریعہ رہ گیا تو بذات خود مقصود نہ رہا۔ ڈپٹی نذیر احمد کہتے ہیں: "جب دیکھا کہ لوگوں کو علم کا مطلق شوق نہیں۔ اور یہ جو کچھ چرچا دیکھتے ہو۔ نری دھوکے کی

---

[1] ۔ لیکن حقیقت میں وہاں رائج عمومی مقصد بھی یہی ہے۔ لیکن خصوصی افراد کے لیے خصوصی تعلیم ہے۔ وہ افراد جنھوں نے حکومت کرنی ہے۔ المرابط

ٹی ہے۔ آج سرکار نوکری سے امتحان کی قید اٹھادے۔ پھر دیکھیے کہ کالجوں اور اسکولوں کی کیسی بری گت ہوتی ہے۔ اپنا تجربہ یہ ہے کہ معاش کا انحصار نہ ہو تو لوگ علم کے نام سے ٹکڑا بھی نہ توڑیں"۔

ان اقدامات کے خلاف مسلمانوں نے بہت احتجاج کیا۔ مختلف طریقوں سے اپنی ناراضی کا اظہار کیا مگر حکومت نے سب کو نظرانداز کر دیا۔

1844ء دنیاوی تعلیم پر بھی قدغن

لارڈ ہارڈنگ نے اعلان کیا کہ آئندہ ملازمتیں صرف ان لوگوں کو ملیں گی جو انگریزی زبان جانتے ہوں گے۔ جس سے قدیم تعلیم یافتہ افراد پر ملازمت کے دروازے بند کر دیے گئے۔ ہندوستان کے علما، امرا اور اصحاب اختیار جاہل اور نا اہل قرار پائے۔ روزی کے دروازے کروڑوں مسلمانوں پر یکلخت بند کر دیے گئے۔ بقول ولیم ہنٹر کے "مسلمانوں کی حالت اب یہ ہو گئی ہے کہ امرا اور نوابوں کے لڑکے لکڑی کاٹنے اور پانی بھرنے پر مجبور ہیں"۔ ان کے پیمانے پر پورے ملک میں درسگاہوں کی تعداد اب انگلیوں پر گنی جانے لگی جس سے تعلیم اور محدود ہو گئی۔

[جبکہ صنعت و حرفت کی تعلیم یکسر موقوف رہی اور] 1920ء میں قائم ہونے والی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی پہلی درسگاہ تھی جس میں صنعت و حرفت کو واقعی اہمیت دی گئی۔ اس سے پہلے اہل ہندبرطانیہ کے کارخانوں کے محتاج تھے۔

1857ء جنگ آزادی کے بعد

مسلمانوں کا ضمیر اس وقت زندہ تھا۔ ان تمام حرکات کے غیر تعلیمی محرکات کو وہ اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ خودکشی کیسے کر سکتے تھے۔ وہ بے دینی کی اتنی بڑی خوراک کیسے نگل سکتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے اس نظام تعلیم سے اور ان درسگاہوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اس لیے 1857 کے بعد انگریزی پالیسی میں تبدیلی آئی۔ کچلنے کے بجائے اب سر پر ہاتھ پھیرنے کی پالیسی اختیار کی گئی۔ جب مسلمان مجبور ہو کر جدید تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ ہوئے تو اس تحفظ کے ساتھ کہ اس کے بدنتائج قبول نہ کریں گے۔

دینی تعلیم میں ترمیم

حکمرانوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ مسیحیت کی تعلیم کو مشنری درسگاہوں تک محدود کر دیا جائے۔ 1871ء میں مسلمانوں کا اعتراض رفع کرنے کے لیے نصاب تعلیم میں دینیات کے نام سے ایک گھنٹے کا اضافہ کر دیا گیا۔ لیکن اس گھنٹے کو حقیقی اہمیت کبھی بھی نہیں دی گئی۔ کبھی فاضل استاذ کو دینیات کا استاذ مقرر نہیں کیا۔ عام طور پہ تفریح یا مذاق کا گھنٹہ ہوتا تھا۔ کمیت یا کیفیت کے اعتبار سے مذہب کا اضافہ ہرگز مساویانہ درجہ کا نہیں تھا۔ بقول اکبر الہ آبادی

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے
مگر یونہی کہ گویا آبِ زم زم مے میں داخل ہے

حکومت اس تدبیر سے مسلمانوں کو مغربی مدارس میں لانے میں کامیاب ہو گئی۔ ان کا مذہبی تعلیم کا مطالبہ منظور ہو گیا۔ ان کی اشک شوئی ہو گئی۔

مشرقی زبانوں کی تعلیم

عربی اور فارسی میں مسلمانوں کا بارہ سو سالہ علمی سرمایہ اور ورثہ محفوظ ہے۔ مذہب نہ سہی ادبی کتابوں سے ہی دینی ذہنیت اور اخلاقی قدریں طلبہ کے ذہنوں میں نفوذ کر سکتی تھیں۔ اس لیے اس تعلیم کے معماروں نے ان زبانوں کی تعلیم کو نصاب سے خارج کر دیا۔ اس سے قوم ایک طرف ماضی کے ورثے سے محروم ہو گئی۔ دوسری طرف برادر اسلامی ملکوں سے صدیوں کے تعلقات منقطع ہو گئے۔ اس درجہ بیگانگی بڑھی کہ اپنے نام کے ساتھ سبزواری، گیلانی اور بخاری لکھنے والوں کو ان شہروں کی صحیح جائے وقوع کا علم ہی نہیں۔

1871ء کے بعد عربی فارسی کی تعلیم کی بھی مدارس میں اجازت مل گئی۔ مگر چند احتیاطوں کے ساتھ: ۱۔ عربی فارسی کے نصاب کو ممکنہ حد تک لادینی (سیکولر) بنا دیا گیا۔ ۲۔ صرف و نحو کی بنیادیں اس قدر کمزور رکھی گئیں کہ زبان کے صحیح فہم کا پیدا ہونا اس نصاب سے تقریباً ناممکن ہے۔ ۳۔ ان زبانوں کے پڑھنے اور لکھنے کے لیے ذریعۂ تعلیم انگریزی ہی رکھا گیا۔ جیسے کوئی لاطینی یا یونانی پڑھ رہا ہو۔ جس کے نتیجے میں انگریزی درسگاہوں سے شاید ہی عربی فارسی کا فاضل پیدا ہوا ہو۔ جو ہوئے وہ گھریلو تعلیم کی وجہ سے ہوئے۔

1857ء سے قبل تک اعلیٰ درس گاہوں میں زبان اردو تھی لیکن 1857ء کے بعد [اردو پر] نزلہ گرا اور ایسی تمام درسگاہیں بند کر دی گئیں۔ 1887ء میں ایجوکیشن کمیشن کی سفارش کے بعد پرائمری میں اردو زبان کے استعمال کی اجازت ملی۔ اور 1930ء میں میٹرک آرٹس کے مضامین کو اردو میں پڑھانے کی اجازت ملی۔ 1944ء تک بی اے میں اردو انگریزی کا تیسرا حصہ شمار ہوتا تھا۔ کل 200 نمبروں کے پرچے میں انگریزی 150 اور اردو 50 نمبروں کے۔ جداگانہ وجود نہ تھا۔ اس سے اردو زبان کے ماہر بہت کم پیدا ہوئے۔ جب کہ 1947ء تک انٹرمیڈیٹ بی اے اور ایم اے کے تمام مضامین کے لیے ذریعۂ تعلیم انگریزی زبان ہی تھی۔ یہ روش پاکستان بننے کے بعد تبدیل ہوئی۔ لیکن آج بھی لوگ انگریزی بطور مضمون اور انگریزی بطور طریقۂ تعلیم میں فرق نہیں کر سکتے۔

تعلیمی ادارہ کا انتظام

1880ء تک اسکول کا ہیڈ ماسٹر انگریز ہوتا تھا خواہ اسکول پرائیوٹ ہو۔

1875ء علی گڑھ

1875ء میں دار العلوم علی گڑھ اور دوسرے اسلامیہ کالج اور اسلامیہ اسکول کھلتے چلے گئے۔ اب مسلمان خود مغربی تعلیم میں پیش قدمی کرنے لگے۔ ان اسلامیہ کالجوں نے مسلمانوں میں ایک نئی ذہنیت کو جنم دیا۔ وہ یہ کہ اسلام کی حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا ہوئے بغیر محض زبانی اور جذباتی وابستگی اسلام کے لیے کافی سمجھ لی گئی۔ مسلم معاشرہ کی خدمات ہی اسلام کی حقیقی خدمات قرار پائیں۔ جدید تعلیم یافتہ اصحاب میں یہ ذہنیت اتنی مستحکم ہو گئی ہے کہ آج پاکستان میں آزادی کے بعد بھی یہی ذہنیت کار فرما ہے۔ پاکستان میں اسلامی معاشرہ کے قیام کی راہ میں یہی ذہنیت سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

1947ء نام نہاد آزادی

آزاد ہو جانے کے بعد پاکستان کے نظام تعلیم کا بنیادی ڈھانچہ وہی چلا آ رہا ہے۔ ہمارا موجودہ نظام برطانوی دورِ استعمار کی پیداوار ہے۔ جس میں کوئی مقصد متعین نہیں ہے۔ اس وجہ سے پاکستانی قوم بے مقصدیت کا شکار ہے۔ جس کا نتیجہ بے راہ روی کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ طبعی دنیا میں نتائج فوری طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ سنکھیا کھایا گیا تو مر گیا۔ مگر عمرانی اور معاشرتی دنیا میں نتائج کا ظہور دیر سے ہوتا ہے۔ نباتاتی دنیا میں بھی جب پودا بویا جاتا ہے کسی التفات کا مستحق نہیں ہوتا۔ لیکن جب پھل دینے لگے تب ہر شخص اس کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ مغربی تعلیم کے زیرِ اثر چوتھی نسل اب پاکستان میں آکر بلوغ کو پہنچی ہے۔ اور اثرات بد تمیزی سے ظاہر ہو گئے ہیں۔ یہ استعمار کے اغراض پورا کرنے کے لیے وضع کیا گیا تھا۔ اس کو تو اولین فرصت میں بدل ڈالنا چاہیے۔

انیسویں صدی کے آغاز میں مولوی عبد الرحیم بن مصاحب علی گورکھپور کا رہنے والا تھا۔ ابتدائی تعلیم شاہ عبد العزیز محدث دہلی سے حاصل کی تھی۔ پھر کلکتہ میں سکونت اختیار کر لی۔ انگریزی سیکھ لی۔ ان کی صحبت اختیار کی۔ اسی کے اثر سے وہ منکر اسلام اور دہریہ بن گیا۔ انگریزوں کے آخری عہد میں تو ملاحدہ اور اسلام کے باغیوں کی ایک کھیپ تیار ہو چکی تھی۔ اور وہ اپنے ملک کے لیے بڑے سر گرم تھے۔ کنور محمد اشرف الوری آل انڈیا کمیونسٹ پارٹی کا جنرل سیکرٹری تھا۔ کانگریس کی چلائی ہوئی تحریک رابطہ عوام کا سربراہ تھا۔ تاریخ میں [پی ایچ ڈی] ڈاکٹر تھا۔ دہریہ تھا۔ ایک ہندو عورت سے شادی کر لی تھی۔

نومبر 1947ء میں پہلی تعلیمی کانفرنس نے بالاتفاق ملک کے لیے اسلامی نظام تعلیم کو قبول کر لیا تھا۔ کئی تعلیمی کمیشن بیٹھے۔ مگر تعلیم سے نوکری کا تلازمہ جو اول روز قائم ہو گیا تھا وہ آج تک قائم ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے معنی نوکری حاصل کرنا ہے۔ یہ نظام ہر قسم کی اقدار حیات سے عاری ہے۔ یہاں کا تعلیم یافتہ طبقہ قوم اور ملک کا وفادار نہیں۔ کل تک یہ برطانوی استعمار کا آلۂ کار تھا۔ آج یہ روسی، امریکی اور ہندوستانی لابی کے لیے سرگرمِ عمل ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ امتحان پاس کرے۔ ڈگری مل جائے اور نوکری حاصل کرے۔

انگریزوں اور ہندوؤں کے اثرات بد سے مسلمان معاشرہ کو محفوظ رکھنے کے لیے منبر و محراب ایک دن بھی خاموش نہ رہے۔ علما و فضلا اسلام مخالف نئی چیزوں کو بدعت قرار دے کر معاشرہ کا تشخص برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ انگریزی بال، فیشن، تصویر کھنچوانا [غرض] ہر شے کی انہوں نے مخالفت کی۔ بعض لوگ ان کو تنگ نظر قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ ان بزرگوں کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان کا معاشرہ بڑی حد تک اپنا تشخص قائم رکھ سکا۔ جب ہم ترکی، ایران، اور مصر کے مسلمانوں معاشرہ دیکھتے ہیں تو اپنے علما کی دور بینی کی قدر کرنا پڑتی ہے۔

تاریخ میں قوموں نے بارہا غیر قوموں کی شاگردی کی ہے۔ لیکن غلامی اختیار نہیں کی۔ 1860ء تک جاپان میں غیر ملکیوں کا داخلہ بند تھا۔ پھر انہوں نے فرنگیوں کو اپنے ملک میں داخل ہونے کی اجازت دی اور ان سے علوم کی تحصیل کی۔ پچاس سال نہیں گزرے تھے کہ انہوں نے مغرب کی ایک بڑی طاقت زار روس کو ولاڈی واسٹک کی جنگ میں 1904ء میں شکست دی۔ ان کے بر خلاف ہم نے غلامی اور نقالی کی۔

مغربی نظام تعلیم کی تدابیر

پروفیسر محمد سلیم صاحب مغربی نظریات کے فروغ کے لیے نظام تعلیم کی تدابیر کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مغربی تہذیب کا فروغ

اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے مفکرین بار بار ذکر کرتے ہیں کہ سفید فام اقوام کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہےWhite man's burden کہ وہ دنیا کی رنگ دار اقوام کو مہذب اور متمدن بنائیں اور اعلیٰ ترین ثقافت سے آراستہ کریں۔ [اب تک ان کا یہی دعوی ہے]۔ اس کی خاطر انہوں نے محنت اور مشقت برداشت کی اور نئے نئے ممالک فتح کیے اور دنیا کی اقوام پر قبضہ کیا۔ اہل مغرب فنِ نفاق اور فنِ خود فریبی میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے ہیں۔ خود فریبی سے مخمور ہونے اور ہوش و خرد سے عاری ہو جانے کے بعد کوئی شخص اپنے افعالِ قبیحہ کی جو چاہے توجیہ پیش کر سکتا ہے۔ یہ مقصد اہلِ مغرب کے نزدیک مذہب جیسا تقدس اختیار کر چکا تھا۔ اس اہم فریضے کے لیے پاپائے مقدس کی دعائیں شاملِ حال تھیں اور کلیسائے مقدس کا پورا تعاون

حاصل تھا۔ ان کے ذہن میں مہذب اور متمدن بنانے کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ وہ مسیحیت قبول کر لیں جو ان کے نزدیک تہذیب کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ اگر کسی وجہ سے یہ درجہ حاصل نہ ہو سکے تو پھر مغربی رنگ میں رنگ جائیں اور مغربی ذہنیت کو قبول کر لیں۔ یہ مقصد نظامِ تعلیم ہی سے حاصل کیا گیا۔

انگریزی تہذیب

ان درسگاہوں میں انگریزی تاریخ، معاشرت، اخلاق کا بڑا دلفریب نقشہ طالب علموں کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ انگریزی کے علاوہ کسی اور زبان میں گفتگو کرنا منع تھی۔ دیسی وضع قطع اور طور طریقے ممنوع تھے۔ طالب علم زندگی بھر اس تصور کو امر واقعی بنانے کی دھن میں لگا رہتا تھا۔ خاص کر حصولِ جاہ و مال کا یہی واحد طریقہ تھا۔ جو لڑکے فرنگیت کا جامہ اختیار کرنے میں جلدی کرتے ان کی ہمت افزائی کی جاتی۔ جو سخت جان قدیم معاشرت کا قائل وہاں پہنچ جاتا اس پر "ملا" کی پھبتی کسی جاتی، اور اسے نکو بنا دیا جاتا۔ مزید تعلیم کے لیے آسودہ حال گھرانوں کے یا ہونہار و ذہین بچے انگلستان بھیجے جاتے۔ جہاں وہ مغرب کی ہر چیز کو حسرت و یاس سے دیکھتے۔ وہاں سے واپس آکر جنت سے نکالے ہوئے انسان کی طرح وہاں کے حالات کا ذکرِ خیر ان کے وردِ زبان رہتا تھا۔ بعض ایسے افرنگ زدہ ہو جاتے کہ ان کے کپڑے دھلنے کے لیے ہندوستان سے انگلستان جایا کرتے۔ بعض لوگ اپنے ناموں کا تلفظ انگریزی طرز پر کرتے تھے۔ جمیل کو جیم یل۔ غنی کو گینے۔ خان کو کہان۔ یہ ہندوستانی کو غیر ہندوستانی اور مسلمان کو غیر مسلمان بنانے کا پر فریب طریقہ تھا۔ جو لوگ اس فریب میں پھنس جاتے وہ اپنے عقائد، تہذیب، تمدن، آداب سے بے تعلق ہو جاتے۔ دل سے فرنگیت کے مومن بن جاتے۔ اس طرح انگریز نے حد درجہ مرعوب اور غلام ذہن کا ایک طبقہ پیدا کیا۔ جو انگریز کا دست و بازو بن کر ہر جائز و ناجائز کام کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ اکبر الہ آبادی کے بقول؎

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

انگریزی بطور مضمون

[استعماری دور میں] اتنی شدت برتی گئی کہ پرائمری درجات کے بعد علوم و فنون کی تمام تعلیم انگریزی میں تھی۔ بعض پرائمری مدارس [سکول] بھی ایسے تھے جن کی زبان اول سے ہی انگریزی تھی، اور ان کا معاشرے میں بہت اعلیٰ مقام تھا۔ آج تک ایسے مشنری پرائمری اسکول اور کنڈر گارٹن، نرسری (باغِ اطفال) کا بڑا وقار ہے، اور امیر گھرانوں کی اولاد یہیں جاتے ہیں۔

بطور مضمون انگریزی کی تعلیم پر سب سے زیادہ زور تھا۔ تیسرے درجے سے لے کر بی اے تک انگریزی لازمی تھی۔ روزانہ دو گھنٹے دیے جاتے۔ باقی تمام مضامین کو ایک گھنٹہ۔ انگریزی کے استاذ کی سب سے زیادہ قدر ہوتی۔ تاریخ کے بعد ادب کسی قوم کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جس سے انگریزی طرز معاشرت رائج ہوا۔

اقتصادی مقاصد

مزید یہ کہ انگریزی تعلیم برطانوی تجارت کے لیے منڈیاں مہیا کرتی ہے۔ 1969ء میں برٹش کونسل نے انگریزی زبان سے متعلق اپنی رپورٹ میں لکھا: "انگریزی زبان کے عالمگیر استعمال نے ساری دنیا کے دروازے ہمارے (سیلز مین) پر کھول دیے ہیں۔ اس لیے ہم آسانی سے سیاسی تجارتی اور ثقافتی فوائد حاصل کر لیتے ہیں۔ در حقیقت ہر انگریزی کے استاد میں، ہر انگریزی کتاب میں، ہر انگریزی میگزین میں، ہر فلم پکچر میں، ہر ٹی وی پروگرام میں (جو غیر ملکوں میں روانہ کرتے ہیں) ایک سیلز مین کا عنصر مخفی ہوتا ہے۔ زبان کسی حال میں بھی غیر جانبدار نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ وہ زبان بولتے ہیں وہ ضرور اس کے ثقافتی رجحانات اور انداز فکر سے متاثر ہو جاتے ہیں"۔

مذہب اور اخلاق کی کج تعلیم

مذہب

مذہب خاص کر اسلام انسان کو شعورِ نفس دیتا ہے۔ خودداری بخشتا ہے۔ رفعت اور بلندی عطا کرتا ہے۔ آخرت کی جوابدہی کا یقین زندگی کو ایک ضابطہ میں کس دیتا ہے۔ مقصدِ حیات متعین کرتا ہے۔ صلاحیتوں کو ایک خاص نہج پر پروان چڑھاتا ہے۔ اتنی زبردست انسانیت ساز قوت کی موجودگی میں ذلیل مقاصد کا حصول سخت دشوار بن جاتا ہے۔ اس لیے اس تعلیم کے معماروں نے نصاب سے اسلامی مذہبی تعلیم کو بالکل خارج کر دیا۔ ساری تعلیم کو لادینی رنگ میں رنگ دیا۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ تعلیمی روایات کو دفن کر دیا۔ آغاز میں مسیحیت کی ترغیب کے لیے نئے نئے طریقے اختیار کیے بعد میں ان کو بھی ختم کر دیا۔

اخلاق

اسلام کے نزدیک تعلیم کا مقصود اخلاقی تربیت کرنا ہے۔ اخلاق اسلامی تعلیم کا لازمی حصہ رہے ہیں۔ وہاں تعلیم کا آغاز کریما، نام حق، اور پند نامہ سے ہوتا ہے۔ جبکہ جدید تعلیم کے نصاب میں اخلاقی تعلیم کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ اخلاق مذہب کی بنیادوں پر تعمیر ہوتا ہے۔ جب مذہب نہیں تو اخلاق کہاں سے۔ مغربی تعلیم میں بچہ، کتے اور بلی سے تعلیم کا آغاز کرتا ہے۔ برخلاف اس کے بے حیائی اور بد اخلاقی کے کتنے ہی قصے وہ پڑھتا رہتا ہے۔ اس نصاب کو پڑھ کر بے

ادب، اخلاق سے عاری، اور آخرت کی جواب دہی سے بے خوف، خود غرض اور بے حیا افراد ہی پیدا ہوں گے۔

تمام علوم کے مغربی تصورات

تاریخ

قومی شعور اور امنگوں کو زندہ رکھنے میں تاریخ بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ انگریزوں نے مسلمانوں کی تاریخ پر خاص توجہ صرف کی اور اسے اس نہج پر مرتب کیا کہ قومی شعور کو تقویت ملنے کی بجائے طلبہ احساس کمتری میں مبتلا ہو جائیں۔ اس ترتیب کے دو مقاصد تھے۔ مسلمانوں کی تاریخ کو ایسا تاریک اور بھیانک بنا کر پیش کیا جائے کہ فخر کی بجائے اس سے نفرت پیدا ہو۔ دوم غیر مسلموں کو باور کرا دیا جائے کہ مسلمان حکمرانوں نے تمہارے اسلاف پر مظالم کیے۔ اس سے ان کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا جائے۔

الیٹ اور ڈوسن نے قدیم فارسی تاریخوں کو سامنے رکھ کر آٹھ جلدوں میں ہندوستان کی تاریخ پر کافی مواد جمع کیا۔ اس کا نام "ہندوستان کی تاریخ اس کے مورخوں کی زبانی" رکھا، History of India as told by its Historians۔ یہ تاریخ اس طرح مرتب کی گئی جیسے کوئی چالاک وکیل اپنا کیس مرتب کرتا ہے۔ مسلمانوں کی خودی کو مجروح کرنے اور ہندوؤں کو شیر بنانے میں اس تاریخ نویسی نے اہم خدمات انجام دی ہیں۔ سرکار وغیرہ نے اسی نقطۂ نظر کو اپناتے ہوئے مزید کتب تصنیف کیں۔

معاشیات

یہ علم قدم بقدم اسلام کے معاشی احکام سے ٹکراتا ہے۔ اسلام میں سود، قمار اور احتکار [ناجائز ذخیرہ اندوزی] حرام ہیں۔ جدید علم میں وہ معاشی نظام میں ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ اساسی تصورات میں بہت بڑا فرق ہے۔ جدید معاشیات میں انسان ایک معاشی جانور ہے۔ اصل قابل قدر شے دولت ہے۔ دولت حاصل کرنے میں حلال، حرام اور اخلاق کا کوئی کام نہیں۔

سیاسیات

علمِ سیاست میں پڑھایا جاتا ہے کہ ریاست مقتدرِ اعلیٰ ہے۔ وہ ہر قسم کے قانون بنا سکتی ہے۔ وہ مذہب، اخلاق اور انسان کی ہر شے پر حکمران مطلق ہے۔ وہ ہر قسم کی قیود اور پابندیوں سے آزاد ہے۔ جبکہ عملاً ریاست کے چلانے والے اور ان غیر معمولی اختیارات کے استعمال کرنے والے چند انسان ہوتے ہیں۔ یہ تصورات اسلامی تصورات کے عین ضد ہیں۔ انسان کے اختیارات محدود ہیں وہ صرف قانونِ الٰہی کی توضیح اور تشریح کر سکتے ہیں۔ رب الناس، ملک الناس اور الہ الناس صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

سائنس

علومِ سائنس میں پڑھایا جاتا ہے کہ کائنات ایک مشین کی مانند ہے۔ خود بخود بنی اور خود ہی چل رہی ہے۔ کسی صانع، خالق اور مدبر کا وجود نہیں ہے۔ سب کچھ فطرت کی قوتیں ہیں جو کہ اندھی بہری اور گونگی ہیں۔ یہ تمام تصورات اسلام کے عقائد سے ٹکراتے ہیں۔

صنعت و حرفت

صنعت و حرفت (ٹیکنالوجی) کی تعلیم کے لیے جدید اسکیم میں کوئی گنجائش نہیں تھی۔ انہیں کلرکوں کا ایک طبقہ پیدا کرنا تھا۔ جبکہ صنعت و حرفت سے آدمی اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اسی لیے خلافت کی تحریک کے دوران عوامی احتجاج میں صنعت و حرفت میں اہل ہند کی محتاجی سب سے زیادہ موضوع بحث بنی تھی۔

مدارس کی تفریق

تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ قومی وحدت پیدا کرنے میں تعلیم بہت طاقتور مؤثر ہے۔ مگر انگریز نے کوشش کی اس سے الٹا کام لے۔ بالفعل ملک میں مختلف قسم کے سکول اور کالج قائم ہیں: ۱. مشنری ہائی سکول ۲. پبلک ہائی سکول ۳. گورنمنٹ ہائی سکول ۴. اسلامیہ ہائی سکول ۵. اقامتی اور غیر اقامتی۔ آزادی کے بعد اس سلسلے میں مزید اضافہ ہوا ہے کمی نہیں آئی۔

تصادم

پروفیسر محمد سلیم صاحب اس تعلیم کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تصادم کے بارے میں لکھتے ہیں:

تصادم کا نتیجہ

جو شخص بھی اس نظام تعلیم، نصاب تدریس، اور اقدار پر غور کرے گا اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اس تعلیم کا اسلامی تعلیمات کے ساتھ تصادم لازمی ہے۔ غرض یہ کہ مختلف علوم کے تصورات اسلامی عقائد، اخلاق اور احکام سے قدم قدم پر متصادم تھے۔ 15 سالہ طالب علم جو اس نصاب کے تحت تعلیم حاصل کرے گا وہ خالی الذہن نہیں رہ سکتا۔ طالب علم مختلف مضامین میں مخالفِ اسلام تصورات پڑھتا اور دینیات کے ایک گھنٹے میں موٹی موٹی اسلامی تعلیمات کا درس لیتا۔ اس سے تضاد پیدا ہوتا۔ اس کا ذہن کشمکش کی آماجگاہ بن جاتا۔ اس کے دل و دماغ میں کشمکش برپا رہتی اور تصورات کی جنگ جاری رہتی۔ وہ یکسوئی اور اقدام سے محروم رہتا۔ یہ تصادم افکار ہر مسلمان طالب علم کا مقدر بن چکا ہے۔ خود طالب علم اس تضاد کو دور

کرنے یا مفاہمت یا تنقید کرنے کا اہل نہ تھا۔ اس تضاد اور اختلاف کو رفع کرنا غریب طالب علم تو کجا استادوں کے بس کا بھی کام نہیں ہے۔ اس طرح طالب علم ضرور اسلام کے خلاف ہو جاتا۔

طلبہ کی اقسام

خیال اگر شخصی نوعیت کا ہو تو فرد کو زیادہ مزاحمت نہیں کرنا پڑتی۔ لیکن اجتماعی نوعیت کا ہو تو معاشرہ میں رائج تصورات سے ٹکراؤ ضروری ہے، اور اس پر عمل پیرا ہونا کافی دشوار ہے۔ ایک مدت تک کشمکش جاری رہتی ہے۔ پھر ایک فریق کو مسلسل تقویت ملتے رہنے سے وہ طاقتور ہو جاتا ہے۔ اور اپنے پسندیدہ تصور پر عمل شروع کر دیتا ہے۔ اس صورت حال کے سامنے مسلمان طلبہ کے چار گروہ ابھرے:

1. ابتدا میں غالب اکثریت ان طلبہ کی تھی جنھوں نے مغربی افکار کو پڑھا ضرور لیکن وہ اسلامی عقائد اور دینی اقدار سے وابستہ رہے۔ ان کی خاندانی تربیت اور اسلامی اقدار نے مغربی افکار کے حملہ کو غیر مؤثر بنا دیا۔
2. ایک گروہ ایسا بھی تھا جنھوں نے مغربی افکار کو دل و جان سے قبول کر لیا۔ جہاں اظہار کا موقع ملا وہاں دلی خیالات ظاہر کر دیے۔ ورنہ خاموش رہے۔ عمل کا موقع ملا تو عمل بھی کر ڈالا۔ اسلامی معاشرہ کی گرفت جس قدر ڈھیلی پڑتی گئی یہ گروہ طاقتور ہوتا گیا۔ شروع میں یہ بہت کم تعداد میں تھا۔ رفتہ رفتہ بہت زیادہ ہو گیا۔
3. ایک گروہ نے جدید خیالات بھی قبول کیے اور قدیم سے بھی وابستگی رکھی۔ بیک وقت دونوں پر چلتے رہے۔ یا تو تناقض محسوس نہیں کیا یا اسے دور کرنے کی ہمت نہ تھی۔ یا کم فہم تھے یا کم ہمت۔ بہت بڑی تعداد ایسے ہی لوگوں کی تھی۔
4. ایک گروہ نے دونوں نظریات کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کی۔ یہ اسلام کی برتری کے بھی معتقد تھے اور مغربی افکار کو بھی پسند کیا۔ اخذ و ترک کے ذریعے مفاہمت کی راہ پیدا کی۔ اپنی عقل کو حکم بنا کر کچھ باتیں اسلام کی قبول کیں اور کچھ مغرب کی۔ کبھی اسلام کی تاویل کی کبھی مغربی فکر کی توجیہ۔ جو سمجھ میں نہ آیا اسے "اسلام" کے لاحقہ کے بجائے "ملا" کا لاحقہ لگا کر رد کر دیا۔ سید الطائفہ سر سید احمد خاں نے اس گروہ کی راہنمائی کے فرائض انجام دیے۔

[حاصل بقول اقبالؒ]:

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

حل

پروفیسر محمد سلیم صاحب مغربی نظام تعلیم کا مندرجہ ذیل حل پیش کرتے ہیں:

موجودہ صورت حال میں کوئی اصلاح سود مند نہیں ہو سکتی۔ خارجی طریقوں سے اصلاح ناممکن ہے۔ جزوی اصلاح کارگر نہیں ہو سکتی۔ فساد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا پڑے گا۔ علاج کی ایک ہی شکل ممکن ہے۔ نظام تعلیم بالکل بدل ڈالیے۔ ایسا نظام لائیں جو احیائے ایمان کرے۔ احیائے اقدار کرے۔ احیائے اخلاق کرے۔

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

پہلے دین کی تعلیم ہو۔ پھر معاشرتی علوم کی۔ پھر سائنسی اور فنی علوم کی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

سلطان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت

تُو رہ نوردِ شوق ہے، منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں
محفل گداز! گرمیٔ محفل نہ کر قبول

صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دِل نہ کر قبول

باطل دوئی پسند ہے، حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول!

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

ایران امریکہ، دوست یا دشمن؟... حقیقتِ حال کیا ہے؟

ابو عمر عبد الرحمٰن

ایران و امریکہ کے درمیان حالیہ کشیدگی کی وجہ کیا ہے؟ ان دونوں کے مابین تعلق کی کیا نوعیت ہے؟ اسرائیل کے ساتھ اس کی دشمنی کتنی سنجیدہ ہے اور خود ہم اہلِ اسلام کو ایران سے کیا توقعات اور امیدیں وابستہ کرنی چاہییں؟ اسی طرح مشرقِ وسطیٰ کے حالات میں عرب حکام کس خیمے میں موجود ہیں؟ ہمارا امیرِ کارواں کون ہے اور خود ہمیں اپنی منزل کے لیے کس کی طرف دیکھنا چاہیے؟ یہ تحریر انہی نکات کا احاطہ کرتی ہے۔ (ادارہ)

ایرانی جرنیل قاسم سلیمانی عام جرنیل نہیں تھا، ایران کی ایران سے باہر تمام تر جنگیں اور استخباراتی مہمات سلیمانی کے زیرِ کمان تھیں۔ شام، عراق، یمن اور لبنان..... ان چار ممالک میں شیعہ ملیشیاؤں کی سرپرستی اور کنٹرول پچھلے کئی سالوں سے اس کے ہاتھ میں تھا۔ سعودی عرب کے تیل کے ذخائر پر حوثی باغیوں نے ستمبر میں حملہ کیا تو یہ اسی کی نگرانی اور سرپرستی میں ہوا۔ تین جنوری ۲۰۲۰ء کو سلیمانی بغداد ایئرپورٹ پر ہلاک ہوا، اور ہلاک بھی امریکی ڈرون حملے سے ہوا۔ یہ خبر سنتے ہی بے اختیار زبان پر الحمدللہ آیا، ساتھ یہ دعا بھی نکلی کہ اللّٰھمّ أهلك الظالمين بالظالمين وأخرج المسلمين من بينهم سالمين!! یااللہ! ظالموں کو ظالموں کے ذریعے تباہ فرما اور مسلمانوں کو ان کے بیچ سے محفوظ نکال..... آمین۔

جی ہاں، یہ اللہ کا فضلِ عظیم ہے، کہ ایران کا وہ جرنیل ہلاک ہوا جو شام، عراق اور یمن میں مسلمان عوام اور مجاہدینِ اسلام کے قتلِ عام کا ذمہ دار تھا..... امریکہ ظالم ہے، ایران بھی ظالم ہے، دونوں ایک دوسرے کو برا بھلا بھی خوب کہتے ہیں، مگر یہ دونوں آج تک اہلِ سنت کو زیر کرنے، سنی عوام کو قتل کرنے اور تحریکِ جہاد کو ختم کرنے میں ایک دوسرے کے مدد و معاون بھی خوب رہے ہیں۔

افغانستان میں امارتِ اسلامی کا سقوط ہوا، امریکہ نے حملہ کیا تو ایران نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ پھر عراق کے مسلمانوں پر امریکہ نے آگ و بارود برسایا تو ایران نے نہ صرف یہ کہ مکمل طور پر ساتھ دیا، بلکہ اس جنگ میں اول سے لے کر آخر، یعنی ۲۰۰۳ء سے سلیمانی کی موت تک وہاں بطور امریکی اتحادی رہا[18]۔ عراقی فوج کو ٹریننگ، شیعہ ملیشیا کو ہتھیار و امداد مہیا کرنے، پھر ان سب کو مجاہدینِ اہلِ سنت کے خلاف لڑوانے اور سنی عوام پر ان سے مظالم کروانے جیسے تمام امور میں ایرانی فوج (اور پاسدارانِ انقلاب) پیش پیش تھی۔ امریکہ کے دیگر اتحادیوں کی نسبت ایران کو مقامی رافضیوں کی تائید کے سبب ہر میدان میں سبقت اور غیر معمولی اہمیت حاصل تھی۔ آج ایران کی طرف سے پراپیگنڈا کیا جارہا ہے کہ عراق میں یہ تعاون بس داعش کے خلاف تھا، گویا داعش کے علاوہ تو جیسے مجاہدینِ امت اور اہلِ سنت پر یہ پھول برسانے میں امریکہ کے ساتھ تھا! ایسا قطعاً نہیں ہے؛ اول یہ کہ امریکہ و ایران کے بیچ مفاہمت اور تعاون خوارج بغدادی کے ظہور کے ساتھ شروع نہیں ہوا، یہ تعاون و سہولت کاری کا تعلق تو اُس وقت سے ہے جب امریکہ نے ۲۰۰۳ء میں عراق پر حملہ کیا۔ اس پورے عرصہ میں اہلِ سنت اور ان کے مجاہدین پر جتنے مظالم امریکیوں نے ڈھائے، انہی کے برابر ایرانی نواز فوج اور ملیشیا نے بھی ڈھائے۔ اس پورے عرصہ میں ایران، امریکہ کے خلاف لڑنے والے اہلِ سنت کے تمام ابطالِ اسلام پر دہشت گرد اور تکفیری ہونے کا الزام لگاتا رہا اور ان کے خلاف جنگ میں امریکہ کے ساتھ مکمل طور پر شریک رہا۔ دوسرا یہ کہ داعش جب وجود میں آئی تو کیا امریکہ ایران اتحاد بس صرف داعش کے خلاف کارروائیوں تک محدود تھا؟ نہیں ایسا بھی نہیں، ایران نے عراق ہی نہیں، شام سے یمن تک اہلِ سنت کے اُن تمام مجاہدین کے خلاف بھی امریکہ کا ساتھ دیا جو خود بھی داعش کا ہدف تھے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ایران کو عراق، شام اور یمن میں جو بنیادی اور اہم رول ملا ہے یہ سب بھی امریکہ ہی کے بل بوتے پر ملا ہے۔ عراق و شام میں امریکی فوج کی بھی اتنی تعداد کبھی نہیں رہی، جتنی کہ ایرانی افواج اور اس کی ایران نواز رافضی ملیشیا کی رہی ہے اور ان کی یہ ساری موجودگی امریکی جرنیلوں کی نظر اور ڈرون طیاروں کے سائے تلے رہی۔ مزے کی بات یہ ہے

---

[18] 'مرگ بر امریکہ' ایرانیوں کا جیسے قومی نعرہ ہو، خمینی کا یہ قول بھی ان کے ہاں بہت مشہور ہے کہ 'امریکہ شیطان بزرگ است' مگر اہلِ سنت کے ساتھ ان کی نفرت اور دشمنی ہی ہے کہ ان کے خلاف اس 'بڑے شیطان' کے ساتھ بھی یہ عملاً تعاون اور اتحاد کرتے رہے ہیں، ویسے تو تقیّہ (سفید جھوٹ) ان کے ہاں ثواب سمجھ کر بولا جاتا ہے، مگر امریکی شیطان کے ساتھ اہلِ سنت کے خلاف تعاون کا یہ سچ بھی ان کے چوٹی کے رہنماؤں نے کئی دفعہ کیمروں کے سامنے بولا ہے، محمد ابطحی، سابقہ ایرانی صدر محمد خاتمی کے عرصۂ صدارت میں اس کا سیکرٹری تھا، خاتمی ہی کے دور میں امارت اسلامیہ افغانستان اور عراق پر امریکہ نے حملہ کیا، ۱۵ جنوری ۲۰۰۴ء کو ابوظہبی میں منعقدہ ایک کانفرنس میں محمد ابطحی نے کہا "امریکہ کے ساتھ اگر ایرانی تعاون نہ ہوتا تو کابل اور بغداد کا سقوط اس قدر آسانی کے ساتھ کبھی نہ ہوتا" (الجزیرہ کا کلپ بحوالہ السحاب ویڈیو... شیخ ایمن کا انٹرویو 'قرأة الأحداث')۔ ایرانی سابقہ صدر رفسنجانی نے ۸ فروری ۲۰۰۲ء کو جامعہ تہران میں جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے کہا "ایرانی فوج طالبان کے خلاف لڑی اور انہیں گرانے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ اگر طالبان کے خلاف یہ ایرانی تعاون نہ ہوتا تو امریکی افغانی دلدل میں غرق ہو جاتے، امریکیوں کو جاننا چاہیے کہ اگر جمہوریہ ایران کی یہ فوج نہ ہوتی تو طالبان کے سقوط میں وہ کبھی کامیاب نہ ہوتے" (بحوالہ جریدہ الشرق الاوسط / شیخ عطیۃ اللہ کی کتاب 'حزب الله اللبناني')

کہ عراق، یمن اور شام میں حالیہ ایک دو واقعات سے پہلے تک امریکہ نے کسی ایک بھی ایرانی افسر یا فوجی کو ہدف نہیں بنایا تھا۔ سب ایرانی افواج اور رافضی ملیشیا امریکیوں کے ساتھ مکمل تفاہم کے ساتھ مجاہدین پر حملہ آور ہوتے رہے۔ یمن میں ایرانی اشاروں پر عمل کرنے والے حوثی باغی، مجاہدین کے خلاف امریکہ کو سپورٹ کرتے ہیں، گویا وہاں مجاہدین کے خلاف لڑنے والے تین دشمن ہیں: ایرانی حمایت یافتہ حوثی، امریکہ اور سعودی اتحاد...... سعودی اتحاد اور ایران نواز حوثیوں کے مابین جنگ ہے مگر جہاں مجاہدین کے خلاف جنگ کا موقع آتا ہے تو ایران نواز حوثی بھی امریکی اتحادی بن جاتے ہیں۔ کئی دفعہ ہوا ہے کہ یمن میں انصار الشریعہ (القاعدہ) کے مجاہدین پر حملے کے لیے امریکی آئے تو ان کے بلیک ہاک اور چینوک (ایرانی نواز) حوثیوں کی طرف اترے اور پھر وہاں سے امریکیوں نے حوثیوں کے تعاون سے مجاہدین پر حملہ کیا۔ پھر دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ باوجود یہ کہ سعودی اور اتحاد میں شامل دیگر عرب حکام امریکہ کے غلام ہیں، سعودیہ کا 'دفاع' بھی مکمل طور پر امریکہ کے ہاتھوں میں ہے، یہاں سعودی اتحاد اور حوثیوں کے بیچ سخت جنگ بھی ہے مگر اس سب کے باوجود آج تک امریکیوں نے کسی ایک حوثی باغی کو بھی قتل نہیں کیا۔ امریکی ڈرون اور دیگر جہاز سب فضا میں ہوتے ہیں، یہ حوثیوں اور سعودیوں کے بیچ جنگ کا نظارہ بھی کرتے ہیں مگر سعودیوں کی مدد کے لیے امریکیوں نے کبھی بھی (ایران نواز) حوثیوں پر بمباری نہیں کی، امریکی بمباری اگر کرتے ہیں تو بس انصار الشریعہ کے مجاہدین اور سنی عوام پر اور اس میں حوثی امریکیوں کے ساتھ مکمل تعاون کرتے ہیں۔

اسی طرح شام کے اندر ایران نے اہلِ سنت کے ساتھ جو کچھ کیا، ایسے ظلم، وحشت اور سربریت کی کوئی مثال نہیں۔ یہاں ایران ویسے تو شامی حکومت اور روس کا اتحادی ہے مگر سچ یہ ہے کہ مجاہدین اور سنی عوام کے قتل عام میں ایران، امریکہ، روس اور شامی حکومت، سب ایک دوسرے کے ساتھ تعاون یا مکمل مفاہمت کے ساتھ رہے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی باریاں رکھی تھیں۔ ایک طرف ایرانی ملیشیا، شامی فوج اور روس کا گٹھ جوڑ تھا جو ایک جگہ مسلمانوں پر حملہ ور ہوتے، اور وہاں موجود امریکی تباہی کا نظارہ کرتے، بیرل بموں سے لے کر کیمیائی ہتھیاروں تک، کون سا اسلحہ ہے جو ان ظالموں نے استعمال نہیں کیا؟ سب کچھ دل کھول کر آزمایا گیا...... پھر کسی دوسری جگہ امریکی بم برساتے اور یہ باقی تماشہ دیکھتے۔ یہاں بھی اس پوری جنگ میں کبھی بھی امریکہ و ایران کو ایک دوسرے کو براہ راست 'چھیڑنے' کا موقع نہیں آیا۔

جب یہی منظر نامہ رہا ہے، تو پھر آج امریکہ نے قاسم سلیمانی کو مارا کیوں؟ یہی تو اللہ کا فضلِ عظیم ہے کہ اللہ نے ایک ظالم کے ذریعے دوسرے کو مروایا۔ ماضی میں جب مجاہدینِ اہلِ سنت و امریکہ کی جنگ ہوتی تو ایران فوائد سمیٹتا، اس جنگ کو یہ خالص مادہ پرستانہ، خود غرضانہ اور اہلِ سنت کے خلاف دشمنانہ نگاہ سے دیکھتا، خود اہلِ سنت کے اوپر غلبہ حاصل کرنے کا یہ نادر موقع سمجھتا اور اس کو خوب استعمال کرتا...... افغانستان، عراق، یمن، شام ہر جگہ اس نے یہی کیا، آج کافی عرصے بعد منظر بدل گیا، الحمد للہ، اور اس پر خراسان سے شام و یمن تک وہ سب مجاہدین خوش ہیں جو ایران کے حقیقی کردار سے باخبر ہیں، سب اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور یہ امید کرتے ہیں کہ اس سبب شاید آج ان دونوں کے بیچ وہ اتحاد ختم ہو جائے جو اہلِ سنت کے خلاف دونوں میں ابھی تک قائم رہا ہے اور اللہ کے اذن سے ان کی باہمی جنگ (یا کم از کم کشیدگی) مجاہدینِ امت کو دشمنانِ امت کے خلاف آگے بڑھنے کے مواقع دے۔

اس موقع پر اس تحریر کے لکھنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہم اپنے دشمنوں کو پہچانیں اور ان کے ساتھ تعامل کا قاعدہ ہماری نظروں سے کبھی اوجھل نہ ہو۔ جب تک ہم اپنے خیر خواہوں اور بدخواہوں کو نہیں پہچانیں گے اور ان کے ساتھ انہی کے مطابق مطلوب تعامل نہیں کریں گے، ہم اپنے آپ ہی کو نقصان دیں گے اور غلبۂ اسلام و نصرت المسلمین کے سفر میں قدم نہیں بڑھا سکیں گے۔ افسوس ہے کہ امتِ مسلمہ کا ایک طبقہ دوستی و دشمنی، کس کو بطل و ہیرو کہنا ہے اور کس کو ظالم اور دشمن، اس معاملے میں بہت سطحیت سے کام لیتا رہا ہے؛ کبھی قذافی کو مجاہدِ کبیر کہا گیا، تو کبھی صدام حسین ان کا ہیرو رہا اور کبھی لبنانی 'حزب اللہ' کے مجرم حسن نصر اللہ کی یہ تعریف کرتا رہا، کیوں؟ اس لیے کہ 'قذافی، صدام یا حسن نصر اللہ' امریکہ کے خلاف بول رہے ہیں، یا کسی مرحلے میں امریکہ اور ان کے درمیان موجود کشیدگی جنگ کو پہنچ گئی۔ امریکہ کی کسی نے بھی مخالفت کی، وہ ہمارے نزدیک امت کا قائد، ہیرو اور آئیڈیل بن گیا اور جھٹ ہم امت کو بھی اس کے افکار و نظریات قابل تقلید دکھانے لگے... یہ نہیں دیکھا گیا کہ یہ مخالفت کرنے والا خود اپنے فکر و عمل میں حق پر کتنا عامل ہے اور وہ خود امت کا کتنا خیر خواہ ہے۔ امریکہ کے خلاف لڑنے والا اگر خود مسلمانوں کا قاتل، امت کو گمراہ کرنے والا اور تحریکِ جہاد کے خلاف کفار کا معاون و مددگار ہو، تو ایسے میں امریکہ اور اس کے مابین جنگ پر ہمیں خوشی تو ہو گی اور اس جنگ میں امریکہ کے خلاف اس کے ڈٹنے کی ہماری خواہش بھی ہو گی مگر وہ نہ ہماری امیدوں کا مرکز بنے گا اور نہ ہی اسے امت کے لیے رہنما، خیر خواہ اور اپنی سعی و فکر میں قابلِ تقلید بتائیں گے۔

ظاہر ہے کہ جنگیں محض حق و باطل کے مابین نہیں ہوتیں، خود اہلِ باطل کے بیچ بھی جنگیں رہی ہیں؛ جنگِ عظیم اول و دوم اور بعد میں بھی روس و امریکہ کی کشمکش، یہ اور اس طرح کی بے شمار ایسی مثالیں ہیں جن میں دونوں طرف والے اہلِ حق نہیں تھے۔ یہی معاملہ ایران کا

ہے، ایران خود باطل ہے[19]، اس کا دین باطل ہے، یہ اہلِ سنت کا بدترین دشمن ہے، جب بھی اسے موقع ملا اس نے اہلِ سنت کو اپنا غلام بنانے کے لیے ان پر بدترین مظالم ڈھائے، دفاعِ امت کے لیے جتنی بھی جہادی تحریکیں اٹھیں، ان میں سے کئی کی پیٹھ میں اس نے خنجر گھونپا اور اکثر کے خلاف کفار کی مدد ونصرت کے لیے براہِ راست میدان میں اترا۔ پھر ساتھ ہی اس کا ایک اور بڑا جرم یہ ہے کہ حصولِ برتری کی خاطر رافضیت جیسی شرکیات و بدعات کو امت پر مسلط کرنے کا بیڑا بھی اس نے اٹھایا ہوا ہے اور پوری دنیا میں اس کی پشت پناہی و توسیع کرتا ہے۔ لہٰذا اصل اعتراض ایران جیسے آستین کے سانپ سے محبت کرنے، اس پر اعتماد کرنے اور اسے اپنی دعوت و تحریک میں قابلِ تقلید پیش کرنے کا ہے، باقی امریکہ کے خلاف کھڑا ہونا اور اس کے خلاف جنگ کی جہاں تک بات ہے تو اس پر خوش ہونا چاہیے اور دعا ہو کہ امتِ مسلمہ پر مظالم ڈھانے والے سب ہمارے دشمن آپس میں لڑیں۔ یہ آپس میں لڑیں گے تو فائدہ جہاد، مجاہدین اور پوری امتِ مسلمہ کو ہو گا۔ جیسا کہ یہ بھی خبر آرہی ہے کہ روس کے کسی عہدے دار نے ایران کا ساتھ دینے کا بیان دیا ہے۔ اگر یہ بھی ہوا تو یہ اور شکر و خوشی کی بات ہو گی، مگر ظاہر ہے، ایسے میں روس کو ہم اپنا 'محسن' نہیں کہیں گے، وہ دشمن ہی رہے گا۔

اب جب رافضی ایران اہلِ سنت کا دشمن ہے، جہادی تحریکوں کا بھی یہ خیر خواہ نہیں تو پھر ایران اور امریکہ میں تلخی اور جنگ کیوں ہے؟ کیوں یہ 'مرگ بر امریکہ' کے نعرے لگاتا رہا ہے؟ فلسطین پر یہودی قبضہ کے خلاف یہ کیوں ہے اور اسرائیل کو یہ دھمکیاں کیوں دیتا رہتا ہے؟... یہ سوالات اہم ہیں اور ان کے جواب سے ہی ایران کی پوری اصلیت کھلے گی۔

بعض لوگوں کا خیال تھا اور شاید اب بھی ہو کہ ایران و امریکہ دونوں آپس میں ملے ہوئے ہیں، ایران یہود کا ایجنٹ ہے اور یہ پورا کھیل بس ایک ڈرامہ ہے۔ بعض دوسرے لوگ ایران کو بڑا ہیرو سمجھتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ یہ امریکہ و اسرائیل کا دشمن جبکہ اسلام و مسلمانوں کا محافظ ہے؛ حقائق بتا رہے ہیں کہ یہ دونوں مواقف بالکل غلط ہیں۔ الحمد للہ، قائدین جہاد کے سامنے ایران کی حیثیت ہمیشہ واضح رہی ہے اور وہ ان کے متعلق ایک لمحہ کے لیے بھی کبھی کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوئے ہیں۔ اس موقع پر مجھے ایک بزرگ جہادی قائد کا قول یاد آیا، جب برسوں پہلے میں نے ان سے پوچھا کہ "شیخ! کیا ایران فلسطین کو آزاد کرانا چاہتا ہے؟"، تو انہوں نے برجستہ کہا، "ہاں! وہ فلسطین کو بھی 'آزاد' کرانا چاہتا ہے اور مکہ و مدینہ کو بھی۔ وہ چاہتا ہے کہ سب اہلِ سنت کو اپنا غلام بنائے، ان پر رافضیت مسلط کرے اور اس کے لیے چاہے بڑے سے بڑے کافر کی یہ مدد کیوں نہ کرے، اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں!"۔

ایران عصرِ حاضر میں روافض کا سرخیل اور عالمی سطح پر ان کا قائد اور مقتدا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ روافض کے چند بنیادی اوصاف کا ہمیں علم ہو۔ امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "روافض کی اکثریت کے قلوب دشمنانِ امت کے ساتھ ہیں، امت کے محافظ مجاہدینِ اہلِ سنت کی ہزیمت اور سنی عوام کی تکلیف پر انہیں خوشی ہوتی ہے"[20]۔ اسی طرح ایک اور جگہ آپ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "روافض مسلمانوں پر غلبہ پانے کے لیے کفار سے مدد لیتے ہیں، سب نے دیکھا ہے کہ جب بھی مسلمانوں پر کفار کے حملے کی صورت میں آزمائش آئی، تو ایسے میں روافض نے فوراً مسلمانوں کے خلاف کفار کا ساتھ دیا۔ مسلمانوں کے خلاف چنگیز خان کی انہوں نے مدد کی تھی، پھر چنگیز کے بیٹے ہلاکو خان نے جب حملہ کیا تو خراسان، عراق اور شام

[19] ایران جس دین کا علمبردار ہے، یہ وہ دین قطعاً نہیں جو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لائے ہیں، بلکہ یہ فساد پر مبنی وہ دینِ باطل ہے جو انہوں نے زیادہ تر اپنی زمانۂ قدیم کی مجوسی وفارسی روایات اور خواہشات نفسانی کو دیکھ کر گھڑ لیا ہے۔ ایرانی رافضی دین، عقائد، عبادات، معاشرت اور معاملات کسی لحاظ سے بھی اسلام نہیں۔ دین، تاریخ، زبان، ثقافت و تہذیب اور مستقبل کے لیے خواب و منصوبے... ہر لحاظ سے ایران نے اپنے آپ کو امت مسلمہ سے مختلف رکھا ہے۔ اس کا دین رافضیت ہے جو عرض ہوا کہ اس میں دینِ حق کے بس چند ظواہر لیے گئے ہیں، باقی سارا فساد در فساد اور جہالت در جہالت ہے۔ یہاں واضح اور علانیہ شرک ہے، یہ اس قرآن کو کامل قرآن نہیں مانتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، صحابہ کرامؓ سے (نعوذ باللہ) عداوت اور پانچ چھ صحابہ کرام کے سوا سب کی تکفیر ہے، زنا جائز بلکہ مُتعہ کی صورت میں باعث اجر ہے، ہر قسم کا سود حیلے بہانوں سے باقاعدہ 'شرعی فتاویٰ' کی روشنی میں حلال ہے، سفید جھوٹ بولنا بھی مسئلہ نہیں کہ اسے تقیہ کا نام دیا گیا ہے، اللہ کے دین میں تشریع کفر ہے، مگر یہاں ولایتِ فقیہ کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو کسی کام کو حلال کہے اور ضرورت پڑے تو اس کو حرام کہے، کفار کے ساتھ اہل اسلام کے خلاف تعاون، اللہ کے دین میں کفریہ عمل ہے، مگر یہاں مسلمان عوام اور غلبۂ دین کے لیے کوشاں مجاہدین کے خلاف سب کفار کی مدد کرنا ان کی دینی ضرورت ہے۔ غرض کیا اللہ کی کتاب اور کیا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی احادیث کسی بھی معاملے میں ان کا دین وہ نہیں ہے، جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے بھیجا ہے اور جو تا قیامت باقی رہے گا۔ زبان کا معاملہ یہ ہے کہ فارسی زبان ہی کو تمام دیگر زبانوں پر افضل اور برتر باور کرایا جاتا ہے۔ جہاں تک تاریخی وابستگی کا تعلق ہے تو یہاں قدیم فارسی مجوسی تاریخ کو بڑی تفصیل کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے اور ادب وشاعری میں اس کی تعریف و مدح میں قلابے ملائے جاتے ہیں جبکہ اسلامی تاریخ میں سوائے حضرت حسینؓ کی شہادت اور واقعۂ کربلا کے بالکل اندھیرا ہے۔ تاریخ و ثقافت کے لحاظ سے ایران اپنے آپ کو اسلام کے ساتھ نہیں، بلکہ فارسی تہذیب کے ساتھ جوڑتا ہے، آج بھی بڑے فخر کے ساتھ ایرانی مجوسی ایمپائروں کا اپنے آپ کو وارث کہا جاتا ہے اور ثابت کیا جاتا ہے کہ اُس تہذیبِ فارس کا انقطاع نہیں ہوا ہے، اسلام کے آنے سے اس میں تھوڑا سا خلل ضرور آیا مگر وہ آج بھی جاری و ساری ہے۔ اپنی اُس فارسی سلطنت کو یہ عظمتِ رفتہ کہتے ہیں اور اس کا قیام انہوں نے اپنا ہدف بنایا ہے جو مبنی بر شرک وجہالت تھی اور جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تاراج کیا تھا۔ فارسی ایمپائر کے احیاء اور اپنے آپ کو برتر ثابت کرنے کا ایسا بھوت ان پر سوار ہے کہ 'خلیجِ فارس' کو اگر کوئی صرف خلیج، یا 'خلیجِ عرب' کہے تو اس کے لیے باقاعدہ قانون میں سزائیں رکھی گئی ہیں۔ پچھلے سال الجزیرہ ٹی وی کو ایک انٹرویو میں جواد ظریف نے اپنی تاریخ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ہماری تاریخ سات ہزار سال پرانی ہے (ظاہر ہے کہ اسلام کو آئے تقریباً پندرہ سو برس ہوئے ہیں، اس سے پہلے ایران میں فارسی سلطنت ہی قائم تھی)۔ تمام تر عرب (جدید و قدیم سب) کو 'اعراب' یعنی بدو سمجھا یا جاتا ہے جبکہ خود اپنے آپ کو مہذب اور ہزاروں سال کی روایات کا امین ثابت کیا جاتا ہے۔

[20] جامع المسائل لابن تيمية - عزير شمس

میں یہ مسلمانوں کے خلاف اس کے بڑے مدد گاروں میں سے تھے، ان کی یہ مدد و تعاون اتنا واضح اور مشہور ہے کہ جس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ابن علقمی رافضی بغداد میں خلیفہ کا وزیر تھا، یہ ہمیشہ مسلمانوں اور خلیفہ کے خلاف سازشوں میں لگا رہتا، مسلمان لشکر کو کمزور کرنے اور ان کے وسائل کاٹنے کی کوشش کرتا اور عام عوام کو مسلمان فوج کی معیت میں لڑنے سے منع کرتا، پھر تاتاری بغداد میں داخل ہوئے، جنھوں نے مسلمانوں کا خوب قتلِ عام کیا، لاکھوں مسلمانوں کا خون بہا...لاتعداد بنو عباس اور بنو ہاشم قتل ہوئے، اور ان کی خواتین تک کو بھی تاتاریوں نے لونڈیاں بنا ڈالا، (رافضی اہلِ بیت سے محبت کا دم بھرتے ہیں) کیا رسول اللہ ﷺ کے اہلِ بیت سے محبت یہ ہے کہ ان پر اور دیگر مسلمانوں پر کفار کو مسلط کیا جائے اور انہیں قتل کرنے اور ان کی عورتوں کو غلام بنانے میں کفار کی مدد کی جائے؟ اسی طرح شام میں موجود روافض نے بھی مسلمانوں کے خلاف مشرکین اور نصاریٰ کی مدد کی اور یوں ان کفار نے (روافض کی مدد سے) مسلمانوں کی جان و مال کو بہت نقصان پہنچایا اور ان کی عورتوں کو غلام بنایا۔"[21]

شیخ عطیۃ اللہ شہید رحمہ اللہ، ایران کے ایک طرف امریکہ کو دشمن بتانے اور دوسری طرف اہلِ سنت کے خلاف امریکہ ہی کے ساتھ تعاون کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ایرانیوں کے امریکہ کے ساتھ تعاون واتحاد جیسے تصرفات کا سبب روافض کے دین میں موجود بنیادی اصول ہے، یہ وہ اصول ہے کہ جس پر یہ جھوٹ وتقیّہ کے جتنے بھی پردے ڈالیں، عمل کے میدان میں یہ اس اُصول سے کبھی نہیں ہٹتے۔ سچ یہ ہے کہ ان کی پوری تاریخ اور اس تاریخ میں ان کا پورا وجود اس اصول پر عمل سے عبارت ہے۔ اصول یہ ہے کہ ان کے ہاں ان کا سب سے بڑا اور سب سے اول دشمن اہلِ سنت ہیں، یہود و نصاریٰ بھی دشمن ہیں، مگر چونکہ وہ اہل کتاب ہیں، اس لیے اہلِ سنت کی نسبت ان (یہود و نصاریٰ) کی دشمنی ذرا ہلکی ہے، لہٰذا یہود و نصاریٰ کے ساتھ تو کسی طرح گزارا کیا جا سکتا ہے مگر اہلِ سنت کے ساتھ نہیں!"[22]

رافضی ایران کا ایک طرف یہ کردار ہے، تو دوسری طرف اس کی بھرپور کوشش ہے کہ یہ امتِ مسلمہ کا واحد رہنما نظر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ امت کے زخموں، فلسطین وغیرہ پر یہ اپنی سیاست کرتا ہے اور انہیں رافضی توسیع و تسلط کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اس کے سامنے اول و اہم ہدف کیا ہے؟ اہلِ سنت پر قابو پانا، انہیں اپنا غلام بنانا، اپنے آپ کو پوری امتِ مسلمہ کا واحد قائد و رہنما ثابت کرنا اور پھر ان پر رافضیت مسلط کرنا...... یہ اول و اہم اہداف ہیں۔ دوسرے درجہ کا ہدف پھر آگے بڑھ کر پورے خطے پر اپنی سلطنت قائم کرنا ہے...... اس میں ظاہر ہے پھر اہلِ سنت کے بعد اسرائیل کے ساتھ بھی ٹکراؤ آئے گا۔ اپنے ان اہداف کے حصول کے لیے یہ اپنی حکمتِ عملی پر بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ عمل پیرا ہے۔ مگر چونکہ اس منصوبے کی پہلی منزل تب ہی حاصل ہو سکتی ہے جب اہلِ سنت کی عوام ایران پر اعتماد کرے اور اسے واقعی اپنا لیڈر مانے۔ یہ اعتماد و بھروسہ صرف اُس وقت ہی ممکن ہے جب امتِ مسلمہ کے بنیادی اور سب سے بڑے مسئلے پر یہ آواز بلند کرے۔ یہ اہم ترین اور بڑا مسئلہ مسجدِ اقصیٰ کا ہے۔ فلسطین امت کا رِستا زخم ہے۔ اگر کوئی امتِ مسلمہ کی قیادت چاہتا ہو، امت پر اپنا عقیدہ و نظریہ مسلط کرنا چاہتا ہو مگر فلسطین پر وہ خاموش رہے تو امت کبھی اُس پر اعتماد نہیں کرے گی۔ یہی وہ سبب ہے کہ ایران فلسطین کے موضوع پر یہود کی مخالفت کرتا ہے۔ اسرائیل کے خلاف اس کی یہ جنگ زیادہ تر زبانی ہے جبکہ یقیناً تھوڑی سی عملی بھی ہے جس سے انکار نہیں۔ 'حزب اللہ' کی تاریخ اگر دیکھیں تو یہ نکتہ خود بخود واضح ہو جائے گا۔

'حزب اللہ' لبنان میں ایک عسکری و سیاسی شیعہ جماعت ہے۔ یہ فی الحقیقت ایران ہی کے تحت چلتی ہے اور ایران کی خارجی پالیسی کا ایک طرح کا عملی مظہر ہے ۔ اس جماعت کی بنیاد ۱۹۸۲ء میں جنوبی لبنان پر اسرائیلی جارحیت کے وقت رکھی گئی ۔ جماعت نے اول روز سے اپنا ہدف قابض یہود کا قبضہ ختم کرنا اعلان کیا ہے۔ یہ مقصد واقعی اس کا ہے بھی، مگر کیا اس کا مطلب فلسطین سمیت پورے خطے کی یہود سے آزادی ہے؟ اور کیا خاص اسی مقصد کے لیے یہ لڑتی ہے؟ نہیں! یہ کوئی آخری مقصد اگر ہو تو ہو گا، مگر اول نہیں! اول مقصد بس لبنان سے اسرائیل کو نکالنا، یہاں پر اپنا رافضی تسلط قائم کرنا اور اس تسلط کو تمام اہلِ سنت پر قبضہ کے لیے استعمال کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیل کے ساتھ اس کی تمام ترکشمکش میں اول روز سے مقصد لبنان کی زمین اسرائیل سے لینا ہے، نہ کہ فلسطین آزاد کرنا ہے۔ جب ۱۹۹۳ء میں اس کی جنگ ہوئی اور اسرائیل نے لبنان سے نکلنے کا عندیہ دیا تو جنگ روک دی گئی۔ اسرائیل و لبنان سرحد پر مکمل طور پر پُر امن رہنے کا عہد کیا گیا اور لبنان کی پارلیمانی سیاست میں اس نے شریک ہونے کا فیصلہ کیا۔ ۲۰۰۰ء تک اسرائیل لبنان سے نکل گیا مگر مزارع شبعا نامی علاقہ پر اپنا قبضہ قائم رکھا جس پر لبنان کا دعویٰ ہے، اس سبب ایک دفعہ پھر ۲۰۰۶ء میں جنگ ہوئی، اس جنگ کا خاتمہ اقوام متحدہ کی قرارداد 1701 پر ہوا۔ قرارداد کو 'حزب اللہ' نے تسلیم کیا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ اسرائیل لبنانی زمین چھوڑ دے گا اور 'حزب اللہ' اسرائیل کے خلاف ہر قسم کی کارروائیاں بھی روکے گی اور ہتھیار بھی رکھے گی۔ 'حزب اللہ' نے ہتھیار تو نہیں رکھا مگر اس کے بعد سے اسرائیل کے خلاف اُس طرح کی کارروائیاں ختم ضرور کی ہیں۔ اس موقع پر حسن نصر اللہ نے ایک ویڈیو میں اپنے اس موقف کا اعادہ کیا کہ 'اسرائیل لبنان کی زمین پر جارحیت اگر نہ کرے تو ہم بھی اسرائیل کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ ہاں سیاسی طور پر ہمارا یہ دعویٰ ضرور رہے گا کہ فلسطین پر یہود کا قبضہ ناجائز ہے'، گویا فلسطین کی آزادی کے لیے زبانی جمع خرچ تو ہو گا، مگر جنگ نہیں ہو گی۔ جنگ لبنان کی زمین کے لیے ہو گی جہاں 'حزب اللہ' نے

---

[21] منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة القدرية

[22] حزب الله اللبناني...للشيخ عطية الله رحمه الله

اپنا تسلط قائم رکھنا ہے اور جس کی زمین کو عالمِ عرب میں رافضی ایرانی نفوذ بڑھانے کے لیے استعمال کرنا ہے۔ عرصہ سے لبنانی سرحدی علاقے میں 'حزب اللہ' کا مکمل طور پر تسلط ہے، اگر کوئی جہادی گروپ یا مجاہد اسرائیل کے خلاف کارروائی کرتا ہے تو خود 'حزب اللہ' اسے پکڑتی ہے اور لبنانی انتظامیہ یا شامی فوج کے حوالے کرتی ہے۔ کئی ایسے مجاہدین کو 'حزب اللہ' نے قید بھی کروایا ہے۔ پھر اسرائیل کے خلاف جنگ کو تو اسرائیل کے لبنانی زمین پر حملے کے ساتھ مشروط کیا جاتا ہے مگر اہلِ سنت اور ان کے مجاہدین کے ساتھ جنگ اس سے بھی مشروط نہیں! اہلِ سنت اگر لبنان پر حملہ نہ کریں، 'حزب اللہ' کے خلاف بھی نہ لڑیں بلکہ شامی طاغوت بشار الاسد کے مظالم کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں تو ان کی تحریک دبانا اور ان کے عوام پر مظالم ڈھانا 'حزب اللہ' اپنی ذمہ داری سمجھتی ہے۔ اس مقصد کے لیے لبنان سے اٹھ کر یہ شام بھی پہنچ جاتی ہے۔ حالانکہ شام میں یہ تنظیم جن مجاہدینِ اہلِ سنت کے خلاف لڑ رہی ہے وہ اسرائیل اور امریکہ کے بھی دشمن ہیں۔ (واضح رہے کہ بشار الاسد 'نُصیری' شیعہ ہے اور خود ایرانی روافض یعنی اثنا عشریہ، نصیریوں کی تکفیر کرتے ہیں، مگر جہاں اہلِ سنت کے خلاف جنگ کا موقع آتا ہے تو ایرانی اُن کے ساتھ بھی کھڑے ہو جاتے ہیں جن کو خود یہ بھی کافر کہتے ہیں)۔ اس سب سے واضح ہے کہ لبنان میں 'حزب اللہ' اور اس کے ذریعے ایران کی حکمت عملی فی الحقیقت لبنان میں رافضی قبضہ کو مستحکم کرنا اور باقی عالمِ عرب میں اہلِ سنت کو فتح کرنا ہے۔ زبانی طور پر اور اعلام و میڈیا میں وہ اسرائیل کے خلاف ضرور بولتا ہے اور بعض فلسطینی مجاہدین کے ساتھ تھوڑا بہت تعاون بھی کرتا ہے، مگر جو عملی تعاون یہ اہلِ سنت کے خلاف برسرِپیکار شیعہ ملیشیا کے ساتھ کرتا ہے، وہ ہزار گنا اس امداد سے زیادہ ہے جو یہ فلسطین کے بعض مجاہدین کی کرتا ہے۔ فلسطینی مجاہدین کے ساتھ تعاون اس کی مجبوری ہے، اس لیے کہ اسی کے ذریعے یہ اپنا آپ امت کا قائد دکھا سکتا ہے۔ گویا ایک طرف تو ایرانیوں کے ہاں دشمنی کی فہرست میں اہلِ سنت اور اس کے مجاہدین اول نمبر پر ہیں اور یہ کوئی ایسا موقع نہیں گنواتا جہاں یہ انہیں نقصان دے سکتا ہو اور نہ دے۔ اس طرح فلسطین کو آزاد کرانے کی باری بھی اس کی ترجیحات میں کہیں بالکل آخر میں آئے تو آئے، ورنہ اول ترجیح تو اہلِ سنت کے علاقے ہیں، مگر دوسری طرف یہ کوئی ایسا موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا ہے جہاں یہ اپنے آپ کو امتِ مسلمہ کا قائد دکھا سکے۔

گیارہ ستمبر کے مبارک حملوں سے پہلے، جب امارت اسلامی افغانستان پر امریکہ کی طرف سے دباؤ تھا اور امریکہ نے شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کے مراکز پر حملے کیے، یہ ایسا وقت تھا کہ امت کی دعائیں شیخ اسامہ کے ساتھ تھیں اور وہی فلسطین کی آزادی کے لیے امتِ مسلمہ کو اٹھانے اور متحد کرنے کی ندا دے رہے تھے...... ایران سے کہاں یہ برداشت ہوتا تھا۔ اس نے ایک محترم کے ذریعے شیخ اسامہ کو ایران آنے اور یہاں رہنے کی پیشکش کی، شیخ سمجھ گئے، اور انہوں نے انتہائی سخت ردعمل دکھایا، جس کے ذریعے پیغام آیا تھا، ساتھیوں کو اس سے ملنے تک سے منع کیا۔ مگر جب گیارہ ستمبر کا حملہ ہوا اور سقوطِ امارت کے سبب مجاہدین ایران و پاکستان کی طرف نکلے، تو ایران نے ایک طرف ان سب مجاہدین کو پکڑ کر جیلوں میں ڈالا، انہیں طویل قید کی سزائیں دیں، حالانکہ انہوں نے ایران کے خلاف کچھ بھی نہیں کیا تھا اور دوسری طرف گیارہ ستمبر کے حملوں کے ساتھ ہی اپنے ٹی وی چینلوں اور دیگر ذرائع ابلاغ پر پراپیگنڈا شروع کیا کہ یہ حملے خود امریکیوں نے کیے ہیں، اس میں یہودی ملوث ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ اہلِ سنت کو اپنے اصل محافظین یعنی مجاہدین کی پہچان نہ ہو، بلکہ انہیں ایران ہی اپنا رہنما نظر آئے۔

اب آتے ہیں اس سوال کی طرف کہ **ایران و امریکہ آپس میں دوست ہیں یا دشمن؟** حقیقت یہ ہے کہ ایران اور امریکہ ایک دوسرے کے دوست کبھی نہیں رہے، مگر ایسا بھی نہیں کہ یہ ہر جگہ ہر معاملے میں دشمن ہی رہے۔ نہیں، کہیں یہ دشمن ہیں اور کہیں پر یہ ایک دوسرے کے مُعاون، مُفاہم اور مُوافق...... مفادات ہیں جو انہیں ایک دوسرے کے قریب لاتے ہیں اور یہ مفادات ہی کا ٹکراؤ ہے جو انہیں ایک دوسرے کے خلاف کھڑا کر دیتا ہے۔ اس ساری کشمکش کا مقصد خالص اپنی برتری کا حصول ہے۔ اس کی سوچ وہی قدیم فارسی سلطنت والی سوچ ہے جو پورے خطے کے وسائل پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ امریکہ جہاں جہاں بھی مجاہدین کے خلاف لڑ رہا ہے، وہاں ایران اور امریکہ کے بیچ مکمل طور پر تعاون ہے، جیسا کہ عرض کیا کہ عراق، یمن اور شام میں اہلِ سنت کے خلاف جنگ میں ایران و امریکہ مکمل طور پر یک جان و دو قالب رہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ پھر ٹکراؤ کیوں ہو جاتا ہے؟ ٹکراؤ اس وجہ سے ہو جاتا ہے کہ امریکہ اور ایران دونوں عالمِ عرب پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتے ہیں۔ امریکہ کا سعودیہ اور عرب امارات سمیت پورے عالمِ عرب پر (غیر اعلانیہ) قبضہ ہے جبکہ ایران اس پورے ریجن کو اپنے تحت لانا چاہتا ہے۔ یہی وہ نکتہ تصادم ہے کہ جہاں دونوں ایک دوسرے کے مخالف کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اب یہاں ایک نکتہ اور ہے اور وہ یہ کہ امریکہ کے لیے مشرقِ وسطیٰ کے اندر ایران کا یہ کردار بہت مفید بھی ہے، مگر حدود کے اندر...... اگر ایران کا یہ کردار ختم ہو جاتا ہے اور عرب ممالک ایرانی خطرے سے مامون ہو جاتے ہیں تو پھر امریکہ اور ان عرب ممالک کے درمیان ''محبت و قربت'' کسی موقع پر خطرے میں پڑ سکتی ہے، اس کے بعد عرب ممالک اپنی غلامی کی کوئی اچھی قیمت لگانے کا بھی سوچ سکتے ہیں۔ مگر ایران کے توسیع پسندانہ عزائم سے چونکہ انہیں خطرہ ہے، لہٰذا اس کے مقابل امریکہ اپنی 'خدمات' سمیت یہاں حاضر ہے، جیسا کہ تیل کے ذخائر پر ایرانی-حوثی حملے کے بعد امریکہ نے سعودیہ میں مزید فوجی بھیجنے کا اعلان کیا، یہ ایک مثال ہے۔ جس طرح کویت و سعودیہ پر قبضہ کے لیے امریکہ نے صدام کا پتا استعمال کیا، صدام نے جب کویت پر حملہ کرنا تھا تو حملے تک امریکہ نے صدام کو یقین دہانی کرائی تھی کہ وہ کوئی دخل اندازی نہیں کرے گا مگر حملہ ہوتے ہی اسے ہٹانے کے بہانے اس نے آکر پورے جزیرۂ عرب پر قبضہ کیا، اور آج تک وہاں کے وسائل لوٹ رہا ہے۔ بعینہٖ آج ایران سے حکام عرب کا یہ خوف بھی امریکہ اپنے مفاد کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ اگرچہ عالمِ عرب پر امریکی قبضے کا

بنیادی سبب تو خود عرب حکام کی اسلام دشمنی اور ان کی عیاشیاں ہیں، اسی سبب ہی یہ مجاہدین اور اہلِ خیر عوام کے دشمن ہیں، ان کو دبانے کے لیے بھی یہ حکام امریکی مدد و تعاون لینا اپنی ضرورت سمجھتے ہیں، لیکن دوسرا فیکٹر پھر ایران ہے، کہ جو عرب ممالک کو امریکہ کی کالونی بنانے میں امریکیوں کے لیے معاون ہے۔ ایرانی دباؤ برائے نام نہیں ہے، واقعی ایران کی فوجی وسیاسی پیش قدمی جاری ہے اور مکرر عرض کرتا ہوں کہ ابھی تک کی پیش قدمی میں امریکہ یا تو ایران کا مکمل طور پر معاون رہا ہے، یا اپنے مذکورہ مفاد کے سبب امریکہ نے چشم پوشی اختیار کی ہے۔ ایرانی پیش قدمی کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ایران نے عراق کو بڑی حد تک قبضے میں لے لیا ہے، سیاسی طور پر عراق میں ایران ہی کی جیسے حکومت ہو، یہی وجہ ہے کہ ابھی جو عراق کے اندر عوام ملک میں ایرانی اثر ورسوخ کے خلاف مظاہرے کر رہے تھے تو اس پر ایرانی آیت اللہ خامنہ ای نے تہران میں اپنی فوج کی ایک پریڈ کے دوران کھڑے ہو کر ان مظاہرین کو تڑی لگائی کہ قانون کے دائرے میں رہو، ورنہ سختی سے نمٹیں گے۔ ایرانی خامنہ ای، عراقی عوام کو دھمکی!! کیا تعلق؟ اس لیے کہ عراق پر ایران ہی کا سیاسی قبضہ ہے، قاسم سلیمانی عراق اس طرح آتا جاتا، اس طرح وہاں پھرتا جیسا کہ عراق ایران ہی کا کوئی صوبہ ہو۔ شام مکمل طور پر ایران کے ماتحت ہے، لبنان میں حکومت ایران کی مرضی کے بغیر نہیں بنتی اور یمن میں حوثی علانیہ طور پر ایرانی ملیشیا ہے جو یمن کے بعد سعودیہ کی طرف پیش قدمی کا منصوبہ رکھتے ہیں، گویا عالمِ عرب کو رافضی قبضے کا ٹھیک ٹھاک خدشہ ہے۔ سعودیہ کو ایران کا پھیلتا ہوا اثر ورسوخ، بلکہ قبضہ تنگ کر رہا ہے، وہ جتنا ایران سے ڈرتا، اس سے بھاگتا اور اپنے آپ کو اس سے محفوظ کرنا چاہتا ہے، اُتنا امریکہ اسے اپنی گود میں اٹھاتا ہے، اس پر اپنا قبضہ مستحکم کرتا ہے، اس کے وسائل لوٹتا ہے اور اسلام و اہلِ اسلام کے خلاف اپنا کھیل کھیلنے کا اسے کھلا موقع ملتا ہے، نتیجتاً امریکہ کے لیے ایرانی وجود اور اس کے یہ توسیع پسندانہ منصوبے بہر صورت فائدہ مند ہیں۔ اس سب صورتِ حال کا فائدہ اسرائیل بھی خوب اٹھا رہا ہے۔ اسرائیل کے ساتھ عرب ممالک کی دوری تھی، مگر عرب ممالک کو چونکہ ایرانی دیو کا خوف ہے، اس لیے وہ ایران کے مقابل جہاں امریکہ سے حفاظت مانگتے ہیں، وہاں امریکی سپورٹ ان ممالک کی اسرائیل کے ساتھ دوستی اور قربت سے مشروط ہے۔ یوں ایران سعودی ٹینشن کا اسرائیل کو بھی بھرپور فائدہ ہوا۔ آج سعودیہ اور عرب امارات اسرائیل کے قریبی اتحادی بن گئے ہیں۔ ابھی حال ہی میں اسرائیل و امریکہ نے ارضِ قدس اور یہاں کے مسلمانوں کے خلاف جتنے بھی جارحانہ اقدامات اٹھائے، ان کا سبب ہی یہ ہے کہ اب فلسطینی مسلمان عرب عوام کی ہر قسم کی تائید سے محروم ہو گئے ہیں، تمام عرب حکام اب مکمل طور پر اسرائیلی اتحادی ہیں اور کسی بھی عوامی یا جہادی پیش رفت کو، جس کا فلسطینی مسلمانوں کو فائدہ ہو سکتا ہو، عرب حکام بڑی سختی کے ساتھ دبائیں گے۔ اندازہ لگائیے کہ سعودیہ میں موبائلوں کے اندر مجاہدین اور نظام مخالف افراد کو پکڑنے کے لیے ایک انتہائی اعلیٰ قسم کی جاسوسی ایپ (Pegasus) استعمال ہو رہی ہے۔ یہ جاسوسی ایپ سعودیہ کو اسرائیل نے ہی فراہم کی ہے[23]۔ اس طرح عرب امارات میں باقاعدہ اسرائیلی ڈرون بن رہے ہیں، پیسہ عرب امارات کا ہے جبکہ انجینئر اسرائیلی ہیں اور تیار ہونے والے ڈرون دونوں کے مشترکہ ہیں، جو ظاہر ہے مجاہدین کے خلاف ہی استعمال ہوں گے۔ یہ ڈرون طیارے مصر نے مجاہدین کے خلاف استعمال کیے بھی ہیں، صحرائے سینا میں مجاہدین کے خلاف مصر نے جو آپریشن کیا، اس میں یہی اماراتی اسرائیلی ساختہ ڈرون استعمال ہوئے[24]۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ ایران اور امریکہ میں دشمنی بھی ہے، اور امریکہ خود ایران کو اس جگہ تک لایا بھی ہے کہ آج وہ تمام عرب ممالک کے لیے خطرہ ہے، مگر جب بھی ایران اپنے لیے امریکیوں کے ہاں مقرر کردہ حد سے تجاوز کرتا ہے اور امتِ مسلمہ کے اُن وسائل کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا ہے، جن پر امریکہ اور اس کے غلام عرب حکام کا قبضہ ہے تو امریکہ اس کو حد میں رکھنے کے لیے سگنل دیتا ہے۔ پچھلے چار پانچ ماہ میں جب سے حوثیوں نے سعودیہ پر میزائل کارروائیاں شروع کی ہیں اور بحیرۂ عرب میں سعودی جہازوں پر حوثی حملے ہوئے، امریکہ نے ایران کو اس کی اوقات یاد دلانے کے لیے کئی سگنل دیے۔ سعودیہ کے تیل ذخائر پر حملہ ایران کا وہ قدم تھا جو غیر متوقع تھا اور اس کی 'حدود' سے بہرحال بڑا تجاوز تھا، آج جواب میں ایرانی جرنیل اور وہ بھی قاسم سلیمانی کو مارا گیا، جو امریکہ کا بھی غیر متوقع اقدام ہے۔ یہ ایران کے لیے امریکہ کی طرف سے پیغام ہے کہ وہ بس اسی دائرے میں رہے جو اسے دیا گیا ہے، زیادہ آگے آنا نا قابل قبول ہو گا۔

قاسم سلیمانی کے مرنے کے بعد، جب ریڈیو تہران پر ماتم ہو رہا تھا، ایک ایرانی بولا ''قاسم سلیمانی کو مار کر دوسری دفعہ یہ واضح ہوا کہ امریکہ بڑا دہشت گرد ملک ہے، پہلی دفعہ ۱۹۸۸ء میں، جب 'خلیج فارس' میں امریکہ نے ایرانی جہاز کو اپنے بحری بیڑے سے کروز میزائل مار کر گرایا۔ اس حادثہ میں دو سو نوّے (۲۹۰) ایرانی 'شہید' ہو گئے تھے، جن میں 66 بچے بھی تھے''۔ ماتم اور مکاری میں تو ایران کا کوئی ثانی نہیں! امریکہ نے واقعی ایرانی جہاز گرایا تھا اور اتنے ہی ایرانی لقمۂ اجل بھی بنے تھے مگر سوال ہے...... کیا امریکہ کی دہشت گردی کے صرف یہ دو واقعات ہیں؟ ایرانی جہاز اور قاسم سلیمانی!؟... کیا ان دو کے بیچ افغانستان و عراق، یمن و شام، مالی وصومالیہ بلکہ پوری دنیا میں جو امریکہ کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے، وہ تہران کے مطابق کوئی دہشت گردی نہیں؟ ...جی ہاں، وہ تہران کے مطابق اس لیے دہشت گردی نہیں کہ وہاں بہنے والا خون روافض کا نہیں، اہلِ سنت کا ہے ...یہی وجہ ہے آج تک ان مظالم پر نہ کبھی ایران بولا ہے اور نہ ہی کسی رافضی عالم کی طرف سے ان کے سبب جہاد کی

[23] الجزیرہ ٹی وی چینل ...المرصد، مع محمدمزیمر

[24] الجزیرہ ٹی وی چینل... المرصد - نمو العلاقة بين أبو ظبي و تل أبيب، مع محمد مزيمر

فرضیت کا فتوی یا اپیل آئی ہے...... دوسرا یہ کہ اس خون بہانے میں چونکہ خود ایران بھی شریک ہے، اس لیے تہرانی ریڈیو اس کا ذکر نہیں کرے گا! تیسری بات یہ کہ ۱۹۸۸ء میں امریکہ نے آپ کا جہاز گرایا، آپ نے کیا کیا؟؟ آپ اہلِ سنت کے خلاف اس کے سہولت کار اور مددگار بن گئے! امریکہ کا دہشت گرد ہونا آپ کا جہاز گرا کر (آپ کے مطابق) واضح ہو گیا، مگر اس کے باوجود کیوں افغانستان اور عراق، شام و یمن میں آپ اس کے اتحادی بنے؟؟ دہشت گرد، ظالم، کافر اور شیطان امریکہ کے اتحادی؟! محض اس وجہ سے کہ یہاں اہلِ سنت کا خون بہانا مقصود تھا اور اہلِ سنت کے اوپر جب تمہیں غلبہ حاصل کرنا ہو تو پھر تم اُس کے ساتھ بھی معاون و اتحادی بن جاتے ہو جس کو تمہارے خمینی نے 'شیطانِ بزرگ' تک کہا ہو اور جو خود تمہارا بھی دشمن اور قاتل ہو! ایسے میں آج جو ہوا، اس کو ہم مکافات عمل نہ کہیں، تو کیوں نہ کہیں؟!... شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ نے بہت پہلے فرمایا تھا کہ ایران جو بو رہا ہے، اس کو وہ جلد یا بدیر خود کاٹے گا اور جب یہ اپنے اس بوئے کو کاٹے گا تو تب کسی اور کو نہیں اپنے آپ کو یہ ملامت کرے!!

نظر نہیں آتا کہ ایران و امریکہ کے بیچ یہ کشیدگی اس موجودہ حدت سے کچھ زیادہ بڑھے گی، بلکہ یقین ہے کہ وقت کے ساتھ یہ حدت بھی کم پڑ جائے گی۔ اس لیے کہ ایران نے 'مرگ بر امریکہ' کے نعرے تو خوب لگائے ہیں، مگر آج تک اس نے امریکہ کے تمام تر مظالم وجفاکاریوں کے مقابل کمال درجہ کے 'تحمل و بردباری' اور 'عفو و درگزر' سے کام لیا ہے، اس لیے آئندہ بھی 'امید' یہی ہے کہ یہ چند ایسی انتقامی کارروائیاں تو کرے گا جن سے اس کی عزت بھی رہے اور امریکہ کی طبیعت بھی زیادہ نہ بگڑے، لیکن اہلِ سنت کے خلاف بھی اس کی فتوحات جاری ہوں اور امریکہ کے ساتھ بھی یہ دشمنی (بمعنیٰ دشمنی) کرے، ناممکن ہے۔ کسی ایک محاذ پر اسے مفاہمت کرنی ہو گی، لہٰذا نظر یہی آتا ہے کہ امریکہ کے خلاف اس کے زبانی جمع خرچ میں تو خوب اضافہ ہو گا، مگر عملاً امریکہ کو معاف کرنے میں ہی یہ اپنا مفاد سمجھے گا۔

ایک نکتہ باقی ہے اور وہ یہ کہ، اسرائیل، امریکہ اور سعودی حکام...... ایک اتحاد ہے اور اس اتحاد میں تباہی اہلِ اسلام کی ہو رہی ہے جبکہ مفاد یہ تینوں سمیٹ رہے ہیں۔ ظالم سعودی محض اپنی عیاشیوں کی خاطر رسول اللہ ﷺ کے جزیرۂ عرب کو کفر کا اڈہ بنائے ہوئے ہیں۔ سعودی حکمرانوں کو شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ نے جنگِ خلیج سے پہلے باقاعدہ پیشکش اور درخواست کی تھی کہ سعودیہ کی حفاظت کے لیے کسی کافر کو سعودیہ کی زمین پر نہ لائیں، یہاں کی حفاظت و دفاع کی ذمہ داری مجاہدین کو دیں، مجاہدین ایرانی رافضی یا صدام حسین، ہر قسم کے خطرے کے لیے ان شاءاللہ کافی ہو جائیں گے، اگر سعودیہ یہ مان لیتا تو آج پورے خطے کا نقشہ مختلف ہوتا اور ہر طرف اسلام کی بہاریں ہوتیں، مگر سعودی حکمرانوں کو اندازہ تھا کہ مجاہدین کو سعودیہ کی حفاظت کی ذمہ داری اگر دی جائے تو پھر ان کی منافقت، عیاشیاں اور اسلام دشمن منصوبے نہیں چل سکیں گے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ شیخ اسامہ کی پیشکش کو رد کر دیا بلکہ ساتھ شیخ کو مطلوب بھی قرار دیا۔ آج حالت یہ ہے کہ امریکہ نے سعودی حکومت کے سامنے اپنے تعاون کی شرط محض تحریک جہاد کے خلاف جنگ نہیں رکھی ہے، اس نے سعودیہ سے اسلام اور عفت وحیا کا جنازہ نکالنا بھی ابھی سعودی حکمرانوں کے ذمہ لگایا ہے۔ اسلام اللہ کے اذن سے حرمین شریفین کی سرزمین سے کبھی نہیں نکلے گا، البتہ محمد بن سلمان نے یہاں عریانی اور بدکاری عام کرنے کے لیے انتہائی لمبی چوڑی منصوبہ بندی کی ہے جس پر بڑی تیزی سے عمل جاری ہے۔ یہ سب کچھ امت کا درد رکھنے والوں کے لیے انتہائی دکھ کا باعث ہے، امتِ مسلمہ کا فائدہ اسی میں ہے کہ یہاں موجود اسلام کے یہ سب دشمن کمزور ہوں اور جو اللہ کے بندے، اللہ کے دین کو غالب دیکھنا چاہتے ہیں، وہی قوی اور مضبوط ہوں۔ اگر امریکہ اور ایران کے بیچ تلخی بڑھتی ہے تو اس کا براہ راست اثر سعودیہ کے شاہی خاندان اور سعودی نظام پر بھی پڑے گا، اس سب سے ان شاء اللہ خیر برآمد ہو گی اور ان شاء اللہ یمن کے جہادی قافلے، شام کے مجاہدین اور خراسان کے شہسوار سب کے لیے اس میں آسانی پیدا ہو گی۔

حالات جس طرح تیزی کے ساتھ تبدیل ہو رہے ہیں، نظر آتا ہے کہ اب اس عالمی نظامِ ظلم کی زندگی زیادہ باقی نہیں ہے۔ آج اللہ کا فضل ہے کہ جو مجرمین متحد ہو کر مسلمانوں کا خون بہاتے تھے، خود ان کی صفوں میں دراڑیں پڑتی نظر آرہی ہیں، اللہ اس پھوٹ کو بڑھائے اور امت کے مجاہدین کے لیے اس سے خیر برآمد فرمائے، آمین ثم آمین... الحمدللہ مجاہدین کو اپنے رب پر یقین ہے کہ وہ آنے والے حالات امتِ مسلمہ کے لیے باعث خیر رکھیں گے اور ان شاء اللہ مستقبل قریب میں افغانستان میں امارت اسلامیہ اور یمن وشام کے مجاہدین کا کردار اہم نظر آتا ہے۔ ساتھ ہی پھر ان شاء اللہ غزوۂ ہند میں بھی پیش رفت ہوتی نظر آرہی ہے، جس کے لیے تیاریاں اہل کفر اور اہل ایمان دونوں کی طرف جاری ہیں۔ بہر حال، موجودہ حالات میں مسلمان عوام کو نفاق اور ایمان کے خیموں کی پہچان حاصل کرنی چاہیے، یہ بہت اہم ہے۔

یہ امت الحمدللہ، بغیر قائد و محافظ کے نہیں ہے، اس کے حقیقی محافظین اور پاسبان مجاہدینِ اہلِ سنت ہیں، وہ مجاہدین جو عمر ثالث، امیر المؤمنین ملا محمد عمرؒ کے بے مثال قافلۂ عزیمت کے سپاہی ہیں۔ ان مجاہدین نے جس کو ظالم اور امت کا سب سے بڑا دشمن پایا، اس کو گھر میں جا کر مارا اور خراسان سے یمن وصومالیہ تک اس کے خلاف پچھلے تیس سالوں سے ڈٹے ہوئے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس عظیم لشکر اور اس کے اولوالعزم قائدین کے ذریعے اس کی بے سروسامانی کے باوجود امریکہ اور اس کے ساتھ عصر حاضر کے سب احزاب کو افغانستان کی سرزمین پر شکست فاش دے دی ہے۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر کفار کے ناکام ونامراد لوٹنے کے بعد جو قولِ مبارک آپ ﷺ نے فرمایا تھا، آج بھی مجاہدین وہ پورا ہوتا دیکھ رہے ہیں، (الْآنَ نَغْزُوهُمْ، وَلَا يَغْزُونَا)، اب ہم ان کے خلاف چڑھائی کریں گے، یہ ہمارے خلاف نہیں کر سکیں گے! جی ہاں، اب ہماری باری ہے اور الحمدللہ امارت اسلامی کے بیعت یافتہ مجاہدین خراسان وبرصغیر سے یمن ومالی اور صومالیہ تک بیت المقدس کی طرف اپنا سفر جاری رکھے

ہوئے ہیں۔ امت کے ان ہیروں نے ثابت کر دیا ہے کہ اسلام کا غلبہ، کفر کی تباہی اور امت کی عزت و شوکت اگر چاہیے تو آیئے تحریکِ جہاد کے اس عظیم قافلے میں شامل ہو جایئے۔ آج جو اس قافلے کے ساتھ جڑا، جس نے ایمان کے خیمے کا چناؤ کیا، اُسے پھر کسی 'رافضی' کے 'مرگ بر امریکہ' نعرے...... کسی سلمان یا محمد بن سلمان کے 'خادم الحرمین' جیسے القابات اور اردگان جیسوں کی 'قیادتیں' دھوکہ میں نہیں ڈال سکیں گی۔ اُن کے سامنے حق اور اہلِ حق کی یہی پہچان ہو گی جو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کی ہے۔ وہ دیکھیں گے کہ کوئی لیڈر، اس کی دعوت...... اور اس کی تحریک...... کیا اس کسوٹی پر پوری اتر رہی ہے یا نہیں، اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ○ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ○ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ○﴾ (سورۃ المائدۃ: ۵۴-۵۷)

"اے ایمان والو! جو کوئی بھی پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے تو اللہ عنقریب (تمہیں ہٹا کر) ایک ایسی قوم کو لے آئے گا جنہیں اللہ محبوب رکھے گا اور وہ اسے محبوب رکھیں گے وہ اہلِ ایمان کے حق میں بہت نرم ہوں گے کافروں پر بہت بھاری ہوں گے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں کریں گے یہ اللہ کا فضل ہے، جس کو چاہے عطا کرتا ہے اور اللہ بہت وسعت رکھنے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ تمہارے ولی تو اصل میں بس اللہ، اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اہلِ ایمان ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں جھک کر۔ اور جو کوئی دوستی قائم کرے گا اللہ، اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ایمان والوں کے ساتھ پس سن لو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے۔ اے اہلِ ایمان، ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی تھی تم سے پہلے اور دوسرے کافروں میں سے بھی اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اگر تم مؤمن ہو۔"

ان آیاتِ کریمہ میں اہلِ حق کو پہچاننے کے لیے بھی پوری نشانیاں بیان ہوئی ہیں... اور خود اہلِ حق بننے کا لائحہ بھی بتایا گیا ہے، الحمد للہ!!

اللہ امت مسلمہ کو حق، حق دکھائے اور حق کی تائید و نصرت کرنے کی اس کو توفیق دے اور اللہ اسے باطل باطل دکھادے اور باطل سے اجتناب کی اسے توفیق دے، اللہ سے دعا ہے کہ وہ کفار و منافقین کے خلاف مومنین مجاہدین کی مدد و نصرت فرمائے اور اللہ آگے کا دور امت کے لیے ہدایت، نصرت اور عزت کا دور ثابت فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بقیہ: نظامِ طاغوت سے برأت

کونسل میں سیٹ سنبھالتا ہے، اور اس حلف کے ساتھ سنبھالتا ہے کہ میں دستور کا، ملک کا، قانون کا وفادار رہوں گا، اور عموماً یہ حلف اس خدا کے نام سے لیتا ہے جس کی وفاداری کے سوا اصلاً کسی کی بھی غیر مشروط وفاداری اس کے دین میں حرام ہے، اور پھر کتاب و سنت سے اسی شانِ بے نیازی کے ساتھ مسائلِ زندگی کے متعلق قانون بناتا ہے...... وہی شخص، ہاں مسلمان نامی شخص، اگر اپنی مسجد میں آکر اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ کی حقانیت واضح کرتا ہے، وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ پر دھواں دار تقریر کرتا ہے، دنیا کو ان اقیموا الدين اور اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ کا پیغامِ شاہی سناتا ہے، اور وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ سے امت مسلمہ کے فضائل و مناقب پر فصاحت و بلاغت کے موتی بکھیرتا ہے، اور پھر اس کے قول و عمل کا یہ دوغلا پن کچھ ایک دو دن نہیں بلکہ سالہا سال پوری زندگی میں جاری رہتا ہے، تو اس کی اس روش سے دنیا کیا سمجھے گی؟ وہ اقوام غیر کے سامنے کس امت کا شاہد بنے گا؟ اس کی کوششوں سے دین کی جڑیں مضبوط ہوں گی یا کھوکھلی؟ اگر آج تک کسی نے اپنے اصولوں کی ترویج و اقامت خود انہی کی عملی مخالفت کر کے کی ہو تو مسلمان بھی شوق سے ایسا کر سکتے ہیں، لیکن اگر ایسا آج تک کبھی نہیں ہوا ہے، جیسا کہ واقعہ ہے، تو مسلمان یاد رکھیں کہ ان کے لیے قانون قدرت بدل نہیں جائے گا۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

ہم اسلام کے خادم ہیں!

"ہمیں امت کو جہاد سے آشنا کروانا ہے۔ اس امت میں بہت سے قابل لوگ ہیں۔ جہاد صرف ہمارے لیے مخصوص نہیں اور امت کو اس میں اپنا کردار معلوم ہونا چاہیے۔ ہمیں امت کو بھی اس میں شامل کرنا چاہیے۔ کوئی بھی باصلاحیت اس میں اگر حصہ لینا چاہتا ہے تو ہمیں دل کھول کر انہیں قبول کرنا ہو گا۔ اس امت کی تعمیر میں اس کا بھی حصہ ہونا چاہیے۔ ہم مسلمانوں کے درمیان ایک جماعت ہیں۔ ہم مسلمانوں کی واحد جماعت نہیں۔ ہم ان لوگوں میں سے ہیں جو دینِ اسلام کی خدمت کرتے ہیں۔ ہم اچھائی کی طرف بلاتے ہیں، اور اس پر زور دیتے ہیں کہ غلطی و برائی سے بچیں۔"

(الشیخ قاسم الریمی حفظہ اللہ)

نظامِ طاغوت سے برأت

حضرت مولانا صدر الدین اصلاحی ؒ

رخصتِ اضطرار

جہاں تک نفسِ مسئلہ تعاون کا تعلق ہے، اس کا علمی تجزیہ اور الگ الگ ہر صورتِ حال کے لیے حکمِ شریعت تو یہی ہے، اور اصلاً کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ نظامِ جاہلیت کے ساتھ تعاون کی ادنیٰ صورت بھی اختیار کرے کیونکہ اس نظام کے ساتھ کسی قسم کی ساز گاری کرنا اس کو قائم رکھنے اور پائیداری بخشنے کے ہم معنیٰ ہے اور شریعت کے اصول اور محکم ضوابط میں سے ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ جاہلیت اور اس کے لوازم کے ساتھ ساز گاری نہ کرو، اور بقول علامہ سرخسیؒ، شرک و کفر کی اعانت حرام ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ شریعت کا ایک اصولی ضابطہ یہ بھی ہے کہ مجبور کُن حالات میں حرام کا اختیار کرنا مباح ہو جاتا ہے، (فمن اضطر الخ) جس قسم کے مسلمانوں کا معاملہ اس وقت ہمارے سامنے ہے، وہ یقیناً ایسے حالات سے بالکلیہ آزاد نہیں کہے جاسکتے جن میں جبر کا پہلو موجود ہو۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ جہاں کہیں بھی جبر و اضطرار کے حالات واقعی رونما ہوں وہاں حرمت کی ان بندشوں کو ڈھیلا نہ سمجھا جائے۔ نظری بحث کی حد تک تو اس بات کے برحق اور متفق علیہ ہونے میں کوئی کلام نہیں، مگر اس ضابطے کا عملی انطباق ایک نہایت اہم اور نازک مسئلہ ہے، خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ ایمان کی خود ہی ہچکیاں لے رہی ہو، اور پست خیالی، دوں ہمتی اور سہل انگاری لوگوں کا وطیرہ بنتی جا رہی ہو۔ نفس انسانی بالطبع سہل پسند واقع ہوا ہے، وہ اپنے لیے رعایتوں کے ڈھیر سمیٹ لینا چاہتا ہے۔ اور اگر ان رعایتوں اور رخصتوں کا تعین خود اسی پر چھوڑ دیا جائے تو وہ ہی اپنے جھولے میں جو کچھ بھی نہ بھر لے تھوڑا ہی ہے۔ اس لیے بڑی دیدہ دری کے ساتھ حالات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ آیئے دیکھیں کہ کسی غیر اسلامی اسٹیٹ کے محکوم مسلمانوں کو واقعی کیا مجبوریاں پیش آسکتی ہیں اور ان مجبوریوں کے نتیجے میں وہ مجبور ہو کر اس کے ساتھ تعاون کی، جو اصلاً بہر حال تعاون علی الاثم ہی ہے، مختلف صورتوں میں سے کن صورتوں کو اختیار کر سکتے ہیں اور کن احساسات کے ساتھ؟

اضطرار کی واقعی صورتیں

نظامِ جاہلیت سے اس تعاون کے لیے واقعی مجبوریاں دو ہی قسم کی ہو سکتی ہیں:

ایک تو یہ کہ محکوم مسلمانوں کو کونسلوں کی شرکت اور سرکاری ملازمت پر حکومت کی طرف سے مجبور کیا جائے۔

دوسری یہ کہ کسی مسلمان کو معاشی تنگ حالیاں گھیرے ہوئے ہیں اور وہ اپنے کم سے کم کفاف کے لیے نظامِ جاہلی کی خدمات کے سوا اور کوئی چارہ کار ہی نہ پاتا ہو۔

۱۔ حکومت کا جبر

جہاں تک پہلی صورتِ اضطرار کا تعلق ہے، اس کا پایا جانا بسا دشوار ہے۔ تاہم بالفرض اگر کہیں یہ عجیب و غریب صورتِ اضطرار موجود ہی ہو، تو کونسلوں میں شریک ہو جانے اور کتاب و سنت سے بے نیاز ہو کر قانون سازی کرنے میں بھی آدمی معذور ہے، چہ جائیکہ تعاون کی کوئی اور شکل، کہ وہ بہر حال اس سے فروتری ہی ہو گی کیونکہ جب خوف جان سے وقتی طور پر صریح کلمۂ کفر کہہ دینے تک کی رخصت موجود ہے (من أکرہ الخ) تو نسبتاً ہلکے گناہوں کے ارتکاب کی رخصت کیوں نہ ہو گی؟

۲۔ معاشی مجبوری

رہ گئی دوسری صورتِ اضطرار تو اس کے وجود کا ہمہ وقت امکان ہے، اور ناگزیر ضروریاتِ زندگی کا مسئلہ بھی اگر اس تعاون کے بغیر حل ہوتا نظر نہ آئے تو یقیناً ایک شخص کو اجازت ہونی چاہیے کہ وہ نظامِ کفر کی چاکری قبول کر لے۔ لیکن اس سلسلے میں بھی دو اصولی باتوں کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے:

۱۔ یہ کوئی اجتماعی پالیسی کی بات نہیں، بلکہ اس کی حیثیت بالکل انفرادی ہے، یعنی مضطر قوم نہیں، افراد ہوتے ہیں، اور ایسی معاشی مجبوریاں کہ نظامِ جاہلی کی نوکریاں کیے بغیر جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنا دو بھر ہو جائے[25]، پوری قوم کو نہیں بلکہ صرف افراد کو پیش آسکتی ہیں، اس لیے وہ پوری قوم کی معاشی پالیسی کی بنیاد نہیں ہو سکتیں۔ قوم کی اجتماعی پالیسی تو اس کے خلاف ہو گی، اور اس کا عمومی مزاج اس کو برابر نظروں سے گرانے کی کوشش کرے گا، کہ بہر نوع یہ اصلاً ہے ایک کارِ منکر ہی، اور اگر کسی مجبوری کی بنا پر وہ کسی فرد کے حق میں مباح ہو گیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ اسے غنیمتِ باردہ سمجھ بیٹھے، اور دوسرے اہلِ ملت بھی اس "کامیابی" پر اس کی تحسین و آفریں کریں۔ یقیناً اس فرد کو سزاوارِ ملامت تو کوئی نہیں قرار دے سکتا، مگر اس کی اس حالت کو پسند کرنا بھی کسی کے لیے ممکن نہیں۔ لیکن اگر بدقسمتی سے قوم کا اجتماعی ضمیر اس صورت کو گوارا کرنے لگا اور اس طرح نظامِ باطل کی جلوداری کر کر کے مسلمانوں کی معاشی فلاح و ترقی کو قومی پالیسی ٹھہرا لیا گیا تو اس کا صرف ایک ہی نتیجہ برآمد ہو گا

---

[25] جس طرح بحالتِ مجبوری خنزیر کھانا۔ ان نوکریوں کی حیثیت اس سے قطعی مختلف نہیں۔ (ناشر، ماہنامہ "زندگی" رام پور)

اور وہ یہ کہ پوری قوم انہی معاشی مجبوریوں اور مصلحتوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالے گی، اور جس شجرِ خبیث کی بیخ کنی اس کی زندگی کا فریضہ و مقصد تھا، اسی کی حفاظت اور آبیاری کی خدمتیں انجام دینے میں اس کی نسلوں پر نسلیں بیتتی چلی جائیں گی، یہاں تک کہ نظامِ اسلامی کا قیام اس کے لیے ایک لفظِ بے معنیٰ ہو کر رہ جائے گا۔

۲. اس اضطرار کے بھی درجات ہیں، جو افرادِ قوم بھی اپنی معاشی مشکلات کے حل کے لیے بادلِ ناخواستہ کسی نظامِ جاہلی کی خدمت گزاری پر مجبور ہوں انہیں اس خدمت کی مختلف قسموں میں امتیاز کرنا پڑے گا۔ مجبوری کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انہیں اس نظام سے ہم رشتہ ہو جانے میں بالکل چھوٹ ہے، اور جس نوعیت کے رشتے کو چاہیں، یکساں تصورِ اباحت کے ساتھ جوڑ سکتے ہیں، اب انہیں قانون کے تحت جس طرح اس کی اجازت ہے کہ ریل، ڈاک، تار، حفظانِ صحت اور تعلیمات وغیرہ محکموں میں ملازمت کر لیں[26]، اسی طرح وہ اس کے بھی مجاز ہیں کہ بینکنگ، آب کاری، عدالت اور فوج جیسے محکموں میں بھی اپنی خداداد صلاحیتوں کا سودا کرتے پھریں، یہاں تک کہ اگر اسمبلی کی ممبری کے بھتے اس مشکل کشائی کے لیے تیار ہوں تو بلا تکلف ان سے بھی استعانت کی جاسکتی ہے۔ بخلاف اس کے صحیح رویہ یہ ہو گا کہ اگر حصولِ معاش کے لیے نظامِ کفر کی چاکری کیے بغیر کوئی چارۂ کار نظر ہی نہ آئے، تو صرف دوسرے درجے کی نوکریاں ہی گوارا کی جائیں، جو بلاواسطہ نہیں بالواسطہ حرام ہیں، جو دوہری نہیں بلکہ صرف اکہری معصیت ہیں، تاکہ جہاں تک ممکن ہو اس نظامِ باطل کی اعانت و تقویت سے انسان بچ سکے، جس کو وہ اصولاً اور اعتقاداً غلط سمجھتا ہے، اور اس کو تعاون علی الاثم کے کھلے مظاہرے نہ کرنے پڑیں، کونسلوں میں بیٹھ کر اپنے اصولی عقائد کی خلاف ورزی نہ کرنی پڑے، قتال فی سبیل اللہ، عدالت، آبکاری اور بینکنگ جیسے محکموں میں جاکر بالواسطہ بھی اور بلا واسطہ بھی، یعنی دوہری قسم کی معصیت کا ارتکاب نہ کرنا پڑے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے حالتِ اضطرار کی رخصتوں کا جہاں ذکر فرمایا ہے، وہیں اصلاً حرام اشیا سے استفادہ کرنے کے لیے یہ شرط بھی عائد کر دی ہے کہ انسان "حدِ ضرورت" سے آگے نہ بڑھے (فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ) " پھر جو کوئی پھنسا، نہ بے حکمی کرتا ہے نہ زیادتی، تو اسے نہیں گناہ، اللہ بخشنے والا ہے مہربان "۔ (البقرۃ:۱۷۳) "حدِ ضرورت" میں جس طرح یہ بات شامل ہے کہ آدمی واقعی ضرورت سے زائد مقدار میں حرام استعمال نہ کرے، اسی طرح یہ بات بھی اس سے الگ نہیں کہ کم سے کم حرمت والی چیز ہی استعمال کرے، اور جس درجے کی حرام چیز، یا حرام ذریعے سے پیش آمدہ مشکل کا حل نکل آتا ہو، اس سے بڑے درجے کی حرمت والی شے یا ذریعے کو ہر گز ہاتھ نہ لگایا جائے۔ مشکوک یا مکروہ پانی کی موجودگی میں ناپاک پانی سے پیاس بجھانے کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا، اور اگر ناپاک پانی موجود ہو تو شراب پی کر جان بچانے کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ مولانا تھانویؒ کے اس خیال کو پھر سے ذہن مین تازہ کر لیجیے کہ "اگر کوئی اور صورت معاش کی نہیں تو تعلیمات وغیرہ کی ایسی نوکریاں کرو جن میں عدالتی عہدوں کی طرح شریعت کے احکام کی صراحتاً مخالف نہ کرنا پڑے"۔ اسی طرح (شاہ عبد العزیز) محدث دہلویؒ کے ان الفاظ پر بھی دوبارہ نظر ڈال لیجیے، جن کی ابتدا انہوں نے "عند التعمّق "(یعنی خوب گہرائی) سے کی ہے۔ معاشی مجبوریوں کی بنا پر نظامِ جاہلیت کی خدمت کار گزاری اسی وقت مباح ہو سکتی ہے، جب ان دونوں اصولوں کا پورا پورا لحاظ کر لیا جائے۔ اس کے بعد درجۂ دوم ہی کی نہیں درجۂ اول کی ملازمتیں بھی انگیز (برداشت) اور اختیار کی جاسکتی ہیں۔ اگرچہ عملی نقطۂ نگاہ سے صورتِ حال بہت شاذ و نادر ہی پیش آسکتی ہے۔ کیونکہ اصولاً یہ ملازمتیں اسی وقت قبول کی جانی چاہییں جب درجۂ دوم کی اکہری معصیت والی ملازمتیں بھی نہ مل سکیں، اور تجربہ یہ کہتا ہے کہ ایسی ملازمتوں کا ملنا دوسری قسم کی ملازمتوں کے ملنے کے مقابلے میں دشوار تر ہے، اور ان کے لیے کافی صلاحیتوں کی بھی ضرورت ہے۔ حالانکہ جن لوگوں کے اندر ایسی صلاحیتیں موجود ہوں کہ وہ بینک کا نظام چلاسکیں، یا عدالت کی کرسیوں پر بیٹھ سکیں، یا قانونی نقطہ بیان کر کے مقدمات میں بحث کر سکیں، وہ دوسری قسم کی نسبتاً معمولی ملازمتوں کے لیے زیادہ اہل قرار دیے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ وہ خود بھی انہیں پسند کریں، اور وہ ایسی ملازمتیں آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں، بشرطیکہ انہی پر وہ خود بھی قانع ہوں۔ علاوہ ازیں یہ ملازمتیں بالعموم ایسی ہوتی ہیں، جن کے لیے قصداً پہلے سے تیاری کرنی پڑتی ہے، اور سالہا سال ان کے لیے ایک خاص قسم کی تعلیم حاصل کرنی ہوتی ہے۔ تب کہیں جاکر انسان اس قابل ہوتا ہے کہ اس نوکری کا نام لے سکے۔

---

[26] دراصل یہ ادارے کفر و شرک کی عظمت و شوکت کے ساتھ ساتھ آج اسے چلانے والے بنیادی اداروں کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں۔ بلکہ طاغوتی نظام اپنے مکروہ چہرے پر پردہ ڈالنے کے لیے رفاہِ عامہ کے انہی اداروں کا حوالہ دے کر بندگانِ خدا پر اپنے تسلط کو دراز کرنے میں کامیاب ہو سکا ہے۔ جہاں تک ریل وڈاک تار کے محکموں کا معاملہ ہے تو یہ بات ہمارے ذہن میں رہنی چاہیے کہ انگریزوں نے ہند میں اپنی آمد کے بعد سب سے پہلے ان کی بناڈالی، جو ان کے تسلط کو قائم رکھنے کے لیے ناگزیر تھا آج بھی برسرِ اقتدار طاغوتی نظام ان سے ویسی ہی خدمت لے رہا ہے۔ اسی طرح بظاہر بے ضرر معلوم ہونے والے حفظانِ صحت اور تعلیم کے محکموں کا حال ہے۔ جو آج کفر کا سب سے دھاردار ہتھیار بن چکے ہیں۔ باطل کے غیر شرعی اسکیموں کو متعارف کرانے اور اس کے لیے مختلف موقعوں پر رائے عامہ ہموار کرنے میں یہ ادارے بے حد اہم رول ادا کر رہے ہیں۔ انتخابات کے بیلٹ پیپر بنانے سے انتخابات کرانے تک، فیملی پلاننگ سے نس بندی تک، سیکس ایجوکیشن سے ایڈز کے بارے میں اویرنیس پیدا کرنے تک (جس کا مقصد پورے معاشرے میں حیا و شرم کی بساط لپیٹ دینے کے سوا کچھ نہیں) نہ جانے کتنے امور انہی محکموں کے ذریعے انجام دیے جا رہے ہیں۔ اور مسلم معاشرے کے لیے یہ انتہائی مہلک اس لیے بھی ہیں کہ جب ایک استاد یا ڈاکٹر جسے معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ کام کرتا نظر آتا ہے تو اس کے اثرات غیر معمولی پڑتے ہیں۔
اس لیے باطل کے ہمہ گیر تعلق کے بعد شاید ہی کوئی محکمہ بے ضرر بچا ہے جیسا کم سے کم تیس سال پہلے بظاہر نظر بھی آتا تھا۔ (ناشر، ماہنامہ "زندگی" رام پور)

ایسا ہوتا نہیں کہ آج کسی کو رزق کی مجبوری پیش آئی، اور اس نے محسوس کیا کہ اس طرح کی نوکری کے سوا اور کوئی ذریعہ میری مشکل کے حل کا نہیں، پھر وہ اٹھا اور سرکار کے حضور ملازمت کی پیش کش لے کر کھڑا ہو گیا، اور اسے کرسی پیش کر دی گئی، اس لیے ازروئے واقعہ اس قسم کی ملازمتوں کا اضطراراً اختیار کیا جانا کچھ بہت دشوار سی بات ہے ایسی ملازمتیں تو وہی پا سکتا ہے جو ایک مدت سے ان کے لیے فراغِ قلب کے ساتھ تیاری کر رہا ہو اور ان کی تمنا دل میں پال رہا ہوتا ہے۔ کیا ایسے آدمی کو واقعی مضطر کہا جا سکتا ہے؟

لیکن ہم شاذ و نادر حالات کا انکار بھی نہیں کر سکتے۔ پس ایک آدھ آدمی اگر واقعی معنوں میں مضطر ہوں اور پورے اخلاص کے ساتھ محسوس کریں کہ اضطرار کی ساری شرائط وہ اپنے اندر رکھتے ہیں، تو یقیناً وہ یہ ناگوار قدم بھی اٹھا سکتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ جتنا بڑا یہ گناہ ہے، اتنی ہی زیادہ شدید مجبوری کے عالم میں یہ قدم اٹھانا چاہیے پھر اتنا ہی زیادہ اپنے دل میں ناگواری اور استکراہ کا سخت جذبہ موجود رکھنا چاہیے، اور محسوس کرتے رہنا چاہیے کہ میں یہ کارِ ناکردنی کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے اور جلد سے جلد اس سے گلو خلاصی بخشے، نہ صرف یہ دعا کرے بلکہ اپنی پوری کوشش بھی صرف کرتا رہے، اور ممکن عجلت کے ساتھ غلاظت کے اس متعفن لبادے کو اپنے اوپر سے اتار پھینکے۔

جہاں تک نظامِ کفر کے ساتھ تعاون کی پہلی قسم کا علم ہے، معاشی مجبوریوں کی بنا پر اس کے اختیار کرنے کی حالتِ اضطرار ہر گونہ خلافِ قیاس ہے۔ اس لیے کونسلوں کی رکنیت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

حالتِ اضطرار کا محمل

رہی یہ بات کہ کوئی آدمی واقعی معنوں میں مضطر کب ہوتا اور کب رہتا ہے؟ یعنی وہ کیسے حالات میں بدی اور جاہلیت کے ساتھ اس جبری تعاون کے لیے تیار ہو، اور کیسے حالات تک یہ تعاون کرتا رہے؟ تو یہ بات کسی دوسرے سے زیادہ خود اپنے طے کرنے کی ہے۔ جتنا ہی زیادہ انسان کا احساسِ ایمانی بیدار ہو گا اتنا ہی زیادہ اس رخصت سے اپنے کو بچانے کی کوشش کرے گا۔ کوئی دوسرا کسی کی واقعی مجبوریوں کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ یوں اس مسئلے پر اگر گفتگو کی جائے تو بہت طویل ہو جائے گی۔ اس لیے ہم یہاں صرف ایک صاحب علم بزرگ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم و مغفور کا نقطۂ نگاہ درج کرنے پر اکتفا کریں گے۔ مولانا عبد الباری ندوی صاحب مولانا مرحوم کے خیال کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”بلکہ اگر اتفاق سے اگر کسی ایسی ملازمت میں مبتلا ہو، اور کم ہمتی سے اس کا اندیشہ ہو کہ اس کو ترک کر کے اور زیادہ مفاسد میں پڑ جاؤ گے، مثلاً معاشی تنگی کا تحمل نہیں، اس کی پریشانیوں میں پڑ کر اللہ سے شکوہ شکایت پیدا ہو، نماز روزے کے فرائض سے بددل ہونے کا ڈر ہو (کاد الفقر ان یکون کفراً) تو ایسی صورت میں جب تک کوئی دوسرا ذریعہ پیدا نہ ہو، ایسی ملازمت کو معصیت سمجھتے اور استغفار کرتے رہو، ساتھ ہی اس کی پوری کوشش کرتے رہو کہ جلد از جلد اس سے نجات ہو، خواہ اس کی کوشش میں زندگی بھر کامیابی نہ ہو، مگر کوشش کا حق ادا ہو، محض کوشش ناکام نہ ہو۔“

حالتِ اضطرار کا ہمارے خیال میں یہ نرم سے نرم اور نیچا سے نیچا معیار ہے۔ غالباً مولانا نے ابنائے زمانہ کی پست ہمتوں کو دیکھ کر اتنی غیر معمولی رعایت فرمائی ہے۔ تاہم اصولاً ان کی یہ بات بالکل صحیح ہے، اور ان کا یہ ارشاد نوٹ کر لینے کے قابل ہے کہ ”جب تک کوئی دوسرا ذریعہ پیدا نہ ہو، ایسی ملازمت کو معصیت سمجھتے رہو“۔

غالباً مولانا تھانویؒ نے ابنائے زمانہ کی پست ہمتوں کو دیکھ کر اتنی غیر معمولی رعایت فرمائی ہے۔ تاہم اصولاً ان کی یہ بات بالکل صحیح ہے، اور ان کا یہ ارشاد نوٹ کر لینے کے قابل ہے کہ ”جب تک کوئی دوسرا ذریعہ پیدا نہ ہو، ایسی ملازمت کو معصیت سمجھتے رہو“۔

اضطرار کی غیر واقعی صورت

یہ ہے اضطرار کی واقعی صورت اور حالت، اور اس کی انتہائی وسعت۔ لیکن غلامی و محکومی صرف ایک برائی ہی نہیں ہے، بلکہ بے شمار برائیوں کا سرچشمہ بھی ہے۔ جسموں کی غلامی پر جب طویل دور گزر جاتا ہے، تو غالب اقتدار رنگ رنگ کے نئے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر دماغوں پر حملہ آور ہوتا ہے، اور رفتہ رفتہ جسمانی غلامی کے ساتھ ساتھ فکری غلامی کا بھی آغاز ہو جاتا ہے۔ اس وقت ذہنیتیں منقلب ہو جاتی ہیں، نقطۂ ہائے نظر بدل جاتے ہیں، ضمیر کے احساسات فاسد ہو جاتے ہیں، اور خوب و ناخوب کا معیار یکسر الٹ کر رہ جاتا ہے۔ یہ قدرت کا ایک قانون ہے، جس سے مسلمان بھی مستثنیٰ نہیں۔ اس لیے کچھ بعید نہیں، اگر اضطرار کا محل بھی بدل لیا جائے اور مجبوری کی ایسی صورتیں بھی قرار دے لی جائیں، جو بالکل غیر فطری اور غیر واقعی ہوں، اور پھر نظامِ کفر سے تعاون کے سارے ہی دروازے چوپٹ کھول لیے جائیں۔ یہ صرف گمان ہی گمان نہیں، بلکہ آنکھوں دیکھا واقعہ ہے۔

قومی مفاد

اضطرار کی غیر واقعی صورتوں میں سب سے زیادہ مشہور و مقبول صورت قومی مفاد کی پامالی ہے۔ محکوم قوم کا سب سے بڑا جرم یہ ہوتا ہے کہ وہ محکوم ہے، اس جرم کی پاداش میں اس کو اپنی غیرت، اپنی دولت، اپنی ملی حشمت، اپنی تہذیب، اپنے دین، اپنے نظامِ زندگی سب کو مجروح دیکھنا ناگزیر ہے، اور اس ناگفتہ بہ صورتِ حال کا علاج ہے بڑا سخت، اور ذہنوں کا بالخصوص غلام ذہنوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ آسان نسخے کی جستجو میں رہتے ہیں۔ ادھر وہ نظامِ قاہر جو ان پر مسلط ہوتا ہے، خود اپنی مصلحتوں کے پیشِ نظر ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں

ہوتا ہے، اور اس کے عوض ان کے سامنے کچھ قومی منافع پیش کرتا ہے۔ طلب اور جوابِ طلب کا یہ "قران السعدین" عجیب وغریب نتیجہ پیدا کر دیتا ہے، اور محکوم اسی نظام حکومت کی بنیادوں کو مضبوط بنانے میں مصروف ہو جاتا ہے، جو اس کے اپنے مقصدِ ملی کی ہڈیوں پر قائم ہوا ہوتا ہے بعینہٖ یہی صورتحال ان مسلمانوں کو بھی پیش آجاتی ہے جو ایک مدتِ دراز سے محکومی کی زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ رزق کے قریب قریب سارے ہی دروازوں پر حکومتِ حاضرہ سے عملی تعاون کی شرط آویزاں ہے، اس لیے اگر اپنے لیے دینی اصولوں کی جامد تقلید کی گئی تو قوم اقتصادی حیثیت سے تباہ ہو جائے گی۔ اور چونکہ قومی ترقی اسی اقتصادی استحکام پر موقوف ہے (حالانکہ قرآن نے اسے کسی اور ہی چیز پر موقوف قرار دیا تھا) اس لیے پوری قوم کو سرکاری ملازمتوں سے بیش از بیش فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اس طرح بلا امتیاز سارے ہی محکموں کی چاکری پوری قوم کی اجتماعی پالیسی بن جاتی ہے۔ خیر ابھی تک تو غنیمت ہے، اور اگر جوشِ تعاون کی یہ رَسی حد پر جا کر رک جاتی تو کسی طرح صبر بھی کیا جا سکتا تھا، مگر وہ آگے بڑھتی ہے اور مفادِ قومی کی حفاظت کا جذبۂ بے اختیار مسلمان کو ان جگہوں کی طرف بھی سر کے بل دوڑا دیتا ہے، جہاں "شریعتیں" بنائی جاتی ہیں، جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حقوق قانون سازی رکھنے والے طواغیت اکٹھا ہوتے ہیں، اور جہاں ربّ العالمین کی حاکمیت کو اعلانیہ چیلنج دیا جاتا ہے، جس کو سن کر مومن کا احساسِ غیرت چیخ اٹھتا ہے ؎

"اے کاش جانتا نہ تری رہ گزر کو میں"

ظاہر ہے کہ نظامِ جاہلیت کے ساتھ تعاون کی یہ معراج ہے، اور ایک مومن کے بنیادی تصوراتِ ایمانی کے صریح خلاف۔ مگر ہمیں معلوم ہے کہ جو لوگ یہ روش اختیار کرتے ہیں وہ بسا اوقات اپنے شعور کی حد تک انتہائی مخلص ہوتے ہیں، وہ قومی درد سے بے تاب ہوتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے حقوق اگر بچائے جا سکتے ہیں تو اسی طرح۔ اگر ہم اپنے سیاسی تصوراتِ زندگی کی قربانی اس وقت گوارا نہ کریں تو اغیار ہمارے زندگی کے دروبست پر بری طرح چھا جائیں گے اور آئے دن جو قوانین بنتے رہتے ہیں، ان میں ہمارے مفاد اور احساس کا کوئی لحاظ نہ رکھا جائے گا۔ یعنی یوں کہیے کہ یہ لوگ اپنے کو مجبور و مضطر سمجھتے ہیں، اور رخصت اضطرار کے ماتحت ہی کرتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں...... لیکن دراصل قانونِ اضطرار کی یہ نہایت غلط تطبیق اور رخصتِ اضطرار سے بالکل بے جا فائدہ اٹھانا ہے۔ جہاں تک اقتصادی استحکام کے لیے بلا امتیاز سارے ہی محکموں کی ملازمت کا تعلق ہے یہ خالص مادہ پرستانہ اندازِ فکر ہے۔ ایسے حضرات کو یہ معلوم ہی نہیں کہ مسلمانوں کا عروج و استحکام ان کے اقتصادی استحکام میں نہیں، بلکہ ان کے اخلاقی اور دینی استحکام میں ہے۔ پھر بھلا وہ مسلمان کیا ترقی کریں گے جو اپنی مزعومہ معاشی فلاح کے لیے اپنے اخلاقیات اور اپنے اصولِ دین کو ٹھوکریں مار دیں۔

رہ گئے وہ لوگ جو قومی مفاد کے ڈر سے مجبور ہو کر کونسلوں کی شرکت تک کو ضروری سمجھتے ہیں، ان میں سے وہ حضرات بھی جن کو خلوص کا پیکر سمجھا جا سکتا ہے، فکر و نظر کے نہایت بھیانک عدمِ توازن میں مبتلا ہیں۔ ان کا حال اس نادان ماں کا سا ہے جو ممتا کے اندھے جوش میں مدقوق بچے کو وہ سب کچھ کھلاتی رہتی ہے جس کی وہ خواہش ظاہر کرتا ہے۔ اور ذرا خیال نہیں کرتی کہ اس طرح کل مرنے والا مریض آج ہی دم توڑ دے گا۔ اسے ان لوگوں کی فہمائش مطلق نہیں بھاتی جو اس کو اس حرکت سے روک رہے ہوں، بلکہ بعض اوقات الٹا ان کو بچے کا دشمن سمجھنے لگتی ہے، اور بطور خود یہ گمان کرتی ہے، کہ انہیں میرے دردِ دل کا حال کیا معلوم؟ میرے لختِ جگر کی حسرتوں اور خواہشوں کا انہیں کیا خیال؟ کون ہے جو اس کے اپنے بچے کی فطری محبت اور ہمدردی پر حرف رکھ سکے؟ مگر کیا قانونِ قدرت بھی اسی اندھی محبت کے احترام میں ٹھٹک کر کھڑا ہو جائے گا؟ اور مسلسل مہلک بدپرہیزیوں کا جو طبعی نتیجہ نکلنا چاہیے اسے نکلنے سے روک دے گا؟ ٹھیک یہی حال ہے قومی مفاد کے ان "ممتا بھروں" کو جو اس کے چند دنیوی فوائد کی خاطر اس کی حیاتِ ملی کی رگِ جان پر چھری چلاتے جاتے ہیں۔ وہ تول کر نہیں دیکھتے کہ کیا چیز کھو رہے ہیں، اور اس کے عوض کتنا حقیر کتنا فائدہ حاصل کر رہے ہیں؟ وہ نہیں سوچتے کہ ان کا مقصدِ زندگی دین کی شہادت ہے، وہ بھول جاتے ہیں کہ ان کا مقصودِ آفرینش دوسری قوموں کی نقالی اور ہمرکابی نہیں، بلکہ تمام اقوام کی رہبری ہے، اور ان کو اس لیے دنیا میں بھیجا گیا ہے کہ "الاسلام" نامی خدائی نظامِ حیات کی خود پیروی کریں، اسی کی تمام دنیا کو دعوت دیں اور اسی کی اقامت میں اپنی اجتماعی کوششیں صرف کرتے رہیں۔ اس کے بخلاف وہ اپنے عمل سے اس بات کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ مسلمان بھی میدان حیات میں مادی مسابقت کرنے والی بہت سی قوموں میں سے ایک قوم ہے، اس کے پاس اپنا کوئی مستقل نقشۂ زندگی نہیں، کوئی مستقل دستورِ حیات نہیں، کوئی مستقل نصب العین نہیں، کوئی مستقل اصولِ سیاست نہیں، غور تو کیجیے جو شخص ایک دستور ساز اسمبلی میں شریک ہوتا ہے، اس کے اس اصولِ دستور سازی کو قولاً پاس کرتا یا عملاً تسلیم کرتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ جمہور کو حاصل ہے نہ کہ خدا کو، اور اس بنیاد پر دستور کی پوری عمارت تعمیر کرنے میں راج اور مزدور کا پارٹ ادا کرتا ہے، پھر جب دستور بن جاتا ہے تو اس پر اپنی مہر تصدیق کرتا ہے، پھر جب وہ نافذ ہوتا ہے تو اس کے اصولِ انتخاب کے مطابق الیکشن لڑتا ہے اور ایک ایک قدم پر اسلامی اصولِ انتخاب سے بے تعلقی کا عملی اظہار کرتا ہے، پھر قانون ساز (باقی صفحہ نمبر 66 پر)

وہ نہیں سوچتے کہ ان کا مقصدِ زندگی دین کی شہادت ہے، وہ بھول جاتے ہیں کہ ان کا مقصودِ آفرینش دوسری قوموں کی نقالی اور ہمرکابی نہیں، بلکہ تمام اقوام کی رہبری ہے، اور ان کو اس لیے دنیا میں بھیجا گیا ہے کہ "الاسلام" نامی خدائی نظامِ حیات کی خود پیروی کریں، اسی کی تمام دنیا کو دعوت دیں اور اسی کی اقامت میں اپنی اجتماعی کوششیں صرف کرتے رہیں۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن!

(خطوط از اَرضِ رِباط)

مولانا قاری عبد العزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ

خطوط کا انسانی زندگی، زبان و ادب اور تاریخ پر گہرا اثر ہے۔ یہ سلسلہ ہائے خطوط اپنے انداز میں جدا اور نرالے ہیں۔ ان کو لکھنے والے القاعدہ برِّصغیر کی لجنۂ مالیہ کے ایک رکن، عالم و مجاہد بزرگ مولانا قاری ابو حفصہ عبد الحلیم رحمہ اللہ ہیں، جنہیں میادینِ جہاد 'قاری عبد العزیز' کے نام سے جانتے ہیں۔ قاری صاحب سفید داڑھی کے ساتھ کبر سنی میں مصروفِ جہاد رہے اور سنہ ۲۰۱۵ء میں ایک صلیبی امریکی چھاپے کے نتیجے میں، قندھار میں مقامِ شہادت پر فائز ہو گئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ قاری صاحب نے میدانِ جہاد سے وقتاً فوقتاً اپنے بہت سے محبین و متعلقین (بشمول اولاد و خاندان) کو خطوط لکھے اور آپ رحمہ اللہ نے خود ہی ان کو مرتب بھی فرمایا۔ ادارہ 'نوائے افغان جہاد' ان خطوط کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ پاک ان خطوط کو لکھنے والے، پڑھنے والوں اور شائع کرنے والوں کے لیے توشۂ آخرت بنائے، آمین۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی و مکرمی......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد از سلام مسنون! امید ہے کہ آپ سب بفضل اللہ خیر و عافیت سے ہوں گے۔ ہم بھی آپ لوگوں کی نیک دعاؤں سے خیریت سے ہیں۔ یہ خط جو آپ لوگوں کی طرف روانہ کیا جا رہا ہے، اسے دل پر جبر کر کے ہی لکھا گیا، کیونکہ کسی بھی والدین کو ان کی اولاد کی جدائی کے بارے میں اطلاع دینا کوئی آسان بات نہیں۔ لیکن چونکہ یہ ایک عظیم جدائی ہے جسے شہادت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس لحاظ سے یہ خط آپ لوگوں کے لیے باعثِ طمانیت ہی ہو۔ موت ایک حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (سورۃ الانبیاء:۳۵)

"ہر متنفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔"

یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ ہر ذی نفس کو موت آنی ہے، خواہ یہ عہدِ طفولیت میں ہو یا جوانی یا بڑھاپے میں۔ مگر یہ موت اگر شہادت کی ہو تو کیا ہی اچھی بات ہے!!!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "میری خواہش ہے کہ میں دشمنوں کے خلاف لڑوں اور میں قتل کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں۔ یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمائے: "میں قتل کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں"۔ (بخاری، سنن النسائی، مسند احمد)

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ موت اپنے مقررہ وقت پر ہی آتی ہے اس کے وقت کو کوئی بھی نہیں ٹال سکتا ہے۔ ارشاد ہے:

لَنْ يُؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا (سورۃ المنافقون)

"اور جب کسی کی موت آ جاتی ہے تو اللہ اس کو ہر گز مہلت نہیں دیتا۔"

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس کی موت جہاں بھی آنی ہے وہیں اس کو موت کھینچ لے جائے گی۔

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ (سورۃ النساء:۷۸)

"تم جہاں کہیں بھی رہو موت تو تمہیں آ کر رہے گی خواہ تم کسی مضبوط قلعے میں ہی رہو۔"

موت کی اس اٹل حقیقت کے باوجود بعض لوگوں کی موت پر یقین نہیں آتا کہ وہ دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہو کہ اس شخص نے اپنی زندگی میں کسی کو نہ ستایا اور نہ ہی کسی کو کوئی دکھ دیا ہو، یا یہ ہو سکتا ہے کہ وہ دنیا میں ایک مسافر کی طرح آئے اور چند لمحے اپنے حسنِ اخلاق سے دیگر مسافروں کو گرویدہ کر کے چلے گئے اور ان کی یہ حسنِ ادا مسافروں کی ایک مدت تک یادوں کا محور بنی رہی ہو۔ ہمارے بھائی جو ہم سے جدا ہو گئے ہیں ان سے وابستہ یادیں بہت ہیں، اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو کسی اور موقع پر ان شاء اللہ ضبطِ تحریر میں لائی جائیں گی۔ یہاں ایک دو واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بات ختم کرتا ہوں۔

ابو ہریرہؓ بھائی شہادت کے شیدائی تھے۔ جب بھی وہ کسی قبرستان سے گزرتے تھے تو کہتے تھے کہ مجھے تو اس قبرستان سے شہیدوں کی خوشبو آ رہی ہے۔ وہ ایک دن میرے ساتھ تھے۔ ہمارا گزر ایک گاؤں کے قبرستان سے ہوا تو وہ مجھ سے کہنے لگے کہ "کیا اس قبرستان میں بھی کسی شہید کی قبر ہے؟ میں نے کہا: "پاکستان کے ہر علاقے کے قبرستانوں میں کہیں نہ کہیں شہیدوں کی قبریں ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کے ہزاروں نوجوانوں نے افغانستان میں روس کے خلاف طویل جنگ لڑی ہے اور وہ اب امریکہ کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ ان دونوں ادوار میں ہزاروں نوجوان شہید ہو چکے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس طرح اس قبرستان میں بھی کسی شہید کی قبر ہو۔"

ایک دن ہم دونوں باتیں کر رہے تھے، دورانِ گفتگو ایک بھائی کا تذکرہ آیا، وہ کہنے لگے کہ اگر آپ سے ان کی ملاقات ہو تو ان کو میرا اسلام عرض کر دیجیے گا اور انہوں نے مجھے ایک پرچی نما خط لکھ کر تھما دیا کہ یہ بھی ان کو دے دیجیے گا، حالانکہ وہ شاید ان سے ملا بھی نہ ہو گا، وہ صرف ان کے نام ہی سے واقف تھا۔ میں نے ان کو پرچی نما خط لکھتے ہوئے دیکھ لیا، وہ لکھ رہے تھے "میرے پیارے بھائی! آپ میرے لیے ضرور شہادت کی دعا کیجیے گا"۔

اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔ وہ ہر ایک کی تمنا پوری کرتا ہے اور ہر ایک کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ مگر انسان ہے کہ وہ اس سے منہ موڑے ہوئے ہوتے ہیں اور اگر کوئی

اس سے مانگتے بھی ہیں تو اس بڑی ہستی سے دنیاوی معمولی معمولی چیزیں مانگ لیتے ہیں، لیکن انسانوں میں بعض انسان بڑے دانا و بینا ہوتے ہیں۔ وہ فانی دنیا کی معمولی معمولی چیزوں کے برخلاف بڑی ہستی سے بڑی چیز مانگ لیتے ہیں۔ ابوہریرہ بھائیؒ نے شہادت جیسی یہی بڑی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگ لی تھی۔ وہ ہمیشہ شہادت کی تمنا کیا کرتے تھے اور ان کے دل میں ان کی (یعنی اللہ کی) تڑپ تھی جس نے انہیں شہادت کے اعلیٰ مرتبے سے سرفراز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اور ان کے ساتھ شہید ہونے والوں کی شہادت قبول فرمائیں، ان کی شہادت ہمارے لیے اجر و ثواب کا باعث بنائیں اور ان کے اور ان کے ساتھیوں کے خون کو دین کی سربلندی کا وسیلہ بنائیں، آمین! ثم آمین!!

انہوں نے اپنی شہادت سے چند دن پہلے ایک خواب دیکھا کہ ''وہ کارروائی کے لیے گاڑی لے کر نکلے اور اوپر سے بم آرہا ہے جس سے آسمان دھواں دھواں ہو رہا تھا اور لوگ ان کو آوازیں دے رہے تھے کہ گاڑی سے نکلو''، اسی اثنا میں آنکھ کھل گئی۔ جب انہوں نے مجھے یہ خواب سنایا اور مجھ سے پوچھا کہ یہ میری شہادت کی خوشخبری تو نہیں تو میں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ یہاں ہر شخص شہادت شہادت کرتا پھرتا ہے اور میں ہی ایک رہ گیا ہوں جو اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہوئے اس کی مشیت پر راضی بَرِضا بیٹھا ہوں۔

وہ اپنی شہادت سے پہلے کئی دن تک مجھ سے کہتے رہے کہ حضرت! (حضرت ان کا تکیہ کلام تھا) مجھے وصیت نامہ لکھنا ہے آپ ذرا اس کا خاکہ بنادیں۔ میں نے ایک دو مرتبہ ٹال دیا۔ انہوں نے مجھے پھر سے اصرار کرتے ہوئے کہا کہ بتائیں وصیت نامہ کس طرح لکھا جاتا ہے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ مجھے بھی اس کا تجربہ نہیں اور میں نے بھی اس طرح کی تحریر نہیں پڑھی البتہ آپ اگر لکھنا چاہتے ہیں تو پہلے اپنے والدین کو کچھ لکھیں اس کے بعد اپنے دوست و احباب اور عامۃ المسلمین کے لیے کچھ تحریر فرمادیں۔ مگر اجل نے انہیں یہ تحریر لکھنے کی مہلت نہیں دی اس سے پہلے ہی انہوں نے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

وہ اپنے کم سن بچے ہریرہ کے بارے میں اکثر کہا کرتے تھے کہ یہ بچہ ایک دن پکّا مجاہد بنے گا کیونکہ اس کی پیدائش کے وقت میں نے اس کی ایک علامت کو دیکھ کر اندازہ لگایا کہ وہ بڑے ہو کر بڑا مجاہد بنے گا۔ جب وہ پیدا ہوئے تو وہ پیدا ہو کر نہیں روئے تو ڈاکٹر اور نرسوں کو تشویش ہوئی اور مجھے اطلاع دی تو مجھ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی حدیث یاد آگئی تو میں نے ڈاکٹر سے کہا کہ تشویش کی کوئی بات نہیں اللہ تعالیٰ نے میرے بچے کو اس کی پیدائش کے وقت شیطان کے شر سے محفوظ فرمایا کیونکہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے بتایا کہ ''جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس وقت شیطان اُسے چوکا مار کر رُلاتا ہے۔''۔

ابوہریرہؒ ہمارے لیے ایک قوتِ بازو تھا جو ہمیں داغِ مفارقت دے کر اس دنیائے فانی سے چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کے نوجوانوں کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دیں تاکہ کفر سرنگوں ہو اور اسلام غالب آجائے۔ آمین! والسلام دعاؤں کا طلبگار

یہ 'اسلامی' جمہوری پاکستان ہے جی!!

ٹی وی پروگرام ہے...... بیہودہ لباس میں بیٹھی جوان سال خاتون سامنے بیٹھے 'اسلامک اسکالر' سے پوچھتی ہے:

''آپ نے کہا آپ کو دوپٹے کی پریشانی نہیں ہونی چاہیے، (آپ اس طرح کہتے ہیں) جبکہ آپ اسکالر بھی ہیں؟''

'اسکالر' بولا:

''گلے میں اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت کا پٹّہ ہو تو کسی دوپٹے شوپٹے کی ضرورت نہیں!!!''

'اسلامک اسکالر'' کہلانے والا یہ بے لیاقت (عامر لیاقت) ٹیلی وژن پر اپنی تمام تر مغلظات کے ساتھ چھایا رہتا... کوئی مسئلہ نہیں تھا... کسی کو اعتراض نہیں تھا، انہیں 'فرمودات' کے ساتھ ساتھ اس کی قابلیت اور قبولیت کا دوسرا بڑا سبب پاک فوج کا آگے بڑھ کر 'دفاع' بھی تھا...

پھر ایک دن عدالت نے 'عدلیہ کی بے حرمتی' کے چارج لگا کر اس کے اینکر پرسن ہونے پر پابندی لگادی، شکر ہے عدالت کے خلاف بولا تو پابندی لگی ورنہ فوج کے علاوہ، وہ کس کس کے خلاف نہیں بولتا تھا، اسلام کی 'بے حرمتی اور اس کی تعلیمات کی خود ساختہ (بلکہ کفار ساختہ) تشریحات پر تو یہاں ویسے بھی کوئی پابندی نہیں ہے، بے لیاقت پھر فوراً پی ٹی آئی کے ٹکٹ پر 'ایم این اے' بنا اور آج کل پھر سے دانشور اور تجزیہ کار بن کر ٹی وی پر آنے لگا ہے ...کیوں؟

اس لیے کہ عمران کی 'ریاستِ مدینہ' کے وژن میں اگر رنگ بھرنے ہیں اور فوج کا image اگر 'سوفٹ' دکھانا ہو تو اس قسم کی مخلوق کے لیے ٹی وی پر بولتے رہنا اور اس کا اسمبلی کا ممبر بننا نہایت ضروری ہے!

اس لیے کہ یہ 'اسلامی' جمہوری پاکستان ہے جی!!

یہودیوں کی تاریخ ①

(یہودیوں کی قدیم تاریخ)

ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان شہید ؒ

زیرِ نظر تحریر نابغۂ روزگار مفکر و داعی الی اللہ، مجاہد فی سبیل اللہ ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جنہیں وابستگانِ جہاد 'ڈاکٹر ابو خالد' کے نام سے جانتے ہیں۔ تحقیق و تاریخ، علمیت و ادارت (مینجمنٹ) ڈاکٹر صاحب کا ذوق تھا، جبکہ بااعتبارِ فن آپ ایک میڈیکل ڈاکٹر تھے اور اسی فن میں تخصص کے لحاظ سے سرجن۔ مجاہدین اور مسلمان عوام نے آپ کی ان دونوں نمایاں خوبیوں سے خوب فائدہ اٹھایا۔ بلا مبالغہ سیکڑوں جراحی کے آپریشنز آپ نے ایسی جگہوں پر سرانجام دیے جہاں بنیادی طبی سہولیات بھی موجود نہ ہوتی تھیں۔ اپنی ساری زندگی اقامتِ دین اور نفاذِ شریعت کی محنت میں کھپانے کے بعد بالآخر آپ ۲۰۱۴ء کے نصفِ آخر میں پاکستان اور افغانستان کے بارڈر کے علاقے میں امریکی و افغان فوج کے مشترکہ فوجی آپریشن میں اپنے دوست و ساتھی میجر عادل عبد القدوس اور اپنے دو قریب از سن بلوغ بیٹوں سمیت خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ (ادارہ)

علمائے سوء جب بنی اسرائیل کے سامنے دین کا ماخذ تبدیل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو انہوں نے بنی اسرائیل میں دین کے بارے میں خود تراشیدہ عقائد پھیلانا شروع کر دیے۔ انہوں نے یہودیوں کی نئی نسلوں کو یہ بتانا شروع کر دیا کہ یہودی اللہ کی چہیتی قوم ہیں اور وہ باقی بنی نوع انسان سے بہت بلند اور افضل ہیں۔ اس لیے دنیا پر حکمرانی کا حق صرف یہود کو حاصل ہے۔ علمائے سوء نے اپنی نئی نسلوں کو یہ بھی بتایا کہ سرزمینِ فلسطین اللہ نے بنی اسرائیل کو دے دی ہے۔ اس سرزمین پر صرف اور صرف انہی کا حق ہے۔ یہ عیسائی اور مسلمان ہی ظالم ہیں جنہوں نے ان سے ان کی سرزمین چھین لی ہے۔ اس سرزمین کو حاصل کرنا عین ثواب کا کام ہے۔ یہودیوں کے علمائے سوء نے اپنی نئی نسل کو یہ بھی تعلیم دی کہ ان کی اصل عبادت گاہ 'ہیکلِ سلیمانی' تھی۔ اس ہیکل پر مسلمانوں نے مسجدِ اقصیٰ بنا لی جسے گرا کر دوبارہ ہیکلِ سلیمانی کو تعمیر کرنا یہودی ایمان کا حصہ ہے۔ علمائے سوء نے اپنی کتابوں سے اپنے انبیا کی بشارتیں نکال نکال کر اپنی نئی نسل کو یہ باور کرا دیا کہ یہودیوں کو بیت المقدس واپس ملے گا، ہیکلِ سلیمانی دوبارہ تعمیر ہو گا اور انہیں حضرت سلیمانؑ والی عالمگیر حکومت ملے گی۔ اسی لیے یہودیوں کی نئی نسل ان عقائد پر ایمان لا کر ان مقاصد کے حصول کے لیے اپنی زندگی وقف کرتی ہے۔ یوں انبیائے بنی اسرائیل کا لایا ہوا دینِ حق، بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے اتاری ہوئی کتابیں (تورات، زبور اور انجیل) اور حضرت موسیٰؑ کی شریعت؛ سب کچھ پیچھے رہ گیا۔ اب جو کچھ ان کے پاس رہ گیا؛ وہ بنی اسرائیلی خون کی بنیاد پر سرزمینِ فلسطین پر جھوٹا دعویٰ، جھوٹے مسیحا کا دعویٰ، جھوٹے ہیکلِ سلیمانی کی تعمیر کا دعویٰ اور حضرت سلیمانؑ والی عالمگیر حکومت کا تصور تھا۔ یہی آج کی یہودیت **اور یہی ان کا دین ہے، جس کا انبیاء کی تعلیمات اور اللہ کی دی ہوئی ہدایت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔**

اب ہم یہودیت کے درج ذیل جھوٹے عقائد کا قدرے تفصیل سے تذکرہ کرتے ہیں:

- اللہ کی چہیتی قوم (احباء اللہ)
- غیر یہودی کے بارے میں گوئیم کا عقیدہ
- دعائے دانیال اور مقصدِ عظمیٰ
- عقیدۂ ارضِ موعودہ
- ایلیا کا عقیدہ
- عقیدۂ مسیح
- ہیکلِ سلیمانی

اللہ کی چہیتی قوم (احباء اللہ)

اپنی اس قدیم تاریخ سے یہودیوں نے جو پہلا عقیدہ اخذ کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوعِ انسان میں سے نسلِ اسرائیل کو خاص اپنے لیے بلا شرط و قید چنا ہے۔ یعنی بنی اسرائیل کچھ بھی کر لیں، وہ اللہ کی محبوب ترین اور چہیتی قوم ہی رہے گی۔ اس دنیا کو اللہ نے صرف اور صرف یہودیوں کے لیے پیدا کیا ہے کیونکہ وہ انبیا کی اولاد میں سے ہیں۔ اس کے ثبوت کے طور پر وہ اللہ کے احسانات کو پیش کرتے ہیں کہ انہیں فرعون سے نجات دلوائی، ان کے لیے اللہ نے صحرائے سینا میں من و سلویٰ اتارا، ان کے لیے صحرا میں پانی کا انتظام کیا اور بارہ چشمے جاری کیے، پھر انہیں فلسطین کا پورا ملک ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دے دیا تاکہ وہ اس میں رہ سکیں اور جب بھی یہودیوں کو کوئی مشکل پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک مسیحا بھیج کر ان کی یہ مشکل حل کر دی۔ ان مسیحاؤں میں حضرت موسیٰؑ، حضرت طالوت، حضرت داؤدؑ، بادشاہ ذوالقرنین اور آخری مسیحا...... جسے وہ مسیح داؤد کہتے ہیں...... شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہودیوں کے اس غلط عقیدے کا ذکر کئی جگہ پر کیا ہے اور اس کو غلط قرار دیا ہے۔[27]

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں یاد کروا کر یہ بھی یاد کرایا ہے کہ اللہ کے یہ احسانات بنی اسرائیل کے ان مسلمانوں کے لیے تھے جو انبیا کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے تھے اور جب ان سے غلطی ہو جاتی تو وہ اپنے گناہوں سے استغفار کر کے پھر سے اللہ کی فرمانبرداری میں لگ جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ احسانات گنوانے کے ساتھ ہی بنی اسرائیل

[27] حاشیہ مضمون کے آخر میں درج ہے۔

کے کفرانِ نعمت کرنے، جہاد نہ کرنے، انبیا کی نافرمانی اور علمائے سوء کی پیروی کرنے، انبیا کو قتل کرنے، کتاب اللہ میں تحریفات کرنے اور حق کو چھپانے کا مجرم قرار دیا ہے۔

علمائے حق نے اللہ کے ان احسانات اور نعمتوں کو بنی اسرائیل کے مسلمانوں اور انبیا کے پیروکاروں کے لیے قرار دیا، نہ کہ ان کافر یہودیوں کے لیے جنھوں نے پہلے حضرت عیسیٰؑ کی تکذیب کی اور پھر حضرت محمد ﷺ کی تکذیب کی اور جن میں آج کل کے سب یہودی بھی شامل ہیں۔ مگر گزشتہ دو سو سال سے یہودی اپنے اسی عقیدے کی تبلیغ عیسائیوں کے درمیان کر رہے ہیں اور انہوں نے عیسائیوں کی عام اکثریت کو اس بات کا قائل کر لیا ہے کہ یہودی اللہ کے منتخب لوگ ہیں اور فلسطین پر انہی کا حق ہے۔

یہودیوں کا غیر یہودیوں کے بارے میں عقیدہ (گویئم کا عقیدہ)

اللہ تعالیٰ کے منتخب اور چہیتے ہونے کے عقیدہ کی وجہ سے یہودیوں کا یہ عمومی عقیدہ ہے کہ پوری انسانیت دو قسموں میں تقسیم ہے؛ ایک یہودی اور دوسری قسم کے انسان غیر یہودی ہیں۔ غیر یہودی کے لیے ان کی کتابوں میں ایک خاص لفظ ''گویئم'' (Goyim) استعمال کیا گیا ہے۔ گویئم عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا عمومی مطلب کم تر انسان ہے مگر یہ غلام یا کبھی جانور کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ یہودیوں کے نزدیک وہ خود تمام انسانوں سے افضل ہیں اور باقی تمام انسانوں کو وہ گویئم کا لقب دیتے ہیں اور اپنے سے کمتر جانتے ہیں۔ اس عقیدے کے مطابق باقی انسان در اصل بنی اسرائیل کی خدمت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، لہٰذا یہودیوں کے نزدیک ان کے ساتھ زیادتی کرنا روا ہے، خاص طور پر ان سے بھاری مقدار میں سود وصول کرنا، حالانکہ اس سود کا آپس میں لین دین خود ان کی اپنی کتاب تلمود کے مطابق حرام ہے۔ اسی طرح گویئم کی جان، مال اور عزت سب کچھ یہود کے لیے مباح ہے۔

عقیدۂ ارضِ موعودہ

اپنے آپ کو اللہ کی چہیتی قوم اور باقی انسانیت کو گویئم قرار دینے کے بعد تیسرا اہم عقیدہ جو یہودی رکھتے ہیں، وہ 'عقیدۂ ارضِ موعودہ' ہے۔ اس سے مراد وہ زمین ہے جس کا بنی اسرائیل سے وعدہ کیا گیا تھا یعنی فلسطین۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ فلسطین کی سرزمین 'مقدس سرزمین' ہے، خاص طور پر 'یروشلم' اور یہ سرزمین اللہ تعالیٰ نے تا قیامت یہودیوں کو عطا کر دی ہے۔ اس لیے اس پر صرف ان کا حق ہے۔ عیسائی اور مسلمان...... جو ان کے مطابق گویئم ہیں...... نے فلسطین پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ اسی عقیدے کی وجہ سے آج کے یہودی 'عظیم تر اسرائیل' (Greater Israel) کی ریاست کا خواب دیکھ رہے ہیں۔

اس ریاستِ اسرائیل کی حدود کیا ہوں گی؟ اس کا جواب حاصل کرنے کے لیے ہم ایک طائرانہ نظر دوبارہ بنی اسرائیل کی تاریخ پر دوڑاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے جدِ امجد حضرت یعقوبؑ کا اصلی وطن فلسطین کا علاقہ کنعان تھا۔ بعد میں وہ اپنے خاندان کے ساتھ اپنے بیٹے حضرت یوسفؑ کے دورِ حکومت میں مصر میں آباد ہو گئے تھے۔ پھر حضرت موسیٰؑ کے دور میں مصر سے نکل کر صحرائے سینا میں بھٹکتے رہے یہاں تک کہ ان کی وفات کے بعد حضرت یوشعؑ کے زمانے میں فلسطین میں داخل ہو سکے۔ پھر بخت نصر کی جلاوطنی میں وہ عراق کے علاوہ ایران، شام اور جزیرۂ عرب میں بکھر گئے۔ ایسے ہی ٹائٹس کے زمانے میں، اس کے بعد عیسائی اور اسلامی دور میں اور ایک بار پھر قرونِ وسطیٰ میں انہیں مختلف علاقوں سے جلاوطن کیا جاتا رہا۔ آج یہودی ان تمام علاقوں کو 'عظیم ریاستِ اسرائیل' کا حصہ قرار دیتے ہیں جہاں وہ بستے رہے ہیں۔ ان کا نعرہ ہے کہ نیل سے فرات تک اور خیبر سے کنعان تک ان کا علاقہ ہے۔ اگر آپ آج کے اسرائیل کے جھنڈے کو سمجھ لیں تو ان کے 'ارضِ موعودہ' کے عقیدے کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اس جھنڈے میں اوپر اور نیچے کے کناروں پر دو نیلی دھاریاں اور ایک چھ کونوں والا ستارہ ہے۔ دو نیلی دھاریوں سے مراد دریائے فرات اور دریائے نیل کے درمیان کی سرزمین ہے جو عظیم تر اسرائیل کی حدود ہیں۔ چھ کونوں والے ستارے سے مراد یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ یہ حضرت داؤدؑ کی سلطنت کا نشان تھا اور ان کے جھنڈے پر نصب تھا۔ اسے وہ اپنی اصطلاح میں 'داؤدی ستارہ' (David Star) کہتے ہیں۔ اب اس سے مراد یہ ہے کہ اس عظیم تر اسرائیل پر حضرت داؤدؑ کا خاندان حکومت کرے گا۔

> اسرائیل کے جھنڈے میں اوپر اور نیچے کے کناروں پر دو نیلی دھاریاں اور ایک چھ کونوں والا ستارہ ہے۔ دو نیلی دھاریوں سے مراد دریائے فرات اور دریائے نیل کے درمیان کی سرزمین ہے جو عظیم تر اسرائیل کی حدود ہیں۔ چھ کونوں والے ستارے سے مراد یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ یہ حضرت داؤدؑ کی سلطنت کا نشان تھا اور ان کے جھنڈے پر نصب تھا۔ اسے وہ اپنی اصطلاح میں 'داؤدی ستارہ' (David Star) کہتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کیے گئے فلسطین کے وعدے کو تو یہودِ بنی اسرائیل خود اپنی نالائقی، بد اخلاقی اور بد عقیدگی کی وجہ سے بہت دیر بعد حاصل کر سکے اور حاصل کرنے کے بعد اس کی حفاظت بھی نہ کر پائے۔ مگر زمانے کے امتداد اور ان کی من گھڑت تاویلات کے بل بوتے پر اب وہ اس نئے 'عقیدۂ ارضِ موعودہ' کو سچا مانتے ہیں اور پوری تندہی اور کمال چالبازی سے اس کے لیے کوشاں ہیں۔

عقیدۂ ایلیا

یہودیوں کے یہاں 'ارضِ موعودہ' کی طرف واپسی کا سفر 'ایلیا' (Aliyah) کے نام سے مشہور ہے۔ واپسی کے اس سفر کو وہ بہت پیچیدہ فلسفے میں بیان کرتے ہیں۔ اس سفر کا ایک مرحلہ دنیا میں پھیلاؤ کا ہے اور دوسرا مرحلہ دنیا کو نگلنے کا ہے، یعنی پوری دنیا پر کنٹرول حاصل کرنا۔ یہودیوں کی قدیم کتب میں اس پورے سفر کا مفروضی نقشہ ملتا ہے جس میں ایک اژدھے نے ان تمام علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے اور اس کا سر خلافتِ عثمانیہ کی طرف ہے۔

یہی عقیدہ ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں برطانوی راج کی مدد سے فلسطین کی طرف جس قدر یہودی نقل مکانی ہوئی ہے، اسے یہود 'ایلیا' ہی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

مسیحا کا عقیدہ

مسیحا کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص زمانے میں کسی خاص مقصد سے اپنے خاص بندے کو مبعوث فرماتے ہیں اور وہ اللہ کے حکم سے انسانوں کی مدد کے لیے وہ کام سرانجام دیتا ہے جس کے لیے اللہ نے اسے مبعوث فرمایا۔ اہلِ یہود نے اپنی کتب میں کئی مسیحاؤں کا ذکر کیا ہے جو گزر چکے ہیں، اب ان کے مطابق ایک مسیحا نے آنا ہے جو انہیں دنیا میں حضرت سلیمانؑ کی حکومت و سلطنت دلائے گا۔ اہلِ یہود کا یہ مسیحا دراصل 'دجال' ہے جسے حقیقی مسیح حضرت عیسیٰؑ قتل کریں گے۔ یہود نے حضرت عیسیٰؑ کو مسیح ماننے سے اس لیے انکار کر دیا تھا کہ وہ آلِ داؤد سے نہ تھے اور یہود کے علما کہتے تھے کہ مسیح آلِ داؤد سے ہو گا۔ یہ بات بھی انہوں نے خود سے گھڑ لی تھی حالانکہ انبیائے کرام علیہم السلام نے ایسی کوئی بات نہ کہی تھی۔

نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو مسیح اللہ مانتے ہیں اور ان کی دوبارہ دنیا میں تشریف آوری کو بھی مانتے ہیں، مگر وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی بعثتِ ثانیہ صرف عیسائیوں میں ہو گی، مسلمانوں یا یہود میں نہیں ہو گی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ واپس آ کر نیک عیسائیوں کو بادلوں میں لے جائیں گے اور دنیا میں خیر اور شر کی ایک عظیم جنگ ہو گی جسے وہ 'ہرمجدون' کی جنگ کہتے ہیں۔ اس جنگ میں خیر کی فتح ہو گی اور حضرت عیسیٰؑ دنیا پر امن سے حکومت کریں گے۔

مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ قتل نہیں کیے گئے مگر اس دنیا سے اللہ کے حکم سے اٹھا لیے گئے تھے۔ وہ مسلمانوں میں امام مہدی کے آخری دور میں تشریف لائیں گے، دجال کو قتل کریں گے اور تمام ادیانِ باطلہ کو ختم کر کے دینِ حق کو کامل غلبہ و ظہور عطا فرمائیں گے۔

اس وقت یہود اپنے اسی مسیح الدجال کے انتظار میں ہیں اور اس کے استقبال کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

یہودیوں کے مطابق ایک مسیحا نے آنا ہے جو انہیں دنیا میں حضرت سلیمانؑ کی حکومت و سلطنت دلائے گا۔ اہلِ یہود کا یہ مسیحا دراصل 'دجال' ہے جسے حقیقی مسیح حضرت عیسیٰؑ قتل کریں گے۔ یہود نے حضرت عیسیٰؑ کو مسیح ماننے سے اس لیے انکار کر دیا تھا کہ وہ آلِ داؤد سے نہ تھے اور یہود کے علما کہتے تھے کہ مسیح آلِ داؤد سے ہو گا۔

عقیدۂ ہیکلِ سلیمانی

یہودیوں کے عقیدے کے مطابق ہیکلِ سلیمانی جو حضرت سلیمانؑ نے بنایا تھا، وہ تاریخ میں دو دفعہ تباہ ہوا ہے۔ پہلی دفعہ بخت نصر کے ہاتھوں ہوا جس کے بعد ذوالقرنین نے اس کی تعمیر کی اجازت دے دی۔ دوسری دفعہ ۷۰ء میں رومی بادشاہ ٹائیٹس کے ہاتھوں تباہ ہوا اور اس وقت سے اب تک دوبارہ تعمیر نہیں ہوا۔ یہ اب یہودیوں پر فرض ہے کہ وہ ہیکلِ سلیمانی کی دوبارہ تعمیر کرائیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اس ہیکل کی دوبارہ تعمیر ان کا مسیح داؤد ہی کرے گا لیکن اس کے لیے زمین ہموار کرنا یہودیوں کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ جس جگہ پر وہ ہیکل تعمیر کرانا چاہتے ہیں، اس جگہ پر مسجدِ اقصیٰ موجود ہے۔ اس لیے ہیکل کی تعمیر کے لیے مسجدِ اقصیٰ کا انہدام لازم ہے۔ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ نہ صرف در پردہ سازشیں اور زیرِ زمین سرنگیں کھود رہے ہیں بلکہ برملا اس کا اعلان بھی کر چکے ہیں اور اقوامِ عالم کے سامنے اپنے مطالبے کو پیش بھی کر چکے ہیں۔

مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ہیکل نہیں تعمیر کرایا تھا بلکہ مسجدِ اقصیٰ ہی کی توسیع کی تھی۔ یہ مسجد مسلمانوں کا قبلۂ اول ہے۔ ہیکلِ سلیمانی ایک جھوٹی کہانی ہے جو یہودی مسجدِ اقصیٰ کے انہدام کے لیے گھڑ رہے ہیں۔

عقیدۂ تابوت سکینہ

"تابوتِ سکینہ" ایک لکڑی کا صندوق ہے جس میں...... ایک روایت کے مطابق...... وہ تورات موجود ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو کوہِ طور پر اپنے ساتھ براہِ راست کلام کے دوران عطا فرمائی تھی۔ اس کے علاوہ اس تابوت میں حضرت موسیٰؑ کا عصاء اور من و سلوی بھی ہے۔ یہ تابوت اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں یاد کرانے کے لیے محفوظ رکھا اور بنی اسرائیل اس کو اپنے لیے باعثِ برکت اور باعثِ عروج سمجھتے ہیں۔ یہ تابوت ان سے چھن گیا تھا۔ پھر حضرت طالوت کی فوج کو نشانی کے طور پر واپس ملا مگر بخت نصر کے زمانے میں دوبارہ کھو گیا۔ حضرت عزیرؑ کے زمانے میں واپس ملا اور پھر چھن گیا۔ یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے مسیح داؤد یعنی دجال کے زمانے میں یہ تابوت ان کو واپس مل جائے گا اور یہ ان کے دائمی عروج کا باعث ہو گا۔

دعائے دانیالؑ اور مقصدِ عظمیٰ

یہودیوں کی کتابوں میں انبیا کے صحائف کا ایک مجموعہ ہے۔ اس مجموعے کی سب سے آخری کتاب 'کتابِ دانیال' کے طور پر مشہور ہے۔ بنی اسرائیل کی روایت میں حضرت دانیالؑ بخت نصر کی غلامی میں بنی اسرائیل میں مبعوث ہونے والے آخری نبی تھے۔ بنی اسرائیل کے ہاں حضرت دانیالؑ کی شہرت دو وجہ سے ہے؛ ایک یہ کہ وہ خوابوں کی تعبیر کے ماہر تھے اور اس سلسلے میں ان کی مثال حضرت یوسفؑ کی سی ہے، دوسری وجہ شہرت یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آخری زمانے میں ہونے والے واقعات کا تفصیلی علم دیا تھا۔ ان واقعات کی غلط تشریحات نے بنی اسرائیل کی گمراہی میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں حضرت دانیالؑ کے متعلق ایک عجیب واقعہ درج کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جب ایران کا ایک شہر 'تستر' فتح کیا تو انہیں ایک شخص نے اطلاع دی کہ اس شہر میں ایک بزرگ کی لاش ہے (باقی صفحہ نمبر 77 پر)

نفاذِ شریعت کے لیے جہاد پچاس نفلی حج سے افضل ہے...... امام ابو حنیفہ کا فتویٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل محمد دامت برکاتہم العالیہ

حدیث نمبر ا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ پوچھا گیا پھر کون سا عمل؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ پوچھا گیا کہ پھر کون سا عمل؟ آپ نے فرمایا مقبول حج۔ (بخاری و مسلم شریف)

حدیث نمبر ۲

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے حج نہ کیا ہو تو اس کا فرض حج دس غزوات سے بہتر ہے اور جس شخص نے حج کیا ہے تو اس کا ایک غزوہ دس نفلی حج سے افضل ہے۔ (طبرانی شریف)

فائدہ

بعض احادیث میں مطلقاً جہاد کو مطلق حج پر فضیلت دی گئی ہے جیسے یہاں پہلی والی حدیث میں ہے لیکن بعض دوسری احادیث میں جہاد کو مطلقاً برتری جو حاصل ہے وہ نفلی حج پر ہے اور فرض حج جہاد سے افضل ہے جیسے حدیث نمبر دو میں مذکور ہے علامہ ابنِ نحاسؒ فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ فرض حج فرضِ کفایہ جہاد سے افضل ہے لیکن جب جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے تو پھر یقیناً وہ فرض حج سے مقدم اور افضل ہے کیونکہ فرضِ عین کی صورت میں پھر جہاد فوری طور پر بندہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے کسی تاخیر کا امکان نہیں اور حج میں تو تاخیر بھی ہو سکتی ہے، باقی نفلی حج کا جو معاملہ ہے تو اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ جہاد اس سے بدرجہا افضل ہے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں کچھ آثارِ صحابہ بھی ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں جہاد کا ایک سفر ۵۰ حج سے افضل ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر بھی ہے فرماتے ہیں اے لوگو! تم حج کو لازم پکڑو کیونکہ یہ ایک نیک کام ہے اور جہاد حج سے افضل ہے۔ (ابن ابی شیبہ)

ایک مرسل روایت میں مکحول سے منقول ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر بہت سارے لوگ حضور کے پاس آئے اور حج کی اجازت مانگی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے فرض حج کیا ہے تو اس کے لیے جہاد میں جانا چالیس حج سے افضل ہے۔ (سنن سعید بن منصور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایک حدیث ذکر کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حج چالیس غزوات سے افضل ہے اور ایک غزوہ چالیس حج سے افضل ہے اور فرض حج جہاد سے افضل ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا فتویٰ

۱۴۵ ہجری کا واقعہ ہے کہ خلفائے بنو عباس کے فرمانروا منصور عباسی کے خلاف بصرہ وغیرہ میں محمد نفس زکیہ اور ابراہیم نفس مرضیہ دو بھائیوں نے تنفیذِ شریعت اور اقامتِ دینِ حق کی غرض سے مسلح جہاد کا اعلان کیا ان حضرات کو کئی شہروں میں نمایاں کامیابی بھی حاصل ہوئی جہاں پر یہ حضرات قابض ہو جاتے تھے وہاں مکمل طور پر شریعت نافذ کرتے تھے، جہاں دیگر علمائے کرام ان کے حامی تھے وہاں امام ابو حنیفہؒ اس تحریک کے روحِ رواں تھے۔

الیافعیؒ نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ابراہیم کی حمایت کے لیے لوگوں کو علی الاعلان جہاد پر ابھارتے تھے اور لوگوں کو حکم دیتے تھے کہ ان کے ساتھ ہو کر حکومت کا مقابلہ کرو۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ ابراہیم کے زمانے میں ابو حنیفہؒ ان کی حمایت میں بڑے شد و مد کے ساتھ بولنے لگے تھے۔

(بحوالہ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی صفحہ ۳۴۳)

اس کا مطلب یہی ہوا کہ امام صاحب حکومت کے انتقام اور دار و گیر سے قطعاً بے پرواہ ہو کر اعلانیہ ابراہیم کی حمایت کا دم بھرنے لگے اور نہ صرف خود بلکہ جو بھی ان کے زیر اثر تھا اس کو ابراہیم کی حمایت پر آمادہ کرتے تھے اور "امر" کرتے تھے۔ اگر "امر" کے اصطلاحی معنیٰ لے لیے جائیں تو اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ ان کا ساتھ دے کر حکومتِ ظالمہ کے مقابلے کو فرض قرار دیتے تھے اور کیسا فرض؟

ذرا دیکھیے کہ کوفہ کے مشہور محدث ابراہیم بن سوید کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے ابراہیم بن عبداللہ کے خروج کے زمانہ میں دریافت کیا کہ حج جو فرض ہے اس کے ادا کرنے کے بعد آپ کا کیا خیال ہے کہ حج کرنا زیادہ بہتر ہے یا اس شخص یعنی ابراہیم کی رفاقت میں حکومت سے مقابلہ کرنا زیادہ ثواب کا کام ہے؟ ابراہیم بن سوید کہتے ہیں کہ غور کے ساتھ میں نے دیکھا کہ امام ابو حنیفہ کہہ رہے ہیں کہ اس جنگ میں شرکت ایسے پچاس حج سے زیادہ افضل ہے۔

(بحوالہ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی مؤلفہ مناظر احسن گیلانی صفحہ ۳۴۳)

امام ابو حنیفہؒ کے اس فتوے سے ایک مسئلہ تو یہ حل ہو گیا کہ پچاس نفلی حج سے جہاد افضل ہے۔ دوسرا یہ مسئلہ حل ہوا کہ نفاذِ شریعت کے لیے مسلح جہاد کرنا اسلحہ اٹھانا مسلمانوں پر فرض ہے، اگرچہ حکومت وقت اسلام کے نام پر قائم ہو۔ دیکھو منصور عباسی آخر مسلمان تھا اور آج کل کے حکمرانوں سے بدرجہا بہتر مسلمان تھا مگر نفاذ شریعت کے لیے امام ابو حنیفہؒ نے ان کے ساتھ لڑنے کو فرض قرار دیا اور جو اس میں مارا جائے اس کو شہید قرار دیا۔ چنانچہ مصیصہ چھاؤنی

کے ایک کمانڈر کا بھائی ابراہیم کے ساتھ ہو کر حکومت کی فوجوں کے ہاتھوں سے مارا گیا اس کا بھائی مصیصہ سے آیا اور امام ابو حنیفہؒ سے ملا اور کہا کہ میرے بھائی کو آپ نے اُبھارا اور وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا، یہ آپ نے بہت برا کیا۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ میں تو چاہتا تھا کہ کفار کے مقابلے سے دست کش ہو کر تم یہاں آجاتے اور تیرا بھائی جہاں شہید ہوا تھا وہیں پر تم بھی شہید ہو جاتے تو یہ اس سے بہتر ہوتا جو تم کفار کے مقابلہ میں مصیصہ میں تھے اور تم جو جہاد کر رہے ہو اس سے مجھے یہ جہاد زیادہ پسند ہے جس میں تیرا بھائی گیا ہے۔

اس فتویٰ سے تیسرا مسئلہ حل ہو گیا کہ پاکستان میں نفاذِ شریعت کے لیے مسلح جہاد کرنا ضروری ہے اور مالاکنڈ کے غیور مسلمانوں نے جو نفاذِ شریعت کے لیے جانیں قربان کی ہیں وہ سچے شہید ہیں۔ چوتھا مسئلہ اس سے یہ حل ہو گیا کہ افغانستان میں جو جہاد ہے اور ان کے مقتولین طلبائے کرام (طالبان) شہید ہیں اور ان کے مدمقابل لوگ ظالم ہیں اور ناحق قائم ہیں۔

نوٹ: اوپر کی حدیثوں میں صحابہ کے آثار میں تھوڑا سا اختلاف آتا ہے کیونکہ اس میں بعض روایات میں ایک غزوہ دس حج سے افضل بتایا گیا ہے بعض میں چالیس حج سے افضل بتایا ہے اور بعض میں پچاس کا ذکر ہے، جو واضح تعارض ہے اس کا جواب ابن نحاسؒ نے دیا ہے کہ یہ تغیر جہاد پر جانے والے مجاہدین کی نیتوں کے تفاوت پر مبنی ہے جس کی نیت جتنی خالص ہو گی اس کا جہاد اتنا ہی حج سے افضل ہو گا۔ دوسرا جواب یہ ہوتا ہے کہ جہاد کے تفاوت سے یہ فرق آگیا ہے بعض جہاد سخت وقت میں ہوتا ہے یا اس میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور بعض جہاد آسان ہوتا ہے یا اسی طرح دیگر مصلحتوں کی بنا پر جہاد کی فضیلت حج کے مقابلے میں بدلتی رہتی ہے۔

(بحوالہ کتاب: دعوتِ جہاد مؤلفہ مولانا فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی)

★★★★★

بقایا: یہود کی تاریخ

جسے لوگ حضرت دانیالؑ کی لاشِ مبارک قرار دیتے ہیں، اس کے ساتھ ایک سونے اور چاندی کا خزانہ بھی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اس لاش کی زیارت کی۔ وہاں ایک خزانہ، ایک انگوٹھی اور ایک لکھا ہوا صحیفہ موجود تھا۔ یہ اطلاع حضرت عمرؓ کو بھیجی گئی تو انہوں نے لاش کو دفن کرنے، خزانہ غریبوں میں تقسیم کرنے اور انگوٹھی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو دینے کا حکم دیا۔ اس صحیفے کا ترجمہ حضرت کعب احبارؒ نے کیا جو اسرائیلی روایات کے ماہر تھے۔ اس صحیفے میں امتِ محمد ﷺ کی نشانیاں اور عروج کی تفصیلات درج تھیں۔

یہودیوں کے یہاں یہ مشہور ہے کہ جب بنی اسرائیل بخت نصر کی قید میں تھے تو اللہ نے حضرت دانیالؑ کو نبی مبعوث فرمایا۔ بنی اسرائیل کے بزرگوں نے ان سے درخواست کی کہ وہ رب تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ بنی اسرائیل کو اس غلامی سے نجات دلائے اور واپس فلسطین بھیج دے، ان کی عبادت گاہ ہیکلِ سلیمانی بنانے کی اجازت دے دے اور انہیں حضرت سلیمانؑ والا عروج دنیا میں عطا کر دے۔ یہودی روایات میں ہے کہ حضرت دانیالؑ نے اللہ سے دعا فرمائی اور انہیں خواب کے ذریعے بشارت دی گئی کہ ان کی دعا قبول کر لی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ ایک بادشاہ بھیجیں گے جو انہیں نہ صرف غلامی سے نجات دلائے گا بلکہ ہیکلِ سلیمانی بنانے میں بھی مدد دے گا۔ پھر انہیں دنیا میں حضرت سلیمانؑ کی طرح کا عروج 'مسیح اللہ' یعنی حضرت عیسیٰؑ کی مدد سے ملے گا۔ اس طرح حضرت دانیالؑ کی اس بشارت کو آج کے یہودی اپنا 'مقصدِ عظمیٰ' سمجھتے ہیں اور اس مقصد کو حاصل کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ ان کا مقصدِ عظمیٰ درج ذیل تین نکات پر مشتمل ہے:

۱. یہودیوں کو بیت المقدس جانے کی اجازت مل جائے،

۲. ہیکلِ سلیمانی دوبارہ تعمیر ہو جائے،

۳. حضرت سلیمانؑ کے دور والی عظمت انہیں واپس لوٹا دی جائے جو کہ ایک عالمگیر حکومت کی شکل میں ہے۔

قتلِ عیسیٰؑ کی سازش اور یہودیت اور عیسائیت کا آغاز

قتلِ عیسیٰؑ کی سازش کے بعد سے دنیا میں دو نئے ادیان یعنی ایک یہودیت اور دوسری عیسائیت پیدا ہو گئی تھی۔ یہودیت دینِ حق سے ہٹ کر تلمود کی تشریحات اور علمائے سوء کی راہنمائی میں چلنے والا ایک نیا دین بن گیا جس کا اس دین سے کوئی تعلق نہ تھا جو حضرت موسیٰؑ لے کر آئے تھے۔ اب یہودی دعائے دانیالؑ کی بنا پر ایک مسیحا کا انتظار کر رہے ہیں جو ان کے مطابق آلِ داؤد سے ہو گا اور جس کی قیادت میں وہ ارضِ موعودہ پر قبضہ کریں گے، ہیکلِ سلیمانی واپس لیں گے اور دنیا میں عالمگیر حکومت کریں گے۔ دوسری طرف 'عیسائیت' بھی وہ دین نہ تھا جسے حضرت عیسیٰؑ لے کر آئے تھے۔ اس میں تو تحریف ہو گئی اور عیسائیت 'پولس' (Saint Paul) کی گمراہ تشریحات پر مبنی دین میں تبدیل ہو گیا۔

(یہود کی جدید تاریخ کو اگلے شمارے میں ان شاء اللہ، شائع کیا جائے گا)

---

[1] اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں فرماتے ہیں: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم ۖ بَلْ أَنتُم بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۚ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ﴾ (المائدۃ: 18)

"اور یہودی اور نصرانی کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ (اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ (اگر ایسا ہی ہے تو) بھلا وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی بدولت کیوں عذاب دیتا ہے؟ (یقیناً ایسا نہیں) بلکہ تم تو اس کے پیدا کردہ ایک بشر ہو۔ وہ تو جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے، عذاب دیتا ہے۔ اور زمین و آسمان کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، (سب) کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

”أَلَا اشْهَدُوا أَنَّ دَمَهُمْ هَدَرٌ“

”گواہ رہو! ان (گستاخانِ رسول) کا خون رائیگاں ہے“

قاضی ابو احمد

یہ جنوری ۲۰۲۰ء ہے۔ ستمبر ۲۰۰۵ء سے اب، ڈنمارک میں گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کا پندرھواں سال شروع ہو چکا ہے۔ اگر آپ وکی پیڈیا پر موجود پوری دنیا میں ان خاکوں کی اشاعت کے تسلسل پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ شاید ہی کوئی ملک اس میں اپنا حصہ ڈالنے سے باز رہا ہو۔ ڈنمارک کے بعد مصر[28]، نیدرلینڈز، امریکہ، بوسنیا ہرزگوینا، جرمنی، رومانیا، ناروے، سویڈن، سوئٹزرلینڈ، میکسیکو، اٹلی، یونان، سعودی عرب، فرانس، ہنگری، فن لینڈ، یوراگوئے، سپین، انڈیا، جاپان، نیوزی لینڈ، پولینڈ، اسرائیل ...... ہر ایک نے ہی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر کٹ مرنا ہر مسلمان کے ایمان کا جزو لاینفک ہے۔ ہماری مائیں ہم پر روئیں اگر ہم اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں نہ اٹھیں۔ امام انور العولقی کا اس موضوع پر بہت ایمان افروز بیان موجود ہے جس کے عنوان کا ترجمہ ہے ”یہ گرد کبھی نہیں بیٹھے گی“۔ پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اس گرد کو نہ بیٹھنے دیں اور اپنے سینوں میں سلگتی حبِّ رسول کی چنگاری کو بھڑکتے ہوئے ایسے الاؤ میں تبدیل کر دیں جو ہر کافر، مشرک، منافق اور زبان دراز کو بھسم کر ڈالے۔

”یہ سراسر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ ہے، اور میں صریح طور پر مسلمانوں کے ساتھ ہوں......امریکہ کو اس آبروریزی، قتل، خونریزی، اہانت کی قیمت چکانی ہو گی جو اس نے مسلمانوں اور اسلام کے ساتھ کیا اور اب تک کر رہا ہے۔ پس اسے ایک چھوٹا سا بدلہ سمجھو، اصل انتقام ان شاء اللہ آیا ہی چاہتا ہے۔ یہ پہلا حملہ نہیں ہے اور... آخری بھی نہیں ہو گا۔“

”میں جانتا تھا کہ اس کا انجام اللہ کے دشمنوں کے ہاتھوں میرا قتل ہو گا۔ مگر خوشی کی بات یہ ہے کہ شہدا مرتے نہیں! اللہ فرماتے ہیں ’جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں، انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے‘، اور اسی پر میرا ایمان ہے۔ جہاد جاری رہے گا۔“

یہ الفاظ ہیں امریکی نومسلم مجاہد، عبد الحکیم مجاہد محمد کے، جنہوں نے جون ۲۰۰۹ء میں امریکی ریاست آرکنساس میں امریکی فوجیوں پر فائرنگ کی، جس کے نتیجے میں ایک فوجی اہلکار ہلاک اور ایک شدید زخمی ہو گیا۔

مرنے والے فوجی اہلکار کے باپ نے کہا کہ ”وہ (فوجی) میدانِ جنگ میں نہیں تھے، مگر ظاہر ہے کہ میدانِ جنگ (اب) یہاں ہی ہے“۔

یقیناً اسلام امن، اخوت، محبت، صلح جوئی، رواداری اور اتحاد کا درس دیتا ہے، مگر وہی اسلام اللہ اور اللہ کے دین کے دشمنوں کے خلاف قتال کا بھی حکم دیتا ہے۔ اللہ کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ اٹھا کر دیکھیں تو جہاں آپ کو شفقت، رحمت، محبت، دردمندی و دل سوزی اور عفو و کرم کے فقید المثال مظاہرے ملیں گے، وہیں، أَنَانَبِيُّ الْمَلْحَمَةِ، من لي بكعب ابن الأشرف اور فتح مکہ کے موقع پر دریدہ دہنوں کے قتل کا حکم، کہ کعبہ کے پردے سے چمٹے ہوئے بھی ملیں تو انہیں قتل کر دو، جیسے احکام بھی ملیں گے۔ ہم مسلمانوں کے لیے جہاں نبیٔ رحمت کی رحمت و شفقت میں نمونۂ عمل ہے، وہیں نبی الملحمہ کے غزوات و سرایا میں، ان کی ہر دم چوکس قائدانہ خوبیوں میں اور دشمنوں کا زور توڑنے اور اسلام کو غالب کرنے کی ان کی کامیاب کوششوں میں بھی ہمارے لیے اسوہ ہے۔ لا الہ الّا اللہ محمد رسول اللہ کا زبانی اقرار (خاص طور پر پیدائشی مسلمانوں کے لیے) بظاہر کچھ بڑی بات نظر نہیں آتی، مگر اس کلمے کا حق ادا کرنا اور اسے اپنی زندگی کا جزو بنانا اسے حرزِ جاں بنانا خونِ جگر جلانا مانگتا ہے۔

کفار یہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے قیمتی ترین متاع ان کا اللہ پر، کتاب اللہ اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور ان کی محبت ہے۔ لہٰذا ان کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان عوام کے دلوں اور ذہنوں سے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو کھرچ کر رکھ دیں اور انہیں ان کے دین، ان کی کتاب اور ان کے رسول سے بے گانہ کر دیں۔ مگر جہاں امت مسلمہ کی اکثریت خوابِ غفلت میں ہے، وہیں اللہ کے کچھ بندے، اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے سرشار، دنیوی نتائج سے بے پروا ہو کر فقط اپنے رب کی رضا پانے کے لیے وہ کچھ کر گزرتے رہے ہیں جس میں امت کے ایک ایک فرد کے لیے نمونہ ہے۔

وہ حرمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مر مٹنے والے غازی علم دین شہید ہوں یا جرمنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکے چھاپنے کے مرتکب اخبار کے ایڈیٹر کے قتل کی کوشش کرنے والے عامر چیمہ، گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سلمان تاثیر کو جہنم رسید کرنے والے ممتاز قادری ہوں یا فرانس میں چارلی ایبڈو نامی رسالے کے گستاخِ رسول عملے کو ٹھکانے لگانے والے کواشی برادران، امریکی فوجیوں کو واصل جہنم کرنے والے امریکی فوج ہی کے نفسیاتی معالج

[28] مصر کے ایک اخبار نے اس گستاخی پر نقد سے بھرپور مضمون کے ساتھ بارہ میں سے چھ خاکے بھی چھاپے۔ چونکہ مضمون ان خاکوں کے خلاف تھا لہٰذا مذکورہ اخبار میں ان خاکوں کی اشاعت پر مکمل خاموشی رہی۔

نضال حسن ہوں یا کچھ عرصہ قبل ہی ناروے میں کتاب اللہ اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی جرأت کرنے والوں پر حملہ ور عمر دابا...... یہ سلسلہ رکنے اور تھمنے والا نہیں ہے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے یہ جانشین یوں ہی اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت اور دین کی حفاظت کی خاطر اپنی جانیں قربان کرتے رہیں گے اور امت مسلمہ کے خوابیدہ جسد میں زندگی کی روح پھونکتے رہیں گے۔ اور کیونکر مسلمان اپنے دین، اپنے ایمان، اپنی کتاب اور اپنے رسول کے دفاع میں نہ اٹھیں جبکہ اس فرض کی تکمیل کے بنا تو ایمان کی تکمیل پر ہی سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

مسلمان یہ جانتے ہیں کہ اسلام ایفائے عہد پر کس قدر زور دیتا ہے اور نقضِ عہد ایک مسلمان کے لیے کس قدر عار اور عذابِ الٰہی کا موجب ہے۔ اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو 'الامین' نبی ہیں، امانتوں کو ادا کرنے والے اور عہد کو پورا کرنے والے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے مدینہ تشریف لاتے ہیں تو یہودِ مدینہ سے معاہدہ فرماتے ہیں۔ مگر اس معاہدے کے قائم ہونے کے باوجود جب یہودی سردار و شاعر کعب بن اشرف کسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی سے باز نہیں آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم واضح طور پر اس کے قتل کا حکم دیتے ہیں۔

اسی بنیاد پر امام ابن تیمیہؒ نے اپنی مشہور کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول میں لکھا ہے کہ

''اور یہ (کعب بن اشرف یہودی کا قتل) ثبوت ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دینا ایسا فعل ہے کہ جس پر مسلمانوں کو تحریض دی جائے کہ جو بھی یہ کرے اسے قتل کر دیا جائے حتیٰ کہ خواہ ان کا مسلمانوں کے ساتھ کوئی عہد یا معاہدہ ہی کیوں نہ ہو''۔

کعب بن اشرف یہودی نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اسلحہ نہیں اٹھایا تھا، مگر اس کا جرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زبان کا استعمال تھا، اور یہ جرمِ عظیم ہے۔ اس کے قتل کے بعد صبح کو یہودی مشرکین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا:

قد طرق صاحبنا الليلة وهو سيد من ساداتنا قتل غيلةً بلا جرم و لا حدث علمناه.

''رات ہمارے ایک آدمی کو بلا جرم قتل کر دیا گیا اور وہ ہمارے شرفا میں سے تھا اور ہمارا سردار تھا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''إنه لو قر كما قر غيره ممن هو على مثل رأيه ما اغتيل، ولكنه نال منا الأذى وهجانا بالشعر، ولم يفعل هذا أحدٌ منكم إلا كان له السيف.''[29]

''اگر وہ اسی طرح خاموش رہتا جیسا کہ اس جیسی آرار کھنے والے دیگر لوگ خاموش رہے تو نہ قتل کیا جاتا، لیکن اس نے ہمیں اذیت پہنچائی اور اپنی شاعری کے ذریعے ہماری ہجو کی، اور تم میں سے جو بھی ایسا کرے گا، ہم تلوار سے اس کا علاج کریں گے''۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر جہاں عام معافی کا اعلان کیا وہاں یہی وہ جرم ہے جس کی بنا پر چند افراد، جن میں گستاخی پر مبنی اشعار گانے والی لونڈیاں بھی شامل تھیں، کے لیے حکم دیا کہ کعبہ کے پردے سے چمٹے ہوئے بھی ملیں تو انہیں قتل کیا جائے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان لونڈیوں کے قتل سے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''یہ ایک واضح اور مضبوط دلیل ہے کہ تمام جرائم سے بڑا جرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہے کہ ان تمام حقائق کے باوجود (یہ امر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کو امان دی تھی، اور یہ کہ وہ عورتیں ہیں، اور یہ کہ انہوں نے جنگ میں حصہ نہیں لیا، اور یہ کہ وہ لونڈیاں تھیں) انھیں سزائے موت کا مستحق قرار دیا گیا! یہ ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ایک عظیم جرم ہے۔''

ایسے تمام مواقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جہنم واصل کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ردعمل ہمیں بتاتا ہے کہ اس جرم کے مرتکب افراد کا قتل کس قدر اہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کس قدر اطمینان بخش ہے:

انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھنے والے عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی جب گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ابو رافع یہودی کے قتل کی مہم سے کامیاب و کامران لوٹتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''افلح الوجه'' ''تمہارا چہرہ کامیاب ہو۔

اور جب ایک نابینا صحابی اس ام ولد[30] کو قتل کرتے ہیں جو ان کے دو بچوں کی ماں بھی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''أَلَا اشْهَدُوا أَنَّ دَمَهَا هَدَرٌ'' ''گواہ رہو! اس (عورت) کا خون بے کار اور لغو ہے یعنی اس کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔

ایک اور واقعے میں جب ایک نابینا صحابی عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلے کی ایک عورت عصماء بنت مروان کو۔ جو ایک شاعرہ تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی پر مبنی اشعار کہا کرتی تھی نیز انصار کے قبائل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کے خلاف اکسایا کرتی تھی۔ قتل کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا ينتطح فيها

---

[29] المغازی از واقدی

[30] ام ولد اس لونڈی کو کہتے ہیں جس سے اس کے مالک کی اولاد ہو۔ یہ صحابی خود یہ فرماتے ہیں کہ یہ عورت میرے ساتھ بہت مہربان تھی اور میرے اس سے موتیوں جیسے دو بچے ہیں۔ یقیناً ایک مہربان اور شفیق عورت کا ساتھ ان نابینا صحابی کے لیے باعث راحت تھا۔ مگر ایمان کا تقاضا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دنیا کی ہر محبت پر غالب ہو، پس جب وہ بارہا تنبیہ کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی سے باز نہ آئی تو ان صحابی نے اسے قتل کر دیا۔

غنزان''، اس معاملے میں دو بھیڑیں بھی سر نہ ٹکرائیں گی، یعنی یہ اتنا واضح ہے کہ انسان تو کیا اس معاملے میں جانوروں تک میں اختلافِ رائے نہ ہو گا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر مشرکین کے ستّر قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر سے مدینہ واپسی کے رستے میں ان میں سے دو کو علیحدہ کیا۔ وہ دو کون تھے؟ نضر بن حارث، جس کے بارے میں قرآن کی آیات نازل ہوئیں، اور عقبہ بن ابی معیط۔ یہ عقبہ بن ابی معیط وہی بدبخت ہے جس نے اس وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں حرمِ کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں چادر ڈال کر اس زور سے بل دیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دم گھٹنے لگا۔ اور یہی وہ بدبخت ہے کہ جس نے عین حالتِ نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی لا کر رکھی۔ جب آپ صلی اللہ نے اس کے قتل کا حکم دیا تو عقبہ پکارا:

اے گروہ قریش! کیا بات ہے کہ مجھے باندھ کر قتل کیا جا رہا ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تمہارے کفر اور رسول اللہ پر افترا پردازی کی وجہ سے''۔ پھر عقبہ بولا:

میرے بعد میرے بچوں کی کون خبر گیری کرے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا:

النار!

''آگ''۔ یعنی اب تم اپنی فکر کرو کہ تمہارا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے، رہے بچے تو ان کا والی وارث ان کا رب ہے۔

بدر کے تمام قیدیوں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کے لیے امتیازی سلوک کے بارے میں امام ابن تیمیہ رقم طراز ہیں: ''تمام قیدیوں میں سے ان دو کے قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ اپنے قول و فعل سے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے تھے۔ جو آیات نضر کے بارے میں نازل ہوئیں وہ معروف ہیں۔ اسی طرح عقبہ اپنی زبان اور ہاتھوں سے جو ایذا دیتا تھا وہ بھی معروف ہے۔ اس شخص نے مکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) کا گلا اپنی چادر سے پورے زور سے دبایا۔ یہ آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کی حالت میں تھے تو اس نے آپ کی پشت مبارک پر اونٹ کا اوجھ لا کر رکھ دیا تھا''۔[1] عقبہ کے قتل پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر اطمینان کا اظہار فرمایا کہ: ''تو بہت برا آدمی تھا۔ بخدا، میں نے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کا انکار کرتے ہوئے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو اس کے نبی کو ایذا دیتا ہو۔ میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس نے تجھے قتل کر کے میری آنکھیں ٹھنڈی کیں''۔[2]

حرمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسوہ دیکھیے اور پھر اس آئینے میں اپنا کردار دیکھیے۔ ملعونہ آسیہ مسیح کی حمایت کرنے والے سلمان تاثیر کو کیفرِ کردار تک پہنچانے والے ممتاز قادری کو ہم نے اپنے ہاتھوں پھانسی دی، اور اس ملعونہ کو 'با عزت' بری کر کے کینیڈا پہنچا دیا گیا۔ کہاں گئی 'ریاستِ مدینہ' کے دعوے کرنے والوں کی وہ اسلامی غیرت اور کہاں گئی وہ حمیت جو نابینا ہونے کے باوجود صحابہ کو اپنا فرض ادا کرنے سے نہ روک سکی تھی؟ آج کتنے ہی بینا ہیں جو دراصل نابینا ہیں۔ پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ہر اس جگہ کو میدانِ جنگ بنا دیں جہاں کے بسنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب اللہ اور اسلام کے خلاف زبانی یا عملی طور پر بر سرِ پیکار ہیں۔

ہم اغیار کی تقلید کرتے کرتے 'دن'، 'مہینے' اور 'سال' منانے کے عادی ہو گئے ہیں۔ اگر یہی کچھ منانا ہے تو اصحابِ غیرت کی غیرت و حمیت کے عملی مظاہروں کے دن اور مہینے یاد رکھیے۔ اسی جنوری کے مہینے میں سلمان تاثیر کو جہنم واصل کیا گیا اور اسی مہینے میں کواشی برادران فرانسیسیوں پر قہر بن کر ٹوٹے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا حق فقط ربیع الاول منا لینے سے نہیں ادا ہوتا (اب تو شاید ہم ربیع الاول منانے سے بھی گئے کہ اس ماہ میں تو ہم نے شرک کے گڑھ کرتارپور راہداری کا شاندار افتتاح کیا ہے)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کی خاطر اپنی جان قربان کرنے سے ادا ہوتا ہے۔ اسلام کو فقط گفتار کے نہیں، کردار کے غازی مطلوب ہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں ایمانی غیرت سے سرشار کر دے اور ہمیں اپنا اور اپنے نبی کا، اپنے دین اور اپنی کتاب کا حق ادا کرنے والا بنائے، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين وصلى الله على النبي

[1] الصارم المسلول

[2] ایضاً

خیالات کا ماہنامچہ

ذہن میں گزرنے والے چند خیالات: دسمبر ۲۰۱۹ء

معین الدین شامی

اللہ پاک کا احسانِ محض ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا اور مسلمانوں میں رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کا شرف و اعزاز بخشا۔ اللہ پاک رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے روزِ قیامت مشرف فرمائے، جس روز نہ کوئی سایہ ہو گا اور نہ ہی کوئی آپؐ کے علاوہ شافع، آمین یاربّ العالمین۔

افغان جمہوری تماشے میں حکمت یار کی پرفارمنس

جمہوریت بھی کیا ہی زبردست، پر فریب نظام ہے۔

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر

وہی پادشاہی ہے، وہی امپیریئل ازم ہے، نام جمہوریت رکھ چھوڑا ہے۔ امریکی شاہ نے افغانستان میں الیکشن کروائے، ان کا بھی عجیب ماجرا ہے۔ جو نتائج پہلے مرحلے میں چار ماہ بعد آئے ہیں ان کے مطابق ٹرن آؤٹ رہا ہے اٹھارہ لاکھ چوبیس ہزار چار سو ایک (ووٹرز) کا، اشرف غنی نے دس لاکھ ووٹ حاصل کیے، عبد اللہ عبد اللہ نے سات لاکھ ووٹ حاصل کیے اور گلبدین حکمت یار نے سترّ ہزار ووٹ......!

امریکہ نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ اشرف غنی نے جیتنا ہے۔ جیسے چرچل جب شراب کے نشے میں مشرقِ وسطیٰ کے نقشے بنا رہا تھا تو ہچکی آئی، قلم بھٹکا اور اردن و سعودی عرب کے نقشے کے درمیان سیدھی لکیر کچھ ٹیڑھی سی ہو گئی[33]۔ اصل میں بادشاہوں کی مرضی ہے جس کو چاہیں نواز دیں، سو کسی امریکی 'چرچل' نے افغان الیکشن کے نتائج جیسے چاہے ہوں گے لکھ دیے ہوں گے؟!

پھر بھی مان لیتے ہیں کہ الیکشن ہوئے، تو افغانستان کی آبادی ہے تقریباً ساڑھے تین کروڑ۔ اس میں سے ووٹ کتنوں نے ڈالا اور ان ووٹوں سے سادہ اکثریت کے ساتھ حاکم بنا اشرف غنی، ساڑھے تین کروڑ میں سے دس لاکھ ووٹوں کے ساتھ یعنی دو اعشاریہ آٹھ فیصد لوگ چاہتے ہیں کہ اشرف غنی صدر ہو اور 2.8 فیصد جمہوریت ہے جبکہ 97.2 فیصد اقلیت۔

خیر، اس تماشے سے کون واقف نہیں تھا، ایسا ہی ہونا تھا سو ہوا۔ کمال کی پرفارمنس ہے گلبدین حکمت یار کی۔

اس شخص کو اللہ نے عزت دی، مجاہد بنایا، اس کے ہاتھ پر کئی روسی کنٹرول کے علاقے فتح ہوئے۔ روس جان بچا کر افغانستان سے بھاگا تو گلبدین بعض دیگروں کے ساتھ آپس میں گتھم گتھا ہو گیا۔ چار سال سے کچھ زائد یہ فساد چلتا رہا اور پھر اللہ نے طالبان کو حکومت عطا کی۔ طالبان نے 'وار لارڈز' کا خاتمہ کیا اور شرعی عدل و انصاف والی حکومت اللہ کی زمین پر قائم کر دی۔

یہ دیکھ کر عرب و عجم کی کئی نامور شخصیات نے امیر المومنین کی بیعت کی مگر حکمت یار امارت کی سرزمین سے اٹھ کر ایران چلا گیا۔ امریکہ آیا، امیر المومنین ملا محمد عمر نے شریعت پر عمل کر کے اپنی حکومت قربان کر دی، آپ کا اخلاص ایک دفعہ پھر واضح ہوا۔ ایسے میں حکمت یار کو بہت کہا گیا کہ امارت کے قافلے میں شمولیت اختیار کرو، مگر حکمت یار نہیں مانا، عرصے تک امریکہ اور افغانی حکومت پر تنقید کرتا رہا، اس سے منسوب افراد نے کچھ امریکہ مخالف کارروائیاں بھی کیں، مگر جب امارت اسلامی کی دوبارہ آمد یقینی ہو گئی اور نظر آیا کہ میدانِ جہاد میں امارت اسلامی کے سوا کسی کے لیے قبولیت نہیں ہے، تو حکمت یار رک نہ سکا، اپنی حبِ جاہ کو چھپا نہ سکا اور جن امریکیوں کے خلاف جہاد کرنا تھا، جس امریکی کٹھ پتلی اشرف غنی و حامد کرزئی کو ہٹا کر اسلامی نظام نافذ کرنا تھا، اقتدار کی ہوس میں انہیں سے ہاتھ ملا بیٹھا۔

کابل پہنچا اور ایک بار پھر منظرِ عام پر آنے لگا۔ الیکشن ہونے تھے (جن کا ذکر اول السطور میں گزرا ہے) اس میں شامل ہوا اور نتیجہ یہ نکلا کہ یہ بدترین طریقے سے ہار گیا۔ سچ یہ ہے کہ اگر ایک لمحے کو مان لیا جائے کہ کل اٹھارہ لاکھ ووٹ ہی پڑے اور کوئی دھاندلی نہیں کی گئی تو بھی جن جن علاقوں کے لوگوں نے ووٹ ڈالے ہیں تو انہوں نے اشرف غنی ہی کو ووٹ ڈالنے تھے اور گلبدین کو یہی ذلت آمیز شکست ہونی تھی۔

شرعی راستہ، جہاد فی سبیل اللہ' کو حکمت یار نے خود ہی ترک کیا اور 'امریکیوں کے وضع کردہ جمہوری نظام کا حصہ بن کر، الیکشن میں حصہ لیا۔

افغانستان کی کل آبادی میں سے چار فیصد جو لوگ ووٹ ڈالتے ہیں اور جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں وہ 'لبرل ڈیموکریسی' چاہتے ہیں اور ان کو اشرف غنی ہی پسند ہے۔ اگر کہہ لیں کہ امریکہ نے خود یہ ووٹ تقسیم کیے تو بھی بات یہ ہے کہ جو اللہ کے دین سے بے وفائی کرتا ہے، جہاد ترک کرتا ہے بلکہ جن کے خلاف جہاد کرنا تھا انہیں کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے تو وہ کافر و امریکی بھی جانتے ہیں کہ اس شخص کی کوئی اوقات نہیں۔ چلیں ایک لاکھ کی بھی ہو اس کو پہنا پاؤں میں ہی

[33] گوگل کر لیجیے، Churchill's hiccup۔

جاتا ہے۔ جعفر از بنگال ہو یا میر از دکن، آخرِ انجام یہی ہوتا ہے کہ جن کی خاطر ان ننگ دیں، ننگِ ملت اور ننگِ وطن لوگوں نے اسلام اور غیرت و حمیت کا سودا کیا ہوتا ہے، سب سے پہلے ایسوں کو ہی ان کے ’آقا‘ سبق سکھاتے ہیں۔

گلبدین حکمت یار نے دنیا کی جس قدر رسوائی ہو سکتی تھی وہ تو اپنی پیٹھ پر لادی ہوئی ہے، لیکن اگر آخرت کی رسوائی سے بچنا چاہتا ہے تو استغفار کرے، واپس لوٹ جائے اور حق و اہلِ حق کا ساتھ دے۔ لیکن اگر یہ اسی راہ میں کھپتا رہا تو دنیا کا اقتدار اور دور ہو جائے گا اور آخرت میں بھی ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔

چین ایغور مسلمانوں کا قاتل ہے!

مشرقی ترکستان (جسے چینی ’سنکیانگ‘ یا ’شن جیانگ‘ کہتے ہیں) میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہے۔ مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو حراستی مراکز میں رکھا جا رہا ہے جہاں ان سے دین، اخلاق اور عفت و حیا چھین کر بے دینی و لادینی، بد اخلاقی اور بے غیرتی و بے حیائی سکھائی جا رہی ہے۔ مسلمانوں کی بیٹیوں کو مجبور کر کے رقص کروایا جاتا ہے، خنزیر جس کو شاید چینی خود بھی زیادہ کھانے کے شوقین نہ ہوں زبردستی مسلمانوں کو کھلایا جا رہا ہے۔ جو حکومتِ چین کی یہ سب چیزیں نہ مانے اس کے لیے صرف ایک آپشن ہے اور وہ ہے موت!

ترکستان کے مسئلہ کو امت میں اجاگر کرنے کی ضرورت ہے لیکن ہم یہاں اس وقت اس مسئلے کو اجاگر کرنے اور وہاں کے مسلمانوں کی حالتِ زار بیان نہیں کرنا چاہتے۔ بلکہ اس وقت ہمارا موضوع کچھ اور ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے کچھ سادہ لوح ابھی تک کہتے ہیں کہ ’چین اپنا یار ہے...... اس پہ جاں نثار ہے‘ اور اسی نعرے کے سبب وہ مشرقی ترکستان میں جاری ظلم و ستم کو امریکہ کا پراپیگنڈا قرار دے کر قوم کو اسی چینی ٹرک کی بتی کے پیچھے بھاگتے رہنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔

یہ بات تسلیم ہے کہ امریکہ اور چین دوست نہیں بلکہ کسی درجے میں دشمن بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کے مفادات آپس میں ٹکراتے ہیں اور اسی سبب سے سارا بین الاقوامی میڈیا اس وقت چین کے پیچھے مشرقی ترکستان کے مسلمانوں کے معاملے میں لگا ہوا ہے۔

بلکہ جو مسلمانوں پر مشرقی ترکستان میں مظالم جاری ہیں یہ میڈیا اس کا دسواں حصہ بھی کَوَر نہیں کر رہا۔ کئی ہزار مشرقی ترکستان کے مسلمان افغانستان اور شام میں موجود ہیں۔ چلیں ایک دو، چار چھ لوگ جھوٹ بولتے ہوں گے لیکن ہزاروں ترکستانی یہی کہانی دہرا رہے ہیں۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ سارا بین الاقوامی میڈیا جب کشمیر کے مسئلے کو اٹھائے تو ہم اسے ’کشمیر کاز کی پراجیکشن‘ کہیں لیکن چین کا ظلم دکھائے تو کیا یک سازش بن جاتی ہے؟!

میڈیا کے فریب سے بچنا لازمی ہے، لیکن یہ بھی خود فریبی ہے کہ لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والوں کی گواہی پر ہم ملحد چینیوں اور ان کا نمک کھانے والے پاکستانی حکمرانوں کی گواہی کو بھاری قرار دے دیں۔

ایران امریکہ کشیدگی میں پاکستانی موقف

شاہ محمود قریشی نے ایران امریکہ کشیدگی کے موقع پر ’فرمایا‘ ہے کہ ”پاکستان کی سرزمین کسی دوسرے ملک کے خلاف استعمال نہیں ہو گی“۔

یہ جو پاکستانی سرزمین سے افغانی مسلمانوں پر بمباری کی غرض سے ستّاون ہزار بار امریکی جہاز اڑے تھے، جو شمسی اور پسنی اور جیکب آباد ایئر بیسیں امریکیوں کو دی تھیں اور جو امریکی اشارے پر قبائل میں چڑھے تھے یہ ’سرزمین‘ اس وقت شاید قطعۂ مریخ بن گئی تھی......

بس بات اتنی سی ہے کہ کل نہتے افغانی مدِمقابل تھے سو امریکہ کے ساتھ ہو کر ان کو چیونٹیوں کی طرح کچل اور مسل دیا، لیکن آج فارسی ایرانی ریاست کی امریکہ سے مڈبھیڑ کا اندیشہ ہے تو ہم ’نیوٹرل‘ رہیں گے۔

ہمارا کوئی اپنا موقف، کوئی اپنا stand بھی ہے یا بس ہم وہ ’عزت مآب برتن‘ ہیں جسے ’لوٹا‘ کہتے ہیں؟!

شریعت یا نظریۂ ضرورت!

غدار پرویز مشرف کو خصوصی عدالت نے سزائے موت سنائی، اسی تفصیلی فیصلے میں کہا گیا کہ اگر وہ پھانسی سے پہلے مر جائے تو اس کی لاش کو گھسیٹا جائے اور پھر اسلام آباد کے مرکزی چوراہے ڈی چوک میں لٹکا دیا جائے۔

اس پر سب ہی پرویز مشرف کے ’رشتہ دار‘ میدان میں آ گئے۔ فوج بھی بلبلائی، ’آزاد‘ صحافیوں کے منہ سے بھی جھاگ نکلا، ’منتخب‘ حکومت بھی چلائی، کسی نے کہا جج پاگل ہے، کسی نے ذاتی انتقام کا خوگر کہا، کسی نے کہا کہ ذہنی حالت ٹھیک نہیں اور پھر حکومت نے جج کے خلاف ریفرنس بھیجنے کا اعلان کر دیا[34]۔

ایسے میں مفتی نعیم صاحب بھی میدان میں آئے اور انہوں نے کہا کہ اسلام میں انسان کی بہت حرمت ہے، اور انسان کی لاش کو یوں گھسیٹنا اور لٹکانا یہ غیر شرعی فعل ہے۔ کاش کہ کوئی مفتی

---

[34] ویسے مزے کی بات ہے کہ اس طرح کے کسی فعل سے Contempt of Court یعنی توہین عدالت واقع نہیں ہوئی!!

صاحب تک راقم کا یہ عاجزانہ سوال پہنچا دے[35]، کہ حضرت! مشرف اپنے دورِ حکومت میں جو کچھ کر تا رہا، کیا وہ سب کچھ شرعی تھا؟ کیا اُس کی تائید یا اس پر خاموشی شرعی تھی؟ اور کیا آج جو کچھ ہو رہا ہے یہ سب شرعی ہے؟ یہ آئین، یہ عدالتیں، یہ پورا نظام کیا شرعی ہے جو آپ فرما رہے ہیں کہ مشرف کو گھسیٹنا اور لٹکانا غیر شرعی ہے؟

غلاموں کے غلام

امریکہ کا غلام ہے محمد بن سلمان اور اس کا ذہنی مریض باپ سلمان[36]۔ اور محمد بن سلمان کا غلام ہے عمران خاں۔

پاکستان، ترکی، ملائشیا اور قطر وغیرہ نے مل کر کوالالمپور کانفرس بلائی۔ پاکستان مشترکہ میزبان تھا۔ لیکن چونکہ سعودی عرب کو اس کانفرنس سے باہر رکھا گیا اور سعودیوں کے بغیر ایک اتحاد وجود میں آرہا تھا تو سعودیوں نے عمران خاں کو تڑی لگائی۔ کتنی ذلت آمیز بات ہے دونوں کے لیے۔ دھمکی کیا تھی، پتہ چلنے پر معلوم ہوتا ہے کہ سعودی عرب بھی نیچ ہے اور پاکستانی حکمران کس درجے میں ان کے غلام ہیں۔

محمد بن سلمان نے کہا کہ اگر تم کوالالمپور کانفرنس میں شریک ہونے کے لیے گئے تو تمہارے چالیس ہزار پاکستانی یہاں سعودی عرب میں کام کرتے ہیں، سب کو نکال دوں گا!

عمران خاں فوراً سجدے میں چلا گیا اور جس کانفرنس کی مشترکہ میزبانی کرنی تھی اسی میں شرکت نہ کی۔

سچ کہا اقبالؒ نے:

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

یہ وردی و بے وردی والے حکمران اگر ایک اللہ کو اپنا معبود بنا لیتے تو کبھی پٹرول لینے، کبھی ڈالر لینے اور کبھی گندم لینے کے لیے یوں ہر ہر در پر سجدے نہ کرتے!

آرمی چیف کا پاکستان ہے!

نہ تیرا پاکستان ہے، نہ میرا پاکستان ہے
یہ اس کا پاکستان ہے جو 'جرنیل' پاکستان ہے

وزن وغیرہ تو شعر کا بگڑ گیا ہے، لیکن جس عدمِ توازن کا شکار پاکستان اپنی پیدائش سے آج تک ہے، اس کے مقابلے میں شعر کے وزن کی کوئی حیثیت نہیں بچتی۔

دیکھنے میں باجوہ بڑا مسکین صورت اور احمق ہے لیکن ہے یہی کنگ میکر۔ خیر جیسا خود ہے ویسا ہی اس نے کنگ بھی بنایا ہے یعنی عمران خاں۔

عمران خاں باجوہ کا اتنا شکر گزار ہے کہ اسے ایکسٹینشن دینا لازمی جانا۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ باجوہ نے کہا ہو کہ بچو! اگر اقتدار چاہتے ہو تو مجھے ایکسٹینشن دلاؤ اور لے دے کر تین سال ہی دونوں کے رہ گئے ہیں۔

ایکسٹینشن کی کہانی بڑی دلچسپ ہے۔ چیف آف آرمی سٹاف کی تقرری کرتا ہے صدرِ پاکستان 'آن ایڈوائس آف پرائم منسٹر' لیکن اگست ۲۰۱۹ء میں ایک نوٹیفیکیشن وزیرِ اعظم ہاؤس سے جاری ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ آرمی چیف کو ایکسٹینشن دے دی گئی ہے۔

صدرِ پاکستان سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ summary جب میرے پاس آئے گی تو میں دستخط کر دوں گا۔ پھر نومبر میں عارف علوی، صدرِ پاکستان کا انٹرویو آیا تو میزبان نے پوچھا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ سمری آئے گی تو دستخط کر دوں گا لیکن نوٹیفیکیشن تو پہلے ہی جاری ہو چکا تھا۔ کہنے لگا دراصل میں نے پہلے ہی دستخط کر دیے تھے اور میں بھول گیا تھا اس لیے پچھلے انٹرویو میں کہہ بیٹھا۔

دوسری طرف ایک 'آئی ایس آئی' کے بدنامِ زمانہ وکیل نے عدالت میں درخواست دے دی کہ آرمی چیف کو کس قانون کے تحت ایکسٹینشن دی ہے۔ کہنے والوں کے بقول اس سب کے پیچھے لیفٹینٹ جنرل فیض حمید (ڈی جی آئی ایس آئی) کا ہاتھ کار فرما ہے۔

عدالت نے بھی یکایک درخواست شنوائی کے لیے قبول کر لی۔

درخواست گزار اگلے دن پہنچ گیا اور بولا کہ میں درخواست واپس لیتا ہوں [آخر آرمی چیف کے پاس جو ڈنڈا (baton) ہے وہ ڈی جی آئی ایس آئی سے زیادہ طاقت ور ہے]۔ عدالت نے پوچھا کیوں واپس لیتے ہو، کیا درخواست میں جس سقم کی نشاندہی ہوئی ہے وہ موجود نہیں؟ بولا کہ موجود ہے۔ عدالت نے کہا کہ اب سماعت شروع ہو گئی ہے، عدالت کا وقت ضائع نہ کرو، عدالت کارروائی کرے گی۔

سماعت فوجی چیف کے خلاف تھی سو اس پر اٹارنی جنرل آف پاکستان (نوکری بچانے، معذرت ملک بچانے) خود عدالت پہنچ گیا (وہ لوگ جو مہینوں نوٹسوں کے باوجود عدالتوں میں نہیں آتے)۔

اٹارنی جنرل سے پوچھا کہ کس قانون کے تحت ایکسٹینشن دی گئی ہے؟ جواب ملا آرمی ایکٹ کی دفعہ فلاں کے تحت۔ کہا اس کے تحت ایکسٹینشن نہیں دی جا سکتی۔

---

[35] چونکہ ماشاء اللہ مفتی صاحب کے پاس بہت سے جدیدیے اور ماڈرن لوگ آتے ہیں اور وہ سوال وغیرہ میں پرانے آداب اور طور طریقوں وغیرہ کا پاس نہیں رکھتے اس لیے مفتی صاحب وغیرہ مائنڈ نہیں کرتے اور اس انداز کو گستاخی کے زمرے میں شامل نہیں کرتے، یوں ان سے پوچھنا آسان ہے، پھر فیصل واوڈا اگر عمران خاں کو خدا کے بعد سب سے بڑا کہہ دے تو اس کو سِلپ آف ٹنگ کہہ کر رخصت دیتے ہیں، اسی لیے راقم کو بھی امید ہے کہ حضرت مائنڈ نہیں کریں گے۔

[36] بادشاہ سلمان کو dementia کی بیماری ہے۔

پھر معلوم ہوا کہ آج تک جو ایکسٹینشن دی گئی ہے وہ بغیر قانون کے ہی دی جاتی رہی ہے (ملک ہی ان کا ہے تو قانون کا اچار ڈالنا ہے؟ جو وہ بولتے ہیں وہی قانون ہے)۔ یوں ایکسٹینشن کالعدم قرار دے دی گئی اور ساتھ ہی عدالتِ عالیہ نے کہا کہ حکومت مسئلہ حل کرے ورنہ سپریم کورٹ کچھ کرے گی۔

وزیر قانون فروغ نسیم نے فوراً استعفیٰ دیا اور بطورِ آرمی چیف کے وکیل کے سپریم کورٹ میں پیش ہو گیا (مزے کی بات کہ مسئلہ حل ہوتے ہی دوبارہ وزیرِ قانون کا حلف اٹھالیا)۔

اب سارے وزیر مشیر اور وزیرِ اعظم سر جوڑ کر بیٹھ گئے، پانچ گھنٹے کابینہ کا اجلاس چلا اور فیصلہ ہوا کہ آرمی ایکٹ میں ترمیم کی جائے۔ راتوں رات ترمیم کی گئی اور حکومتی وزیروں نے پریس کانفرنس کی کہ سپریم کورٹ کی مدد کرنے کے لیے ہم نے یہ قانون میں ترمیم کر دی ہے اور ان الفاظ کا اضافہ کر دیا ہے کہ 'ایکسٹینشن بھی دی جاسکتی ہے'۔ پھر سپریم کورٹ نے کہا کہ ابھی دیکھ لیں چھ ماہ میں باقاعدہ قانون سازی کر لیں اور وہ بھی اب ہو چکی ہے۔

یوں ہوئی ترکی تمام۔ اس سب سے آرمی چیف کی حیثیت کا بھی اندازہ ہو گیا اور 'اسلامی' آئین و قانون نامی مومی ناک کا بھی پتہ چل گیا۔

بحریہ ٹاؤن پشاور

ملک ریاض نے کھرب ہا کھرب 'حرام' میں سے اربوں روپے 'حلال' طریقے سے جمع کروا دیے ہیں اور ساتھ ہی بحریہ ٹاؤن پشاور شروع کر دیا۔

ملک ریاض کے طریقۂ واردات پر بعد میں آتے ہیں، پہلے 'ملک صاحب' کی چند ایک روایات کا ذکر کرتے ہیں:

- ملک ریاض کا پی اے (پرسنل اسسٹنٹ) ہمیشہ ریٹائرڈ فوجی افسر ہوتا ہے۔ عموماً اس کا پی اے کم از کم کرنل رینک کا افسر ہوتا ہے ورنہ ماضی میں بریگیڈیئر بھی یہ کام کرتے رہے ہیں۔

- اس وقت بھی ملک ریاض کا 'ترجمان' ایک ریٹائرڈ کرنل ہے (ملک صاحب خود انگوٹھا چھاپ قسم کے ٹھیکیدار ہیں گو کہ اب یہ پڑھنا لکھنا کچھ نہ کچھ سیکھ گیا ہے)۔

- ملک ریاض کی روایت ہے کہ ہر آنے والے آرمی چیف اور کور (کروڑ) کمانڈروں کو اپنے دس بارہ بحریہ ٹاؤن کے رہائشی پراجیکٹس میں سے کسی ایک جگہ دو کنال کا کارنر پلاٹ ضرور دیتا ہے۔

- اس کے اپنے بقول وہ اپنی فائلوں کے نیچے 'ٹائر' لگا دیتا ہے جس کے سبب اس کی فائلیں سرکاری اداروں میں پھنستی نہیں ہیں (بقولِ حسن نثار ٹائر تو ہر کوئی ہی پاکستان میں لگاتا ہے بس ملک ریاض ذرا ٹریکٹر سائز کے ٹائر استعمال کرتا ہے، ویسے فوجیوں سے اس کے تعلقات ہیں تو ٹائر کے علاوہ ڈنڈا بھی میسر ہو گیا ہے)۔

یہ تو تھیں روایات، پھر چلتے ہیں پشاور۔ پشاور ڈویلپمنٹ اتھارٹی (پی ڈی اے) نے ایک اشتہار جاری کیا اور کہا کہ سوشل میڈیا پر جو بحریہ ٹاؤن پشاور کی مہم چل رہی ہے یہ جعلی ہے، اور جعلی ہونے کی وجہ یہ بتائی کہ بحریہ ٹاؤن نے پشاور ڈویلپمنٹ اتھارٹی سے کوئی زمین acquire (حاصل) نہیں کی، سو متعلقہ ڈائریکٹر نے عوام کو متنبہ کیا۔ لیکن پی ڈی اے کے متعلقہ ڈائریکٹر کو یہ نہیں معلوم کہ ملک ریاض تو کبھی بھی زمینیں 'سرکار' سے acquire کرتا ہی نہیں!

مقامی پراپرٹی ڈیلروں، قبضہ مافیوں وغیرہ کے ذریعے، بعض دفعہ ایکڑوں زمین خریدی یا قبضہ کی جاتی ہے، بعض دفعہ کنالوں کے حساب سے یہ کام ہوتا ہے اور بعض دفعہ چند چند مرلے مختلف جگہوں سے خریدے یا قبضہ کیے جاتے ہیں، یوں ایک کئی مربع کلو میٹر پر مشتمل اراضی 'خود بخود acquire ہو جاتی ہے' اور ان قبضوں وغیرہ کو legalise کرنے کے لیے 'ٹائر' اور 'ڈنڈے' کا استعمال ہوتا ہے۔

راقم ذاتی طور پر پیچھے بیان کیے گئے معاملے کا عینی گواہ ہے۔ آپ بحریہ ٹاؤن میں داخل ہوں اور اس کے بعد اس میں چلتے چلتے آپ کو یوں محسوس ہو گا کہ جیسے آپ اچانک برہمنوں کے شہر سے شودروں کی بستی میں داخل ہو گئے ہوں۔ بیچ بحریہ ٹاؤنوں میں آپ کو 'اسرائیل-فلسطین کے مابین حائل دیوار' جیسی 'سیمنٹی دیوار' نظر آئے گی جس کے اوپر بعض جگہوں پر خار دار تار بھی نصب ہو گی۔ اگر آپ پار کر کے اندر جائیں تو کچی پکی سی بستی ہو گی۔ یہ دراصل چھوٹے چھوٹے گاؤں ہیں جن کے لوگوں نے قبضہ مافیا کا مقابلہ کیا اور اپنی زمینیں ملک ریاض کو کسی صورت ہتھیانے نہیں دیں۔

مزے کی بات یہ ہے کہ یہ صورتِ حال صرف بحریہ ٹاؤن کی حد تک محدود نہیں بلکہ ڈی ایچ اے میں بھی ایسا ہی ہے۔ لاہور و راولپنڈی کے ڈی ایچ ایز (DHAs) میں اس کا مشاہدہ بھی راقم خود کر چکا ہے کہ کروڑوں روپے کی مالیت کے ولاز اور بنگلوں سے چند میٹر کے فاصلے پر آپ کو ایسے بدبو آئے گی گویا آپ بھینسوں کے باڑے میں گھس گئے ہوں۔ تھوڑا سا چل کر جائیں گے تو اس کی تصدیق آنکھوں سے ہو بھی جائے گی کہ واقعی ناک نے جو بدبو محسوس کی تھی وہ حقیقت میں بھی تھی اور بھینسوں کا باڑا دراصل ایک دیہی علاقے کی سرحد پر واقع ہے اور یہ دیہی علاقہ ڈی ایچ اے میں 'محصور' ہے۔ لاہور میں ڈی ایچ اے ای ایم ای (DHA EME) کے اندر بعض جگہیں 'سیٹھ عابد' کی بھی ہیں جو 'گرین فورٹس سوسائٹی' کا مالک اور خود ایک مشہور بدمعاش ہے۔ یہاں سیٹھ عابد کی 'بدمعاشی' بھی ماننی پڑے گی کہ اس نے اس ملک کے اصل مالکوں سے ٹکر لے رکھی ہے اور کئی سالوں سے یہ جھگڑا چل رہا ہے۔

سفاری ولاز ون، بحریہ ٹاؤن راولپنڈی، بحریہ ٹاؤن لاہور، بحریہ آرچرڈ لاہور، بحریہ انکلیو اسلام آباد، کراچی بحریہ ٹاؤن...... یہ سب ہی حکومت سے acquire نہیں کیے گئے بلکہ یہ پبلک سے حاصل کیے گئے ہیں۔

مزید دلچسپ بات یہ ہے کہ پشاور ڈویلپمنٹ اتھارٹی نے اولاً مذکور نوٹیفکیشن کے بعد ایک دوسرا نوٹس جاری کیا اور پہلے والے نوٹس کے متعلق لکھا کہ ہم وہ واپس لیتے ہیں، حالانکہ حالات ایک فیصد بھی نہیں بدلے...... اور اس دوسرے نوٹیفکیشن کو ملک ریاض کے ٹوئٹر اکاؤنٹ نے شیئر کرتے ہوئے ٹویٹ کیا۔

یعنی ثابت ہو گیا کہ بحریہ ٹاؤن پشاور بن رہا ہے، ٹائر بھی لگے ہوئے ہیں اور باجوہ سے سیٹنگ بھی اچھی ہے!

پاک فوج زندہ باد...... پاکستان پائندہ باد!

'پاک فوج زندہ باد...... پاکستان پائندہ باد' اس نعرے کے متعلق ایک جگہ استاذ احمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا کہ اس نعرے کو فوجی سربراہ ہمیشہ اپنی تقریر کے اختتام پر لگاتا ہے۔ گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ پاک فوج ہے تو پاکستان (کی موجودہ حالت، جہاں نہ اسلام ہے، نہ امن و امان اور نہ ہی کسی قسم کی خوشحالی) ہے۔ اب وسطِ جنوری میں قومی اسمبلی میں پاس ہونے والے تین ترمیمی بل ڈیڑھ گھنٹے کے اندر اندر منظور ہو گئے۔

ان میں ایک آرمی ایکٹ کے حوالے سے بل بھی پاس کیا، دلچسپ بات یہ ہے کہ پچھلے لگ بھگ دو سال سے ن لیگ اور پیپلز پارٹی کسی ایک مسئلہ میں بھی حکومت کے ساتھ متفق و متحد نہیں تھیں، اسمبلی میں مستقل ایک دوسرے کے خلاف صف آرار ہتی تھیں۔ آرمی ایکٹ میں ترمیم کا موقع آیا تو سب کا خیال تھا کہ اس میں خوب اختلاف ہو گا آخر پیپلز پارٹی سے لے کر ن لیگ کا کون سا بڑا لیڈر رہے جس نے جیل کی ہوا نہیں کھائی اور اس کا سبب بھی پاک فوج ہی ہے۔ لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ تینوں پارٹیاں، یعنی تحریکِ انصاف، پیپلز پارٹی اور ن لیگ نے انتہائی خاموشی اور خوشگوار ماحول میں کم سے کم وقت میں بل پاس کر دیا۔ سب حیران ہیں کہ خاص اس بل میں کون سی ایسی بات ہے کہ سارے اختلافات بھلا دیے گئے؟

خاص بات تو یقیناً ہے......'دی بیٹن آف دی چیف آف آرمی سٹاف' یعنی باجوہ کا ڈنڈا! اور ساتھ میں دوسری بات یہ ہے کہ تحریکِ انصاف کی حکومت کے بعد پی پی اور ن لیگ کی حکومت بھی بن سکتی ہے اور بغیر کسی مسئلے کے!

★★★★★

بقایا: تواضع پیدا کرنے کی چند ترکیبیں

ایک طرح کی خدمت بھی ہے کہ اُسے فریضے کی ادائیگی میں مدد ملتی ہے پھر اگر اپنے استعمال کے لیے زیادہ ضرورت نہ ہو تو خفیہ طور پر صدقہ کر دے کیونکہ صدقہ بھی کِبر کا ایک علاج ہے۔

۱۳). موت کو کثرت سے یاد کیا کرے اور جس جگہ بھی موقع مل جائے پوری کوشش کے ساتھ میت کی تجہیز و تکفین میں شرکت کیا کرے۔ بالخصوص اپنے ہاتھ سے نہلائے اور خود قبر میں اُتارے۔ اگر نہلانے کا تجربہ نہ ہو تو پانی ڈالو ادے یا کوئی اور خدمت بجالائے۔ اس قسم کی تدبیر میں سے وہی تدبیر مفید ہو گی اور علاج سمجھی جائے گی جو طبیعت اور نفس پر گراں ہو اور حیثیت کے خلاف ہو۔ اور زیادہ مفید بھی اُسی وقت تک ہے جب تک یہ گرانی رہے، اور عادت ہو جانے پر اثر بھی کم ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں چھوڑ دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ مسلسل استعمال کے بعد دوا بھی غذا بن جاتی ہے، یعنی مفید تو ہوتی ہے لیکن دوا کی طرح زیادہ اثر نہیں کرتی۔ پس اگر مریض ان علاجوں کا پہلے ہی سے عادی ہو تو اُس کو ان کے علاوہ اور دوسرے علاج اختیار کرنے ہوں گے۔ مریض کا مزاج صوفیانہ ہے اور وہ امیروں سے نہیں ملتا اور فقرا کی خدمت کرتا ہے تو اب اس کو امیر لوگوں کی خدمت کرنی چاہیے کیونکہ اس کا تکبر بزرگی کی لائن کا ہے۔ نیز اگر وہ تجارت اور مزدوری وغیرہ نہیں کرتا تو اُس کو ضرورت نہ ہونے کے باوجود بھی تجارت وصنعت وغیرہ میں مشغول ہونا چاہیے۔ پس یہ تدبیریں مریضوں کے حالات کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہیں۔

۱۴). تنہائی میں مذکورہ بالا مراقبہ کرے اور تکبر والوں اور تواضع والوں کے قصے بھی پڑھا کرے۔

۱۵). ایک حدیث میں آیا ہے "تمعددوا واخشوشنوا وامشوا احفاۃً" پر عمل کرے۔ یعنی "سادہ کھاؤ، موٹا پہنو اور بغیر جوتے کے چلا کرو۔" اس کے علاوہ تکبر کا علاج یہ بھی ہے کہ نصف پنڈلی تک کرتا اور شلوار باندھو اور عمامہ باندھنے کی عادت ڈالو اور کپڑے کو پیوند لگائے بغیر نہ چھوڑو۔ اور کبھی سرکہ، ردی کھجور، جو کی روٹی بھی کھایا کرو۔ گدھے پر سواری بھی کیا کرو۔ یہ سب تکبر کے علاج کی نیت سے کیا کرو۔ جان انجان کو خود پہل کر کے سلام کیا کرو۔

◆◆◆◆◆

ہم مجاہدین اس امت کا حصہ ہیں!

"ہم اس امت کے لیے متبادل نہیں نہ ہی ہم ان پر حکمرانی کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ ہم تو اس امت کا ایک حصہ ہیں۔ ہم اس امت کے خادم ہیں۔ ہم اس اُمت کا دفاع اپنی جانوں سے، اس کی حرمت کی حفاظت اپنے خون سے اور اس کی آزادی کا دفاع ہم اپنی روحوں سے کرتے ہیں۔ اللہ کے فضل سے اسلامی حکومت قائم ہو کر ہی رہے گی، تمام آزاد اور محترم مخلص مجاہدین کے ہاتھوں، ان کی قربانیوں، انتخاب اور قناعت کے ذریعے۔"

(فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ)

پہاڑ اور پہاڑا

محمد سعید حسن

بہت عرصہ پہلے...... ٹھیک سے یاد نہیں کہ کس نے...... لیکن کسی نے جھوٹ کا ایک پہاڑا لکھا تھا۔ بچپن میں سبھی کو پہاڑے یاد کروائے جاتے ہیں۔ اسی طرز پر کسی نے جھوٹ کا پہاڑا بھی بنایا تھا۔ جھوٹ اکم جھوٹ، جھوٹ دونی سفید جھوٹ، جھوٹ تیّے دھوکہ۔ جب بھی ملکی اور غیر ملکی میڈیا کی خبریں نظر سے گزرتی ہیں تو جھوٹ کا یہ پہاڑا ذہن میں چلنے لگتا ہے۔ جس وقت یہ پہاڑا پڑھا تھا تب یہ صرف دس تک ہی تھا۔ اب کوئی ہاتھ میں لغت لے کر بیٹھ جائے تو عین ممکن ہے کہ پہاڑا چلتا ہی چلا جائے اور ختم ہونے میں نہ آئے۔ ہمارے یہاں صحت، صفائی، تعلیم اور کاروباری اخلاقیات کے اعلیٰ معیارات (standards) پائے نہیں جاتے۔ ان کی تلاش کے لیے ہماری نگاہیں عموماً اپنے ملک سے باہر ہی اٹھتی ہیں اور بعض معاملات میں یہ حقیقت کسی نہ کسی درجے میں پائی بھی جاتی ہے۔ اب اس سے کون انکار کرے۔ جس بات پر دِل میں کسک سی اٹھتی ہے وہ اس ذراسے اقرار سے شروع ہو کر احساسِ کمتری پر مبنی غلامانہ ذہنیت اور نفسیات والا رویّہ ہے۔ یہ رویّہ جگہ جگہ نظر آتا ہے۔ جہاں جا کر یہ چیز تقریباً ناقابلِ برداشت سی ہو جاتی ہے وہ یہ رویہ ہے کہ مغرب کی ہر ہر چیز صرف اس لیے اچھی بن جاتی ہے کیونکہ اس کا تعلق وہاں سے ہوتا ہے اور مشرق کی ہر ہر چیز بُری اور گھٹیا صرف اس لیے بن جاتی ہے کیونکہ اس کا تعلق یہاں سے ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ میں کوئی die hard قسم کا نیشنلسٹ نہیں ہوں بلکہ یوں کہہ لیجیے کہ سرے سے نیشنلسٹ ہی نہیں ہوں لیکن یہ رویّہ تو اس بے چارے نیشنل ازم سے بھی آگے نکل کر مسلمانی کے خلاف ہو جاتا ہے۔ ساری دیانت، ساری امانت، سارا اخلاق (اخلاق اور manners میں جو زمین آسمان کا فرق ہے اس کا بیان ادھار سہی)، سارا مثبت پن اور ساری تعمیری ذہنیت مغرب کے کھاتے میں چلی جاتی ہے۔ اس کے مقابلے پر ساری بد دیانتی، ساری خیانت، ساری بداخلاقی، سارا منفی پن اور ساری تخریبی سوچ مسلمانوں کے کھاتے میں ڈال دی جاتی ہے۔ یہ خام خیالی نہیں بلکہ آنکھوں دیکھی حقیقت ہے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ مغرب جانے والی ہماری اکثریت بھی کوئی آخری درجے کی receptive (قبول کرنے والی) سوچ والی ہوتی ہے۔ ایک تو عام آبادی میں بھی اکثریت پیروکار (follower) ذہنیت والی ہوتی ہے اس پر مستزاد یہ کہ جو طبقہ وہاں جاتا ہے اس کی اکثریت فکرِ معاش میں وہاں کا رُخ کرتی ہے۔ جو تعلیم کے لیے جاتے ہیں وہ میڈیکل، انجینئرنگ یا کامرس میں چلے جاتے ہیں۔ بالکل معمولی طبقہ وہ ہوتا ہے جو humanities کی سٹڈی کرتا ہے اور ان میں سے بھی وہ افراد خال خال ہوتے ہیں جن کا exposure اس تعلیم سے قبل، دوران میں اور بعد میں کثیر الجہتی (multi-dimensional) ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے ان میں سے اکا دکا ہی اقبال اور سید قطب پیدا ہوتے ہیں۔ تنقیدی نظر (critical thinking) کی کمی اور مغرب کا سیاسی غلبہ فرد کو اس معاشرے کے لیے تر نوالہ بنا دیتا ہے۔ یہی افراد جب وہاں سے یہاں آتے ہیں تو ساری گفتگو سڑکوں کی صفائی اور عمارتوں کی اونچائی پر ہوتی ہے۔ یہ نفسیات ہمارے اندر اتنی راسخ اور اتنی پختہ ہو گئی ہے کہ نکالے نہیں نکلتیں۔ کاروباری دیانت کے پول، کارپوریشنوں کی باہمی مسابقت (competition) اور زیادہ سے زیادہ منافع کے لالچ میں کھیلے جانے والے کھیلوں میں کھلتے ہیں۔ ہم تو شیشے کی بنی عمارتوں اور indoor decorations دیکھ کر ہی ریجھ جاتے ہیں، اس طرف نگاہ اٹھے سو اٹھے! سیاسی شفافیت (political transparency) کی داستانوں کے سرے کارپوریشنز کے دفاتر تک جاتے ہیں۔ رہی علمی امانت، اس پر گویا مغرب ہی کی اجارہ داری ہے، چاہے کوپر نیکس اپنی کتابیں ابن الشاطر کے مقالوں سے کاپی پیسٹ کر کے لکھتا رہے یا ٹائیکو بریہی ابو الوفا سے چھ سو سال بعد اس کے کام کو اپنا بتاتا رہے۔ اسے سرقہ (plagiarism) کہتے ہیں۔ یہی معاملہ ذرائع ابلاغ کا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ دنیا بھر کا نوّے (90) فیصد سے زائد میڈیا چھ بڑی کمپنیز کے پاس ہے اور یہ کمپنیز کن کے پاس ہیں؛ مجھے یہاں صرف یہ کہنا ہے کہ جو علمی دیانت اور سچائی کا ثبوت ان کی خبروں میں دکھائی دیتا ہے وہ جاننے والوں سے مخفی نہیں ہے، لیکن اس سب کے باوجود ہم لوگ خبر کی سچائی جاننے کے لیے یہ دیکھتے ہیں کہ کیا یہ خبر بی بی سی یا سی این این یا وائس آف امریکہ کی جانب سے آئی ہے یا نہیں۔ خبروں کو باقاعدہ manipulate کیا جاتا ہے۔ اس manipulation کے جتنے ہتھکنڈے ہوسکتے ہیں وہ سبھی آزمائے جاتے ہیں۔ بات کو واوین (Inverted commas) میں لکھ دیتے ہیں۔ اس سے اوپر نیچے ایسا ناپا تُلا جملہ کس دیتے ہیں کہ پڑھنے والا اس بات کو ان کے ڈکٹیٹ کیے ہوئے زاویے سے پڑھے یا کم از کم بھی اس بات میں وہ وزن رہنے ہی نہ دیا جائے۔ اس کے علاوہ پبلشنگ ٹیکنیکس استعمال کر کے خبروں کو manipulate کرتے ہیں جیسے کسی بات کو اوپر نیچے سے کاٹ کر، بولڈ کر کے، باکس میں ڈسپلے کر دینا۔ اگر آپ بی بی سی اردو سروس کی ویب سائٹ کے قاری ہیں تو یہ "معصومانہ" حرکتیں آپ سے ڈھکی چھپی نہیں ہوں گی۔ یہ تو بات تھی manipulation کی، مغرب کی علمی دیانت اس سے بھی کہیں آگے کی چیز ہے۔

ایک بات یاد رکھیے گا۔ جدید مغرب دہریہ ہے۔ خدا کے انکار پر کھڑا ہے جو نظام اس بنیاد پر کھڑا ہوتا ہے اس میں اخلاقیات کی کوئی sanction نہیں ہوتی۔ جدید مغرب میں اخلاقیات کی کوئی sanction نہیں ہے لہٰذا ان سے کسی خیر کی، عدل اور انصاف کی، علمی دیانت اور امانت

کی توقع کرنا فضول ہے۔ رہا وہ قدیم مغرب جو اب اس جدید مغرب کا ایک معاشرتی حصہ ہے اس سے بھی کسی عدل اور انصاف کی توقع اس لیے نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ قدیم مغرب مذہبی طور پر عیسائی ہے اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں atonement کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہر اس انسان کے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے سولی چڑھ گئے تھے جو انہیں خدا مانتا ہے۔ ایسے انسان کے تمام گناہ معاف ہیں۔ اس لیے تمام عیسائی اس 'خدائی معافی' میں رہ رہے ہیں جسے living under God's grace کہا جاتا ہے۔ نیکی ضروری نہیں ہے نہ ہی اس کی بنیاد پر جنت دوزخ کے فیصلے ہوں گے بلکہ یہ ایک اضافی چیز ہے۔ جو کرنا چاہے کرلے۔ اس لیے ان کے یہاں کہا جاتا ہے کہ: the greater will be the sin, the greater will be the redemption جتنا بڑا گناہ ہوگا اتنی ہی بڑی معافی ہوگی۔ اس عیسائی تصور کو پھر کبھی موضوع بحث بنائیں گے فی الحال بات یہ ہو رہی ہے کہ اس قدیم مغرب کو بھی علمی خیانت کرنے میں کوئی شے روکنے والی نہیں ہے۔ جس طرح سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے منکر جدید مغرب کی اخلاقیات کے پیچھے کوئی sanction نہیں ہے اسی طرح اس متعصب عیسائی مغرب کی اخلاقیات کے پیچھے کوئی sanction نہیں ہے۔ اس مغرب سے خیر کی توقع کرنا عبث ہے، فضول ہے۔ یہ جب میڈیا کے میدان میں ہوتے ہیں تو خبروں کی محض manipulation ہی نہیں کرتے بلکہ ان میں اسلام سے متعلق صریح جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ مثالوں کے ڈھیر موجود ہیں۔ جس شے نے مجھے یہ لکھنے پر مجبور کر دیا وہ یہ خبر ہے:

> Islamists swept across northern Mali after a March 22 coup carried out by troops protesting the government's response to the Islamist presence in the vast desert north.
>
> Several towns have since been placed under hardline sharia law, which has seen the carrying out of extreme punishments including the stoning to death of an unmarried couple.
>
>

یہاں AFP جیسی بڑی خبر رساں ایجنسی نے عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے پہاڑ جیسا جھوٹ بولا ہے۔ خبر ہے کہ مالی کے اسلام پسندوں نے شریعت نافذ کر دی ہے اور سخت سزائیں نافذ کر دی ہیں جن کی ایک مثال ایک غیر شادی شدہ جوڑے کو رجم (stoning) کی سزا دی گئی ہے۔ یاد رہے کہ اسلام میں یہ سزا شادی شدہ زانی کی ہے نا کہ غیر شادی شدہ زانی کی۔ اس ایک بات سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ خبر کسی کمرے میں بیٹھ کر لکھی گئی ہے اور اس کا حقیقت سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔ یہ عیسائی اور یہودی اللہ کے یہاں اسی لیے گمراہ قرار پائے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی اس کتاب ہی کو چھوڑ دیا جو (باقی صفحہ نمبر 88 پر)

قانونی کرپشن کون روکے گا؟

ضرغام علی حبیب

انسانوں کے خود ساختہ قانون بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ نقلی اور عقلی طور پر حرام قرار دیا گیا کام پارلیمنٹ کے ارکان کی اکثریت یا پھر کسی جرنیل کے ایک دستخط سے حلال ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ حدود آرڈیننس اس کی واضح ترین مثال ہے۔ کرپشن کے معاملے میں بھی ہمیں ایسی ہی صورتحال کا سامنا ہے۔ بجائے اس کے کہ ہر اس فعل کو کرپشن کہا جائے جس میں اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے حق سے تجاوز کیا جائے، ہمارے ہاں کرپشن کی بہت سی صورتوں کو حلال کیا گیا ہے۔ مہران بینک سکینڈل، جی تھری سکینڈل، جج کرپشن سکینڈل، رینٹل پاور پلانٹ سکینڈل، این آئی سی ایل سکینڈل، سوئس اکاؤنٹس سکینڈل، پانامہ لیکس......یہ سارے کیسز کرپشن کی اس قسم سے ہیں جن کو آئینِ پاکستان جرم قرار دیتا ہے، حکومت ایسی کرپشن کو روکنا اپنا فرض مانتی ہے(یہ الگ بات ہے کہ حکومت ہی کے لوگ یہ کرپشن کرتے ہیں)، عدلیہ بھی ایسے واقعات پر سوموٹو ایکشن لینے کا حق رکھتی ہے اور فوج بھی اس جیسی کرپشن کو روکنے کے لیے اقتدار میں آتے ہی نیب جیسے ادارے بناتی ہے، یعنی یہ سارے کیسز جن میں سے بہت تھوڑے عوام کے سامنے آتے ہیں قانوناً کرپشن کے دائرے میں آتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ جتنے بھی کیسز منظرِ عام پر آتے ہیں ان کا فیصلہ اور ان پر دی جانے والی سزا کا بھی انتظار ہی رہتا ہے۔ اور عموماً احتساب کا نعرہ لگا کر مقصود سیاسی مخالفین کو اپنے ساتھ ملانا ورنہ انہیں سبق سکھانا ہوتا ہے۔

لیکن دوسری طرف حکمرانوں کے لامتناہی اختیارات، مراعات، بیرونِ ملک دوروں پر قوم کے ٹیکسوں سے اکٹھی کی گئی رقم کا بے دریغ استعمال، فوج کا ناقابلِ احتساب بجٹ، اپنے ہی عوام کے خلاف بے دریغ فوجی آپریشن اور ان آپریشنوں کے دوران معصوم بچوں تک کا قتلِ عام، فوجی افسروں کی پوش ہاؤسنگ سوسائٹیاں(ڈی ایچ اے، عسکری، نیول انکریج، فضائیہ وغیرہ وغیرہ) اور ایکڑوں پر محیط زرعی فارم، ملکی وسائل کو اونے پونے داموں ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ہاتھوں بیچنا، نیٹو کو بغیر منافع لیے مسلسل گیارہ سال تیل کی سپلائی دینا تاکہ وہ افغانستان کے مسلمانوں کو ذبح کرتے رہیں، عالمی قوتوں کے دباؤ کی وجہ سے ملکی وسائل کی بجائے غیر ملکی مصنوعات پر انحصار کرنا، صوبوں میں امتیازی فضا قائم کرنا، ملازمتوں کا کوٹہ سسٹم، پٹرول کو استعمال کرتے ہوئے عوام سے ریوینیو جمع کرنا، وی آئی پی پروٹوکول غرض ایک لمبا سلسلہ ہے ایسے افعال کا جو شریعت کی نظر میں بھی کرپشن ہیں اور پاکستان کے مسلمان بھی اسے کرپشن ہی سمجھتے ہیں لیکن کیونکہ ان پر دستخط ہوئے ہیں؟ اس لیے کہ عدلیہ، پارلیمنٹ کی نظر میں یہ کرپشن نہیں۔

اس کی ایک بڑی مثال ابھی ملک ریاض کا بحریہ ٹاؤن کراچی کا کیس ہے۔ مقدمہ جونہی بنا اور عدالت میں پیشی ویشی کی بات چلنے ہی لگی تو عدالتِ عالیہ کے ساتھ 'سمجھوتہ' کر لیا گیا۔ آپ کیس نہ سنیں یا عدالت کیس نہ سنے گی، بس آپ چار سو ساٹھ ارب روپے جمع کروا دیں۔ کمال یہ ہے کہ یہ سب ہماری 'دیسی ساختہ جمہوریت' میں ہی نہیں ہے، بلکہ 'اصلی جمہوریت' میں بھی ایسا ہی ہے۔ برطانیہ کی نیشنل کرائم ایجنسی نے ملک ریاض کے متعلق ایک کیس کی تحقیق شروع کی تو وہاں بھی فوراً پیسوں کی پیشکش کہ تحقیق و تفتیش نہ کرو یہ لو پیسے اور انیس کروڑ پاؤنڈ (کھربوں روپے بنتے ہیں خود ہی آج کے اخبار میں پاؤنڈ کا ریٹ دیکھ کر حساب نکال لیں) ملک ریاض کی جیب سے نکلے اور سب تحقیقات بند۔ بحریہ ٹاؤن کراچی کی زمین کیسے لی گئی، کیسے پلاٹنگ ہوئی، کس کو کتنے کی اور کیسے بیچی، ریت اور بجری کا جو اربوں روپے کا کاروبار اسی بحریہ ٹاؤن اور اس سے کچھ آگے 'ڈی ایچ اے سٹی' میں راؤ انوار کرتا تھا، زرداری کا کیا حصہ تھا...... یہ سب تحقیق ختم۔

جب بھی ملک سے کرپشن کے خاتمے کا شور اٹھتا ہے تو سوچنا پڑتا ہے کہ جو چیز آئین ہی میں کرپشن نہیں اس کا حل کیونکر ممکن ہے۔

★★★★★

بقیہ: پہاڑ اور پہاڑا

انہیں دی گئی تھی۔ اس میں بھی زانی کی سزا رجم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ ۗ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۖ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ○(سورۃ المائدۃ:۶۸)

"صاف کہہ دو کہ "اے اہلِ کتاب! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ تورات اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔ ضرور ہے کہ یہ فرمان جو تم پر نازل کیا گیا ہے ان میں سے اکثر کی سرکشی اور انکار کو اور زیادہ بڑھا دے گا۔ مگر انکار کرنے والوں کے حال پر کچھ افسوس نہ کرو۔"

کیا ہم بھی اس کتابِ ہدایت کو، اس قانون کو، اپنے اوپر، اپنی انفرادی زندگیوں میں طرزِ حیات اور اپنی اجتماعی زندگی میں ملکی قانون کی شکل میں نافذ کرنے کے لیے تیار ہیں اور کیا یہی وجہ نہیں کہ ہم (امت) سے زمانے کی امامت چھین لی گئی ہے؟

★★★★★

جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے......!

نسیم حجازی

ذیل میں موجود کہانی نسیم حجازی نے اپنے ناول 'سفید جزیرے' کے پیش لفظ میں لکھی ہے۔ آج کے وزیرِ اعظم کو دیکھیں یا آرمی چیف کو، اور پھر ان کے مقرر کردہ وزیروں اور جرنیلوں کو دیکھیں، خاص کر عہدے کے لیے مطلوب لیاقت اور عہدے پر براجمان 'اصحاب' کو دیکھیں تو آج کے حالات پر یہ کہانی صدفی صد صادق آتی ہے۔ ایک طرف تو اس کہانی اور تماثیل، جیسے باجوہ، عمران خاں، آصف غفور (آئی ایس پی آر)، شیخ رشید (ریلوے)، فردوس عاشق (اطلاعات)، فواد چودھری (سائنس)، فروغ نسیم (قانون)، امین گنڈاپور (امورِ کشمیر)، حفیظ شیخ (خزانہ)، پرویز خٹک (وزیرِ دفاع)، فیصل واوڈا (آبی ذخائر) پرویز الٰہی (سپیکر پنجاب اسمبلی)، عثمان بزدار (وزیرِ اعلیٰ پنجاب)، مراد علی شاہ (وزیرِ اعلیٰ سندھ)، وغیرہ کے نام اور 'ذمہ داریاں' پڑھ کر ہنسی آتی ہے تو اس ہنسی کا دوسرا پہلو نہایت غم ناک ہے......کیسے کیسے جاہل، اجڈ، گھامڑ، لادین و بے دین، مداری کہیں کے لوگ ہم پر مسلط ہیں (کماحقہ الفاظ و خطابات سے ان لوگوں کی تواضع نہ کر سکنے پر ہم معذرت خواہ ہیں)۔ ذیل میں درج کہانی میں بادشاہ نے گدھے میں واقعی کوئی چیز محسوس کر کے اسے اپنا وزیر لگایا تھا، ہمارے یہاں تو معیار کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس دین دشمن اور عوام کُش نظام کو تباہ و برباد فرمائیں اور گلستانِ وطن میں شریعت کے غنچے اور گلاب کِھلائیں، آمین۔ (مرتِّب: میاں سعد خالد)

ایک بادشاہ نے اپنے ملک کے ایک مشہور نجومی کو اپنا وزیر اعظم بنالیا۔ سردیوں کے موسم میں ایک دن بادشاہ سلامت کے دل میں سیر و شکار کا شوق پیدا ہوا اور انہوں نے اپنے دانشمند وزیر سے موسم کا حال پوچھا۔ وزیر نے جواب دیا: "عالی جاہ! میرا علم یہ بتاتا ہے کہ موسم نہایت خوشگوار رہے گا۔ سارا دن دھوپ رہے گی اور ہوا بھی بند رہے گی۔ سیر و شکار کے لیے اس سے بہتر دن اور کوئی نہیں ہو سکتا!"۔

بادشاہ سلامت اپنے مصاحبوں کے ساتھ شکار کے لیے نکلے تو راستے میں ایک کسان ملا، جو گدھے پر سوار تھا۔ کسان بادشاہ کو دیکھتے ہی گدھے سے کود پڑا اور ہاتھ جوڑ کر چلایا، "حضور کا اقبال بلند ہو اور حضور کے دشمن جنہوں نے آج کے دن حضور کو محل سے باہر نکلنے کا مشورہ دیا ہے، ذلیل و خوار ہوں۔ میں التجا کرتا ہوں کہ آج کے دن اگر آپ اپنے محل میں رہیں تو بہتر ہوگا"۔

بادشاہ نے پوچھا "وہ کیوں؟"۔

کسان نے جواب دیا، "عالی جاہ! آج آندھی آئے گی، بارش ہوگی اور اولے پڑیں گے"۔

بادشاہ نے پریشان ہو کر اپنے وزیر کی طرف دیکھا اور اس نے کہا "جہاں پناہ! آپ ایک پاگل آدمی کی باتوں پر توجہ نہ دیں۔ یہ آپ کا قیمتی وقت ضائع کر رہا ہے"۔

بادشاہ نے غضبناک ہو کر بولا، "اس پاگل آدمی کو جوتے لگاؤ......" اور سپاہیوں نے جوتوں سے کسان کی تواضع کر دی۔

لیکن جب بادشاہ تھوڑی دور آگے گیا تو افق سے آندھی کے آثار دکھائی دیے۔ آن کی آن میں آسمان پر تاریکی چھا گئی اور باد و باراں کے طوفان کے ساتھ اولے پڑنے لگے۔ جنگل میں بادشاہ سلامت کے لیے سر چھپانے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ وہ پانی اور کیچڑ میں لت پت ہونے کے بعد سردی سے ٹھٹھر رہے تھے۔ اور اس مصیبت میں اگر ان کے دل میں کوئی خیال آسکتا تھا تو وہ یہ تھا کہ نالائق وزیر کے لیے بدترین سزا کیا دی جاسکتی ہے۔

قصۂ مختصر بعد از خرابی بسیار جب وہ واپس اپنے محل پہنچے تو انہوں نے اطمینان کا سانس لیتے ہی دو فرمان جاری کیے۔ ایک یہ کہ وزیر کا منہ کالا کر کے شہر میں پھرایا جائے اور اس کے بعد اُسے کال کوٹھری میں بند کر دیا جائے۔ دوسرا یہ کہ وزارت کا عہدہ سنبھالنے کے لیے اس کسان کو تلاش کیا جائے جسے کچھ دیر قبل جوتے مار مار کر گنجا کر دیا تھا۔

ان احکام کی تعمیل کی گئی۔ جب کسان بادشاہ کے دربار میں پیش ہوا اور اسے یہ خوشخبری سنائی گئی کہ تم وزیر اعظم بنا دیے گئے ہو تو اس نے ملتجی ہو کر کہا، "عالی جاہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! اب مجھے کس جرم کی سزا دی جارہی ہے؟"

بادشاہ نے جواب دیا، "یہ سزا نہیں بلکہ انعام ہے۔ تم اس دور کے سب سے بڑے نجومی ہو اور ہمیں وزیر اعظم کی حیثیت میں تمہاری خدمات کی ضرورت ہے"۔

کسان نے جواب دیا۔ "عالی جاہ! میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نجومی نہیں ہوں"۔

بادشاہ نے حیران ہو کر کہا، "تم کسر نفسی سے کام لے رہے ہو"۔

کسان نے جواب دیا۔ "عالی جاہ! میں کسر نفسی سے کام نہیں لیتا۔ یہ حقیقت ہے کہ میں نجومی نہیں ہوں۔ اگر میں نجومی ہوتا تو آج حضور کے راستے سے گزرنے کی حماقت نہ کرتا"۔

بادشاہ نے کہا، "اگر تم نجومی نہیں ہو تو تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ آج طوفان آرہا ہے؟"

کسان نے جواب دیا۔ "عالی جاہ! یہ میرا نہیں بلکہ میرے گدھے کا کمال ہے۔ جب موسم میں کسی ناخوشگوار تبدیلی کے آثار پیدا ہوتے ہیں تو وہ چند گھنٹے بیشتر ہی اپنے کان ڈھیلے چھوڑ دیتا ہے۔ اور آج تو اس کے کان بہت ہی ڈھیلے تھے"۔

بادشاہ نے کہا، "بہت اچھا آج سے تمہارا گدھا ہمارا وزیر اعظم ہے!"۔

[لگتا ہے، اُس وقت 'آرمی چیف' بادشاہ ہوا کرتا تھا، اس لیے تو اس نے وزیرِ اعظم کا انتخاب (selection) کیا!]

☆☆☆☆☆

سال ۲۰۱۹ء میں پاکستان میں کیا ہوا؟

طلعت حسین

سال ۲۰۱۹ء میں پاکستان میں کیا کیا ہوا......اس کے متعلق طلعت حسین کا یہ تجزیہ معمولی ردوبدل کے ساتھ پیشِ خدمت ہے۔ اس کو پیش کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جمہوریت اپنے حسن وروپ کے ساتھ جب جلوہ گر ہوتی ہے تو کیسی کیسی قیامتیں ڈھاتی ہے۔ طلعت حسین کا یہ تجزیہ سب ظاہری مظاہر (indicators) پر مبنی ہے، اور یقیناً بھیانک بھی ہے۔ اس تجزیے میں مسائل ذکر کیے گئے ہیں۔ ان سب مسائل کا واحد حل رجوع الیٰ اللہ اور اللہ کی شریعت کا نفاذ ذاتی واجتماعی زندگی میں ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ......(سورۃ الاعراف:۹۶) یعنی ”اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرلیتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین دونوں طرف سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے“۔ یہ آیتِ مبارکہ ہمیں بتاتی ہے کہ اگر ہم صحیح سے اللہ پر ایمان لائیں، اس کا تقویٰ اختیار کریں اور اپنی زندگی کے ہر ہر معاملے میں اس کی شریعت کو کسوٹی بنالیں تو زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے دنیا و آخرت کے لیے ہمارے واسطے کھل جائیں گے۔ اللہ پاک ہمیں اپنی مبارک شریعت پر عمل کرنے والا اور اسی شریعت کی خاطر کھپنے والا بنائیں، آمین یاربّ العالمین۔ (مدیر)

روایت بھی ہے، دستور بھی ہے اور ضرورت بھی ہے کہ جب سال ختم ہو رہا ہوتا ہے تو احاطہ کرنا ہوتا ہے کہ یہ سال کیسا گزرا؟

آج ہم آپ کو بتائیں گے کہ ہمارے ساتھ اور آپ کے ساتھ کیا ہوا......بلکہ یہ بھی بتائیں گے کہ دنیا بھر کے اندر کیا ہو رہا ہے؟ یہ بھی بتائیں گے کہ کس نے کیا کیا غضب ڈھایا اور کیا کیا کمال کیا؟ اور آخر میں یہ بتائیں گے کہ سال کے پانچ باکمال ترین لوگ کون ہیں؟

آپ کے ساتھ کیا کیا ہوا؟

بجلی ۱۸ فیصد مہنگی ہوئی۔ گیس اس سال ۵۵ فیصد مہنگی ہوئی۔ خوراک کی چیزوں میں ۳۳ سے ۳۶ فیصد تک مہنگائی بڑھی۔ دس سال میں یہ سال یعنی ۲۰۱۹ء سب سے مہنگا سال تھا۔ آلو ۸۲ فیصد، سبزیاں چالیس فیصد، چینی ۳۳ فیصد، دالیں ۵۴ فیصد، پھلوں کی قیمتوں میں ۳۰ سے ۶۰ فیصد اضافہ ہوا۔ دودھ ۲۵ فیصد مہنگا ہوا۔

بجلی کی قیمتوں پر واپس آئیں تو ابھی بجلی اور پٹرول کی قیمتوں کو دوبارہ سے بڑھانے کی تجویز دی گئی ہے۔ بجلی کی قیمتوں میں ۲۰۱۹ء میں پندرہ مرتبہ اضافہ ہوا، یعنی ہر بیس دن کے بعد بجلی کی قیمتوں میں اضافہ ہوا۔ ایندھن رفیول کے چارجز میں بارہ مرتبہ ایڈجسٹمنٹ ہوئی اور ملا کر ایک ہزار ارب روپے کا بوجھ ہمارے اور آپ کے ناتواں کندھوں پر ڈال دیا گیا۔

آپ کے بجلی کے بلوں میں آپ کو بتا دیں کہ کمپنیوں کے جو قرضے دینے ہیں، جو جو payments کرنی ہیں وہ بھی اس میں شامل ہیں۔ نیلم جہلم پراجیکٹ کا کھاتا بھی ان میں ڈالا ہوا ہے۔

آٹھ مرتبہ ہدایات جاری کی گئیں، چار مرتبہ بڑی بڑی ہیڈلائنز بنائی گئیں کہ ہم نے قیمتوں کو کنٹرول کرنا ہے۔ دو درجن سے زیادہ اس سال میں پریس کانفرنسیں کی گئیں، آدھا درجن مختلف قسم کی کمیٹیاں قائم کی گئیں مہنگائی کم کرنے کے لیے اور نتیجہ کیا نکلا؟ 'انڈا'، صفر نتیجہ نکلا مہنگائی کم کرنے کے حوالے سے۔ مہنگائی دس سال کے اندر بدترین سطح پر ہے۔

اس سال مختلف شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ بیس (۲۰) لاکھ افراد کی نوکریاں چلی گئیں۔ جب اگلا سال چڑھے گا تو اس کے اندر مزید اضافہ ہوگا۔ سٹاک مارکیٹ کے اندر اربوں روپے ڈوب گئے۔ بڑا انویسٹر چالاک ہو گیا ہے وہ نکل جاتا ہے اور چھوٹے سرمایہ کاروں کا قتلِ عام ہوا ہے۔ ملک بھر میں کاروبار کے اندر ۲۸ سے ۳۳ فیصد کمی واقع ہوئی ہے۔ یعنی آپ کا کاروبار shrink ہوا یعنی سکڑا ہے۔

معیشت جو پانچ اعشاریہ نو یا چھ اعشاریہ دو پر نمو پا رہی تھی وہ دو اعشاریہ چار پر آگئی ہے۔

تعلیم، سفر، انصاف اور گھروں کے کرایے، ان میں سب سے زیادہ مہنگائی ہوئی ہے۔ اسی سال ملک کی تاریخ کے ریکارڈ قرضے بھی لیے گئے ہیں۔

خارجہ پالیسی کے لحاظ سے یہ سال بدترین رہا۔ کشمیر ہمارے ہاتھ سے عملاً نکل گیا۔ امریکہ کی منتیں کرنے کے باوجود اس کا دباؤ برقرار رہا۔

اس سال ترکی ہم سے ناراض ہوا، قطر ہم سے ناراض ہوا، ملائشیا ہم سے ناراض ہوا۔ سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کو ہم نے منتیں کر کے منایا۔ یہ پہلی بار ہے کہ پاکستان کو خارجہ پالیسی کے ہر محاذ پر سبکی کا سامنا کرنا پڑا۔

جن چیزوں میں اضافہ ہوا، ان میں جرائم سرِفہرست ہیں۔ سرکاری طور پر جھوٹ بولنے میں اضافہ ہوا۔

یہ سال احتجاجوں کا سال تھا، اس سال میں غربت بھی بڑھی، بے روزگاری بھی بڑھی، کرپشن کے معاملہ میں جو دن رات ڈھول بجاتے رہے تو اس کی پکڑ دھکڑ کے نتیجے میں ایک دھیلہ بھی پاکستان میں نہیں آیا۔ جو بہت سارے دھیلے ملک ریاض کے آئے ان کو ایڈجسٹ کر کے بطورِ جرمانہ سپریم کورٹ کو دے دیا۔

۲۰۱۹ء میں ہونے والا کمالات

سب سے بڑا کمال عمران خان کی معاشی ٹیم نے کیا۔ لوگوں اور معیشت کی ایسی کی تیسی کر کے رکھ دی۔ حفیظ شیخ صرف ٹماٹروں کی قیمتوں پر نہیں لڑھکے بلکہ انہوں نے لوگوں کی ذاتی معیشت بھی تباہ کر دی۔

وزیرِ قانون نے بڑا کمال کیا، اس نے استعفیٰ دیا اور پھر وہ واپس آ گیا۔ الطاف حسین کی بھی نمائندگی کا کمال کیا، مشرف کی بھی نمائندگی کی اور باجوہ کی بھی نمائندگی کی سپریم کورٹ میں۔

جسٹس ریٹائرڈ کھوسہ نے کمال کیا۔ پہلے نظام کی اپنے فیصلوں کے ذریعے ایسی کی تیسی کی اور جاتے جاتے اپنے معاملات طے نہ ہونے کا غصہ لے کر باجوہ کو ایکسٹینشن دینے کا فیصلہ کر کے ثابت کیا کہ لوگ ماضی کو جلدی بھول جاتے ہیں اور اگر آپ بڑا دھانسو سا کوئی متنازعہ فیصلہ کر دیں تو اس پر تاریخ بن جاتی ہے۔ اگرچہ فیصلہ ہے بہت اہم لیکن جب اس کے محرکات سامنے آئیں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ انہوں نے کس وجہ سے یہ فیصلہ دیا۔

زلفی بخاری نے کمال کیا۔ دوہری شہریت رکھنے کے باوجود ہر اہم میٹنگ کے اندر گھسے رہے اور اپنی ہی تعریف والے ٹوئیٹس جاری کر کے کمال کیا۔

جنرل باجوہ نے ریٹائر ہو کر نہ ریٹائر ہونے کا کمال کیا۔

میڈیا مالکان نے پالش اور مالش کر کے کمال کیا۔

مولانا فضل الرحمان نے کمال کیا۔ پہلے اسلام آباد آئے پھر پلان بی کی بات کی اور پھر پلان سی اور پھر پلان زی زی کرتے ہوئے فرار ہو گئے۔

کمال کرنے والوں میں ٹاپ فائیو کون سے ہیں؟

پانچویں نمبر پر آپ اتفاق کریں نہ کریں، میرے خیال میں حریم شاہ نے کمال کیا۔ حریم شاہ نے کمال اس وجہ سے کیا کہ 'ریاستِ مدینہ' کا نام استعمال کرنے والے تمام لوگ، جو بات کرتے ہیں تو درود سے شروع کرتے ہیں اور ختم کرتے ہیں تو سلام پر ختم کرتے ہیں، ان کی اور دوسرے لوگوں پر سے ہلکی سی چادر ہٹا کر اس نے کمال کیا۔

چوتھے نمبر پر کمال عمران خان نے کیا کہ عوام کے ساتھ سب کچھ کر کے بھی سینہ پھلا کر یہ دعویٰ کیا کہ میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ یہ بات کر کے انہوں نے کمال کیا۔

تیسرے نمبر پر پاکستان کے عوام ہیں جنہوں نے ۲۰۱۹ء میں ذلت، خفت اور غربت کو برداشت کر کے کمال کیا۔

دوسرے نمبر وہ 'لوگ' ہیں جنہوں نے یہ سیاسی تجربہ کیا اور یہ ٹھان رکھا ہے کہ ہم نے اسے کامیاب قرار دینا ہے۔ ان 'لوگوں' نے یہ تجربہ کر کے اور اس تجربے کا ساتھ دے کر کمال کیا۔

پہلے نمبر پر کشمیریوں نے اس ہندوستان کے بدترین ظلم و جبر کے ساتھ رہ کر کمال کیا۔ میرے خیال میں سب سے زیادہ (مثبت) کمال کشمیریوں نے کیا۔

بقایا: شہید غازی بابا کیا چاہتے تھے؟

قرآن پاک، سنت نبوی ﷺ اور حیات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں موجود ہے۔ خلفائے راشدین نے قرآنی و نبوی تعلیمات کو نہ صرف اپنی فکر بنا لیا بلکہ دلوں اور روحوں میں جذب کر کے ان تعلیمات کا عملی نمونہ بنے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ہماری ہی طرح انسان تھے، انہوں نے حق کو دیکھا، پہچانا اور یکسوئی و سنجیدگی کے ساتھ عمل کیا۔ قرآن آج بھی مکمل اسی طرح قابل فہم قابل عمل ہے۔ جس طرح پہلے تھا۔

ہمارے سامنے اس وقت بھی ایک عام مجاہد ''ملا عمر'' قرآن پر عمل کر کے امیر المومنین ملا محمد عمر بن گیا، جو اس وقت دنیا کی باطل، طاغوتی، دجالی قوتوں کے خلاف کھڑا ہے۔ امیر المومنین ملا محمد عمر کی قیادت اس وقت ایک معجزاتی قیادت سے کم نہیں ہے۔ ایک طرف دنیا کی بڑی طاقت امریکہ، یورپ، نیٹو افواج، منافقین اور بے ضمیر مسلم حکمران اور افواج جو امریکہ کے شکاری کتے جیسے ہیں، روٹی کے لیے اپنے دین و ضمیر کو بیچ چکے ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی، بم، بارود، اسلحہ اور دوسری طرف مخلص مجاہدین۔ دونوں طاقتوں کا موازنہ کیا جائے تو طالوت اور جالوت والا میدان جنگ دکھائی دے رہا ہے۔ امریکہ کے ساتھ صرف اسلحہ ہی نہیں بلکہ پوری میڈیا کی مشینری، اخبار، ٹی وی، ریڈیو، انٹرنیٹ وغیرہ یہ دجالی امریکہ کے بڑے ہتھیار ہیں۔ جس سے عام مسلمان کو گمراہ کیا جا رہا ہے، حق کو دبایا جا رہا ہے، حق کے ساتھ باطل کی آمیزش کی جا رہی ہے تاکہ حق کی تاثیر کم ہو، مشکوک ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن باطل دینِ فطرت کے روشن چراغ کو جتنا بجھانے اور ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہے اتنا ہی یہ چراغ تیز روشن ہوتا ہے۔

طالبان پہلے جماعت تھے اب تحریک بن چکے ہیں، پہلے یہ افغانستان میں تھے اب بحیثیت فکر پوری دنیا میں پھیل رہے ہیں۔ باطل کا مکر باطل کے ہی خلاف جاتا ہے۔ ابراہیمؑ و موسیٰؑ نے آزر و فرعون کے گھر میں ہی پرورش پائی، شہید شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ یا ملا محمد عمر کی بھی اگر امریکہ اور اس کی حواری خفیہ ایجنسیوں نے (اپنے مقصد کے لیے) وقتی مدد کی تو کون سی نئی بات ہو گئی۔ اللہ کی مصلحت کو اللہ ہی جانتا ہے۔ پھول کانٹوں کے ذریعے تحفظ حاصل کرتا ہے۔ وہی فرعون جس کے گھر میں کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام پرورش پاتے رہے وہ موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کر کے غرق دریا ہو گیا۔ امریکہ بھی اور اس کے حواری بھی ان شاء اللہ اس ربانی جماعت (طالبان) کا پیچھا کر رہے ہیں، نیست و نابود ہو جائیں گے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ امریکہ کے جانب دار سکالر اور دانشور امریکی سرکار کو کہہ رہے ہیں کہ افغانستان سے واپس آنے میں ہی خیر ہے لیکن ظالم و سرکش متکبر طاقت اپنے ہی بوجھ کے نیچے دب جاتی ہے جیسے مچھر زیادہ خون پینے سے گر جاتا ہے۔

[ماخوذ از کتاب: آئینہ، افضل گورو شہید (آن لائن نسخہ)]

شہید غازی بابا کیا چاہتے تھے؟

الشیخ المجاہد افضل گورو شہید رحمہ اللہ

۱۹۹۸ء تک میری زندگی بے مقصد گزر رہی تھی۔ ایک نظر، ایک ملاقات نے میری زندگی کے شب و روز میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ یہ نظر ایک مومن، ایک مجاہد، ایک نوجوان، خدا دوست، درویش صفت انسان شہید غازی بابا رحمہ اللہ کی تھی۔

شہید غازی بابا رحمہ اللہ کا اگر مختصر تعارف کیا جائے تو وہ یہ ہے کہ اس کے اوصاف، کردار، گفتار، افعال ہر ادا میں صحابہؓ کی اتباع کا عکس نظر آتا تھا۔ اس کی خاموشی تفکر سے لبریز ہوتی تھی۔ اللہ کے خوف کے سوا میں نے اس کے چہرے پر کبھی کسی کا خوف نہیں پایا۔ وہ دین وملت کی عزت و آبرو کے بارے میں ہمیشہ بولتا تھا، سوچتا تھا۔ عسکریت اس کی نس نس میں بھری ہوئی تھی۔ دلفریبی، دلکشی، دلرُبائی، دل داری کا وہ مجسم تھا۔ ایثار، اخلاص اور قربانی کا آئینہ تھا، یہی وہ آئینہ تھا جس نے مجھے میری پہچان کرائی۔

پہلی ہی ملاقات میں ''میں'' نہیں رہا۔ جس کسی نے بھی غازی بابا کو دیکھا ہو گا اس کو میری باتوں میں کوئی مبالغہ آمیزی محسوس نہیں ہو گی۔ میں وادی کے جن جن علاقوں میں غازی بابا شہید کے ساتھ رہا ہر ایک کہتا تھا کہ غازی بابا کے لیے تو گھر کیا ہم جان قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اللہ تعالیٰ ان کے لیے (مخلوق کے دل میں) محبت پیدا کر دیتا ہے۔'' (سورۂ مریم)

غازی بابا کشمیر کے چپہ چپہ سے واقف تھا۔ ایک عام مجاہد کی حیثیت و تشکیل سے لے کر پوری تنظیم کے کمانڈرِ اعلیٰ کی تشکیل تک اس کے کام میں فرق نہ آیا۔ اس نے اپنے لیے تمام حقوق ترک کیے تھے، صرف فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرتا رہا۔ ایثار، نرمی، حیا، غیرت و جرأت، عزم و جزم، نظم وضبط...... یہ اوصاف اس کے تمام افعال و گفتار اور کردار میں واضح نظر آتے تھے۔ اس کی رفاقت میں بزدل ''دلیر'' اور بے ادب ''با ادب'' بن جاتا تھا۔ وہ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، باتیں کرنے میں غرض ہر فعل کو شریعت کے تقاضوں کے مطابق پورا کرتا تھا۔

ایک دن میں نے غازی بابا کو ایک بوڑھی عورت کے ساتھ کافی دیر تک باتیں کرتے دیکھا وہ اس بوڑھی عورت کو جس کا بیٹا یا پوتا شہید ہوا تھا شہادت کے درجے اور مرتبے سمجھاتا تھا، شوقِ شہادت، جذبۂ جہاد، ملت و دین کی سربلندی کا جذبہ غازی بابا کے خون میں گردش کرتا تھا ایک عسکری کارروائی ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی ہوتی، دوسری کارروائی کے بارے میں باتیں کرنا شروع ہو جاتا تھا۔

جن راستوں، گلیوں، پہاڑوں اور میدانوں سے گزرتا تھا صرف عسکریت کے تعلق سے غور و فکر کرتا رہتا تھا۔ ہر چیز، ہر ذریعہ اور ہر قسم کے وسائل، ہر بات، ہر معاملے کا رخ عسکریت کی طرف ہوتا اور عسکری تحریک کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی فکر میں رہتا تھا۔ نئی حکمت عملیاں، نئے طریقے، دشمن پر کس طرح زیادہ سے زیادہ کامیاب حملہ کیا جائے، اس کے لیے ساتھیوں سے اور رفقا سے مشورہ کرتا رہتا تھا۔ دشمن کے سربراہوں اور بڑے بڑے فوجی و پولیس آفیسروں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا، ان کی نقل و حرکت، ان کے پروگراموں و پالیسیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتا تھا۔

پاکیزگی کا وہ نمونہ تھا، ہر وقت باوضو رہتا تھا چاہے کتنی سردی کیوں نہ ہو، فجر کے بعد طلوع آفتاب تک تلاوت میں مشغول رہتا تھا۔ ایک صبح ایک اونچی پہاڑی پر ہم سب لوگ فجر کی نماز پڑھ کر سو گئے، اتنی سخت سردی تھی جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا غازی بابا پر سکون ہو کر تلاوت میں آنسوؤں کے ساتھ مشغول تھا۔ جب بھی کسی بات، مشورہ یا کسی معاملے کے متعلق اکٹھے بیٹھتے تھے آخر میں خصوصاً درود ابراہیمی اور دعا لازم ہوتی تھی۔ یہ دعا اس کے ہونٹوں پر ہمیشہ رہتی تھی ''یاالٰہی ہمیں شہدا کے مقدس لہو کے ساتھ وفا کرنے کی توفیق عطا فرما''۔

آنکھیں نم، عاجزی و انکساری دعاؤں کا مسلسل حصہ رہتا تھا۔ ان کی دعائیں قبول ہو گئیں، اللہ پاک نے ان کو شہادت کا عظیم درجہ عطا کیا۔

غازی بابا رحمہ اللہ جہادِ کشمیر کے ان جانباز مخلص سپاہیوں میں سے ایک مجاہد تھے جو ہر طرف سے اپنے کانوں اور آنکھوں کو بند کیے ہوئے اللہ کی راہ میں مصروف رہے، وہ تنظیمی رسّہ کشی، سیاسی و نظریاتی اختلاف، افتراق وانتشار، خفیہ ایجنسیوں کے خود غرضانہ و منافقانہ رویے، کشمیر میں عوام کی بے یقینی اور لاتعلقی جو نام نہاد علیحدگی پسند بے ضمیر اور بزدل لیڈروں کی وجہ سے تھی وغیرہ وغیرہ ان تمام باتوں اور حقائق سے باخبر تھا۔ ایک دن میں نے غازی بابا رحمہ اللہ سے کہا کہ کشمیر کے بجائے اس کو افغانستان یا کسی اور جگہ جانا چاہیے۔ اس نے کہا کیوں؟ میں نے کہا اس لیے کہ یہاں کوئی قیادت، کوئی لائحۂ عمل، مقصد، ہدف یا کوئی ایسا روڈمیپ نہیں ہے، جس کو سامنے رکھ کر کام کیا جائے۔ عام لوگ جہاد (عسکریت) سے لاتعلق نظر آتے ہیں۔ اُس مردِ مجاہد کے جواب نے مجھے بے زبان کر دیا، اس نے کہا میں کشمیر کا گھر گھر، گلی گلی دیکھ چکا ہوں عوام جہاد کا ساتھ دے رہے ہیں اور نوجوان قربانیاں دے رہے ہیں اور دینے کی خواہش بھی رکھتے ہیں اگر کمی ہے تو وہ قیادت کی۔ قیادت یعنی عسکری قیادت۔ وہ ہمیشہ کوشش کرتا رہا کہ

نوجوان مظفر آباد جانے کے بجائے یہاں کشمیر میں ہی عسکریت کی تربیت حاصل کریں تاکہ یہ عسکری تحریک مضبوط جڑیں پکڑلے۔ اس تعلق اور اس میں وہ عملی طور پر مصروف بھی تھا۔

وہ خفیہ اداروں سے متنفر تھا اور اُن کے نفاق کے بارے میں خبردار کرتا تھا، میں جب جب بھی غازی بابا رحمہ اللہ سے ملاقات کرتا تھا تو میری دینی فکر و جذبہ میں اضافے کے ساتھ مضبوطی آتی تھی۔

اس کی مجلس، اس کی انجمن، اس کی محفل میں ایک روحانی تاثیر رہتی تھی۔ میں نے اس کے چہرے پر ہمیشہ سنجیدگی کے ساتھ شفقت و محبت کا نور پایا۔ اللہ پاک پر مکمل اعتماد و بھروسہ کی وجہ سے اس میں خود اعتمادی اور عزم و جزم کی طاقت موجود تھی، ہر فیصلہ خود اعتمادی کے ساتھ کرتا تھا۔

"پھر جب کسی بات کا عزم کرو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ بلاشبہ اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس پر بھروسہ کرنے والے ہیں۔" (القرآن)

غازی بابا رحمہ اللہ ہمیشہ اپنے اوقات کو عسکریت اور عبادتوں میں مصروف رکھتا تھا۔ وہ عملی طور پر اپنے افعال و کردار کے ذریعہ ہماری تربیت کرتا تھا۔ میں نے کبھی بھی اس کی زبان سے کوئی ایسی بات نہ سنی جو کہ وہ پہلے عملی طور پر نہ کر پایا ہو۔ وہ جو کرتا تھا وہی کہتا تھا اور جو کہتا تھا وہی کام کرتا تھا۔ وہ کم سے کم اسلحہ سے زیادہ سے زیادہ اور بڑی سے بڑی کارروائی کرتا تھا۔ عسکری کارروائیوں میں تقریباً ہمیشہ عملی طور پر خود موجود رہتا تھا۔

غازی بابا رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے عجیب عجیب صلاحیتیں بخشی تھیں۔ دشمن کے آدمیوں سے کام لینا، کسی گھر میں کوئی مجلس یا مشورہ ہوتا تو گھر میں ایک فرد کے سوا کسی کو پتا بھی نہ ہوتا تھا کہ یہاں مجاہد آتے جاتے ہیں اور مشورہ کرتے رہتے ہیں۔ غازی بابا رحمہ اللہ اپنے سے زیادہ دوسرے ساتھی کا خیال رکھتا تھا۔ رازداری کی وہ ہمیشہ تاکید کرتا تھا۔ کسی گاؤں میں اس کے ساتھی یا ہمدرد کو دوسرے ساتھی کا پتا بھی نہیں ہوتا تھا۔ تقریباً ۱۱ سال وہ وادیٔ کشمیر میں جہاد میں مصروف رہا۔ جنگل جنگل، پہاڑ پہاڑ ہر اس جگہ اس نے بسیرا کیا۔

گزر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ و بیاباں میں
کہ شاہیں کے لیے ذلت ہے کارِ آشیاں بندی

وہ ایک شاہین صفت مردِ مجاہد تھا۔ پہاڑوں میں رہ کر اس کے عزائم و مقاصد بھی پہاڑوں جیسے بلند ہوگئے تھے۔ اس کی نظر اور اس کا دل پاکیزہ تھا وہ پاکیزگی اور سادگی کو پسند کرتا تھا۔ وہ ساتھیوں پر اعتماد و بھروسہ کرتا تھا۔ ساتھیوں کو کام کی ذمہ داری سونپ کر ان کے جوہر، ہنر اور صلاحیتوں کو نشو و نما دے کر ان کو نکھارتا تھا۔ وہ باتیں جن کا تعلق عمل، حقیقت و واقعیت سے نہ ہو ان پر کبھی بات نہیں کرتا تھا۔

ہر فرد کے ساتھ اس کی صلاحیت، رجحان اور علم و فہم کے مطابق بات کرتا تھا۔ اور اسی کے مطابق ذمہ داریاں سونپتا تھا۔ اخلاقی اقدار، پاکیزہ کردار و اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے ساتھیوں کو تاکید و تلقین کرتا رہتا تھا، شوقِ شہادت خود میں بھی رکھتا تھا اور ساتھیوں میں بھی پیدا کرتا تھا۔

غازی بابا رحمہ اللہ جہادِ کشمیر کے لیے خصوصاً عسکریت کے لیے ایک نمونہ (Symbol) ہیں یہ انہی جیسے مخلص اور باوفا شہدا کے مقدس لہو کی تاثیر اور نتیجہ ہے کہ تحریکِ کشمیر ابھی بھی زندہ ہے۔ شہدا کے مقدس لہو سے ایک ایسا خاموش اور نظر نہ آنے والا انقلاب اور انقلابی نسل تیار ہو رہی ہے جو ان شاء اللہ اس دین و ملت کی عزت کو بلند کرے گی۔

آہ! اے نوجوان...... افسوس صد افسوس ہمارے نوجوان شوقِ شہادت سے خالی، جذبہ جہاد سے خالی، ان کے دلوں میں دنیا، دولت، نام و نمود، شہرت، فیشن، کرکٹ، کھیل، سیاست، مادی ترقی۔ ان کو زندگی کی اصل لذت کا احساس ہی نہیں۔ شہادت کی چاشنی، جہاد کی عظمت، رتبہ، امت کے تعلق سے ان پر ذمہ داری جو عائد ہوتی ہے یہ نوجوان اس چاشنی اور عظمت اور ذمہ داری سے ناواقف و غافل پڑے ہیں۔ اور اگر کوئی جہاد کی طرف لپکتا ہے تو بے ضمیر ملت فروش نام نہاد سیاسی لوگ ان کو جمہوریت اور دجالی اقوام متحدہ کی طرف موڑ دیتے ہیں۔ یہ نام نہاد سیاسی خود غرض گمراہ لیڈر ان نوجوانوں کی روحانی و اخلاقی، فکری و جذباتی توانائی و صلاحیت کو اس طرف موڑ دیتے ہیں جہاں گمراہی کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا۔ دنیا سے شدید محبت اور موت سے خوف۔ اس فکر و جذبے نے امت کے نوجوانوں کو اتنا بے وزن اور بے وقعت بنا دیا ہے کہ اب وہ شعوری اور غیر شعوری طور پر امریکہ و یورپ کے مادی فلسفۂ حیات میں پھنس چکا ہے۔ اس دلدل سے نکلنے کا واحد طریقہ صرف اور صرف دین فطرت کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھال لینا ہے۔

اقبالؒ کہتا ہے کہ (ان نوجوانوں کو)

"دے انہیں سبق خود شکنی اور خود نگری کا"

غازی بابا رحمہ اللہ جیسا مردِ مجاہد ابتدا سے کشمیر میں جہادی دعوت کو عام کرنے کی۔ جہاد کا جھنڈا، اسلام کی سربلندی کا جھنڈا کبھی گرتا نہیں۔ ایک ہاتھ کٹ جاتا ہے تو دوسرا اس روحانی جھنڈے کو تھام لیتا ہے۔ جہاد ایک عظیم مقدس روحانی جنگ ہے یہ اپنے لیے پاکیزہ ذرائع، پاکیزہ قیادت، وسائل و اسباب، پاکیزہ و مقدس مقصد و اہداف اور نصب العین کو لے کر چلتا ہے۔ یہ روحانی عمل نسل در نسل منتقل ہوتا ہے، ایک غازی بابا رحمہ اللہ چلا گیا پر اور غازی بابا جنم لیتے ہیں۔ یہ جہادی دعوت، یہ پُر اسرار دعوت دماغوں سے سمجھی یا پہچانی نہیں جاسکتی اس کو سمجھنے کے لیے دردِ دل، ذوق و شوق، وجدانی قوت، حق کے قیام کی خاطر فکری و جذباتی میلان ہونا ضروری ہے۔ نفسانی خواہشات سے آلودہ دل میں یہ نورانی و روحانی کرنیں داخل نہیں ہوتی ہیں۔

انسان کی طلب، تلاش اور تڑپ ہی انسان کو مقصد تک پہنچا دیتی ہے مادیت کے فلسفے نے ہمارے خیالات، جذبات، رجحان، میلان و مزاج کو فاسد و بیمار بنا دیا ہے۔ ہمارے درد کی دوا صرف اور صرف...... (باقی صفحہ نمبر 91 پر)

میں، مسلمان اور ہندوستان!

محمد راشد دہلوی

سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں

"ہندوستان ہمارا ہے ہم بھی اس کی آزادی میں برابر کے شریک ہیں!"

"ہمیں وہ سارے حقوق حاصل ہونے چاہییں جو دوسروں کو حاصل ہیں!"

"ہمیں ہندوستان کے آئین پر، اس کی عدالتوں پر اور اس کے قانون پر پورا اعتماد ہے!"

"فلاں سیاسی جماعتیں، تنظیمیں مسلمانوں کے حقوق کے حوالے سے سنجیدہ ہیں اور کام کر رہیں ہیں۔"

مندرجہ بالا وہ مکالمے ہیں جو ہندوستان میں بسنے والے ایسے مسلمانوں کی زبانوں سے ادا ہوتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم (مسلمان) آزاد ہیں۔ سن ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک ہندو برہمن اور اس کے پیروکاروں نے مسلمانوں کو ایسا ڈسا ہے کہ وہ کہیں کے بھی نہ رہے۔

اب چاہے......!!!

مسلمانوں کے خلاف ۵۰ ہزار سے زیادہ دنگے ہوں،

لاکھوں مسلمانوں کی شہادتیں اور کروڑوں مسلمانوں کی املاک کا لوٹا جانا ہو،

بابری مسجد جیسی سیکڑوں مسجدوں پر قبضہ کرنا ہو،

یا مسلمانوں کو لال قلعہ سے نکال کر گندے پانی کے نالے پر جُھگی جھونپڑیوں میں دھکیل دینا ہو۔

یہ حالات اس بات کے گواہ ہیں کہ مسلمانوں کی حالت ہندوستان میں بد سے بدتر کر دی گئی ہے۔ لیکن آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم بار بار ہندو بنیے کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور ڈسے جاتے ہیں؟ کیا ہمیں اس بات پر یقین نہیں ہے کہ......یہ کافر ہم سے اس وقت تک خوش نہیں ہوں گے جب تک ہم اپنے دین کا سودا نہیں کر لیتے؟!

کیا ہم عزت سے جینا بھول چکے ہیں؟

کیا ہمیں اپنے نبیؐ کی اس حدیث پر یقین نہیں جس میں کہا گیا ہے کہ مجاہدین ہندوستان کے حکمرانوں کو بیڑیوں اور زنجیروں میں قید کر کے لائیں گے؟

مہاراشٹرہ کا کالا ناگ

سانپ دیوتا کی پوجا کرنے والا شِو سینک اُدھب ٹھاکرے مہاراشٹرہ کا وزیرِ اعلیٰ چنا گیا۔

وزیرِ اعلیٰ کا بیان:

"ہم ہندوتوا کے مشن پر گامزن ہیں اور اپنے مشن کے حوالے سے سودا نہیں کریں گے!"

ہمدرد یا دشمن

ہندوستانی مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت یہ سمجھتی ہے کہ کانگریس ان کے زخموں پر مرہم رکھنے کا کام کرتی ہے اور ان کی خیر خواہ ہے۔ آیئے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

مہاراشٹرہ کے چناؤ کے بعد بی جے پی اور شیو سینا کے درمیان ڈرامائی اختلافات کے بعد شیو سینا نے کانگریس اور این سی پی سے مل کر حکومت بنائی اور یہ ثابت کر دیا کے کوئی بھی مسلمانوں کا سگا نہیں ہے چاہے وہ کانگریس ہو یا کوئی اور جماعت۔

کل تک اپنے آپ کو مسلمانوں کا ہمدرد کہنے والے، اپنے آپ کو ہندو شدت پسندوں کا مخالف کہنے والوں کو آج کیا ہو گیا؟ کہ اب دوستی کے ترانے گائے جا رہے ہیں۔

مزے کی بات

حکومت بنانے کے بعد جب کانگریس سے یہ پوچھا گیا کہ آپ نے کیوں شیو سینا کے ساتھ حکومت بنائی جب کہ آپ کے شیو سینا کے ساتھ نظریاتی اختلافات ہیں؟ تو جواب سنیے......

کانگریسی جواب

کانگریس کی طرف سے جواب دیا گیا کہ ہم نے حکومت میں شامل ہونے سے پہلے اختلافات کو دور کر کے ایک پالیسی پر کام کرنے پر اتفاق کیا ہے۔

وزیرِ اعلیٰ کا جواب

ہم اپنے ہندوتوا کے نظریے کو نہیں چھوڑیں گے اور اپنے مشن (اکھنڈ بھارت) پر ڈٹے رہیں گے۔

مندرجہ بالا جوابات سے آپ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ ہندوستان میں کتنی چتُرائی (چالاکی) کے ساتھ خونی کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ اور اس بات کو یقینی بنایا جا رہا ہے کہ مسلمان دوبارا سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔

حق بات

ہر درد مند کو رونا مرا رلا دے
بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

کہتے ہیں کہ امت کی فکر کرنے والے امت کے غم میں پریشانِ حال رہتے ہیں اور لاکھ پابندیوں، ڈر و خوف کے باوجود ان کے کلام سے امت کا درد جھلکتا ہے اور وہ امت کو ان کے دشمنوں سے آگاہ کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

پڑوسیوں کے حقوق ہوں، والدین کے حقوق ہوں، مساجد و مدارس کا احترام وغیرہ ہمارے علاقے کی مسجد کے امام صاحب کے جمعہ کے بیان کے موضوعات ہوا کرتے تھے۔ لیکن اچانک اس جمعہ امام صاحب کو کیا سوجھی کہ انہوں نے امت کو ان کے دشمنوں سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

امام صاحب کے بیان کا خلاصہ یہ تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کو دو بڑے سانپوں نے ڈسا ہوا ہے۔ جن میں ایک بی جے پی اور دوسرا کانگریس ہے۔ بی جے پی کا حملہ سامنے سے ہوتا ہے جبکہ کانگریس کا حملہ پیٹھ پیچھے سے ہوتا ہے۔

جمعہ کی نماز کے بعد امام صاحب کا بیان لوگوں کی گفتگو کا موضوع تھا۔ ہمارے علاقے کا ایم ایل اے (Member Legislative Assembly) کانگریسی مسلمان تھا۔ جس نے اطلاع ملنے پر امام صاحب کو فوراً طلب کر لیا اور ان کو اپنے ہندو آقاؤں سے خوب ڈرایا دھمکایا۔ اس کے بعد کھلے طور پر تو نہیں لیکن دبے دبے لفظوں میں امام صاحب حق کو بیان کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے آمین۔

مائیگریشن بل اور ذلّت

"پاکستان، بنگلادیش اور افغانستان سے آنے والے ہندوؤں کو بے حد آسان دستاویزوں کی شرط پر ہندوستان کی شہریت دی جائے گی۔ ہندوستان سے گھس پیٹیوں (مسلمانوں) کو ضرور نکالا جائے گا۔" اِمت شاہ (وزیرِ داخلہ ہندوستان)

مذہب کی بنیاد پر مسلمانوں کے علاوہ دوسروں (ہندو، سکھ، بدھ، جین وغیرہ) کو شہریت دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ہندوستان ایک شدت پسند مسلم دشمن ملک ہے جو مسلمانوں کے سوا سب کا ہے۔ اور سالہا سال سے رہنے والے مسلمانوں کی شہریت ختم کر کے انہیں گھس پیٹئے کہنا اور ان کے خلاف کارروائی کرنا، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ہندوستان کس قدر مسلمانوں کے خلاف ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کے لیے یہ سوال تشویش کا باعث ہے کہ آخر وہ ہندوستان میں کس کے رحم و کرم پر جی رہے ہیں؟ ان کے جو انہیں گھس پیٹئے کہہ کر نکالنا چاہتے ہیں یا ان کے جن کے منہ میں رام رام اور بغل میں چھری ہے!!

مندرجہ ذیل ایسے جملے ہیں جو مسلمانوں کو ہندوستان میں مجموعی طور پر سننے کو ملتے ہیں:

"مسلمان تو شدت پسند ہوتے ہیں۔"

"سارے آتنک وادی مسلمان ہیں۔"

"مسلمان ان پڑھ ہوتے ہیں۔"

"مسلمان خون خرابے کو پسند کرتے ہیں۔"

"مسلمان ملک کی آبادی کو بڑھا کر غربت میں اور بے روزگاری میں اضافہ کرتے ہیں۔"

"مسلمان گندگی کو پسند کرتے ہیں۔"

"مسجدوں، مدرسوں میں انسانیت کے خلاف بربریت سکھائی جاتی ہے۔"

"قرآن میں ملک کے خلاف غداری اور دین کے ساتھ وفاداری سکھائی جاتی ہے۔"

"مسلمان ایک سے زیادہ شادیاں کرتے ہیں اور عورتوں کے حقوق کو پامال کرتے ہیں۔"

"مسلمان اپنی عورتوں کو پردے میں بند رکھتے ہیں اور ان کا استحصال کرتے ہیں۔"

"ہندوستان میں رہنا ہے تو وندے ماترم کہنا ہو گا۔"

اے میری غیور قوم! اب فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ بابری مسجد کی جگہ رام مندر! یہ ذلت بھرے مکالمے سننا! اپنی ماؤں، بہنوں کی عزتیں لٹتے دیکھنا! معصوم بچوں کا بے دردی سے قتلِ عام!

لاکھوں، کروڑوں کی املاک کا لوٹا جانا!

دین اور اپنے پیارے نبیﷺ کی شان میں گستاخیاں برداشت کرنا!

یا پھر......

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'میری امت کے کچھ لوگ ہندوستان سے جنگ کریں گے، اللہ تعالیٰ انہیں فتح عطا فرمائے گا حتیٰ کہ وہ ہندوستان کے بادشاہوں کو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے لائیں گے، اللہ ان مجاہدین کی مغفرت فرمائے گا جب وہ شام کی طرف پلٹیں گے تو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو وہاں پائیں گے۔'

حل کیا ہے؟

حل یہ ہے کہ ہندوستان میں رہ کر جس قدر قوت جمع کی جا سکے وہ کی جائے، جو اعداد ہو سکے وہ کیا جائے، اپنے دین پر ڈٹا جائے اور اس حقیقی دین کی حقیقی دعوت و تبلیغ کی جائے۔

اس کے بعد حل ہے جہاد فی سبیل اللہ اور اس کے لیے ہمارے سامنے بہترین محاذ کشمیر کا ہے۔ جہادِ کشمیر میں شمولیت جہاد کی قوت میں بھی اضافہ ثابت ہو گا اور ہند میں بستے مسلمانوں کی قوت میں بھی اضافے کا سبب...... کشمیر غزوۂ ہند کا دروازہ ہے۔

مع الاُستاذ فاروق

معین الدین شامی

نوٹ: اس سلسلہ ہائے مضامین میں جہاں بھی 'استاذ' کا لفظ آئے گا تو اس سے مراد شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ ہوں گے۔ (معین الدین شامی)

؏ ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں!

حسبِ وعدہ اس محفلِ استاذ میں چند شہید اصحابِ استاذ کا ذکر کرتے ہیں۔ یمن میں القاعدہ کے نائب امیر، شہید شیخ سعید الشہری رحمہ اللہ، شہادت اور شہدا کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

وہ (شہدائے احد) جنت میں جمع ہوئے۔ اب ان کی بس ایک ضرورت ہے۔ ایک چھوٹی سی بات پر ایک سادہ سی پریشانی۔ بس ایک حاجت۔ کہنے لگے کہ کون ہے جو ہمارے لیے ہمارے ان بھائیوں تک ہمارا پیغام پہنچائے جو دنیا میں رہ گئے ہیں (یعنی زندہ ہیں)، تاکہ وہ جہاد سے پیچھے نہ ہٹیں اور ہم تک آ جائیں۔ کون پہنچائے گا پیغام ان تک؟ ہمارے وہ احباب جو دنیا میں ہمارے ساتھ 'لا الٰہ الّا اللہ' کی بنیاد پر جمع ہوئے تھے اور ہم اکٹھے زندگی گزارا کرتے تھے...... کون ہے جو ان تک پیغام پہنچا دے۔ ان ساتھیوں تک پیغام پہنچا دے، جن کے ساتھ ہم دشمن کے نرغے سے بچ کر بھاگا کرتے تھے۔ دشمن کا شکار کرتے تھے۔ اکٹھے مل کر، صرف اور صرف 'لا الٰہ الا اللہ' کی خاطر۔ کون ہے جو ان کو بتائے گا کہ ہم زندہ ہیں، جنت میں گھوم رہے ہیں جہاں ہمارا دل چاہتا ہے وہاں جاتے ہیں؟ کون ہمارے بھائیوں کو، ہماری خاطر یہ بتائے گا تاکہ وہ جہاد نہ چھوڑیں؟

بالفرض اگر آپ جہاد چھوڑ دیں اور بطورِ مُوَحّدِ (توحید پرست یا اللہ کی عبادت کرنے والے کے طور پر) مر جائیں تو آپ کی روح آپ کے ساتھ قبر میں ہوگی۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ وہ مرتے ہی ہمارے پاس جنت میں آ جائیں۔ تو اس بات کی خبر کون ان کو دے گا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "میں تمہارے لیے ان کو یہ خبر دوں گا۔" پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں:

وَلاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ أَمْوَاتاً بَلْ أَحْيَاء عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ○ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللّهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُواْ بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلاَّ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ○ (سورۃ آل عمران: ۱۶۹-۱۷۰)

"اور (اے پیغمبر!) جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں، انہیں ہر گز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رَبّ کے پاس سے رزق ملتا ہے۔ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے وہ اس پر مگن ہیں، اور ان کے پیچھے جو لوگ ابھی ان کے ساتھ (شہادت میں) شامل نہیں ہوئے، ان کے بارے میں اس بات پر بھی خوشی مناتے ہیں کہ (جب وہ ان سے آکر ملیں گے تو) نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

شیخ سعید الشہری رحمہ اللہ کے یہ الفاظ دل کو حرارت بخشتے ہیں اور ذہن کو اس بات پر پختہ کرتے ہیں کہ موت کے وقت شہادت کتنی ضروری چیز ہے۔ زندگی کی بے تحاشا تھکاوٹ، مشکلات، عزیزوں اور قرابت داروں سے دوریاں اور درجنوں دکھ ایسے ہیں کہ جن کی شہادت سے بڑھ کر کوئی دوا نہیں۔ ذرا ایک لمحے کو قبر کا تصور کیجیے...... اندھیری، ویران، سنسان قبر...... اس اندھیارے میں منکر نکیر جیسے دو خوفناک صورت والے فرشتے، پھر قیامت کا وہ ہولناک ہنگامہ جہاں بچے بوڑھے ہو جائیں، ماؤں کو بچے بھول جائیں اور سب برہنہ...... اس سب سے بچنے کا کتنا انمول حل شہادت ہے۔ اگر ان سب مشکلاتِ قبر و حشر سے بچ جانا دیکھا جائے تو یہی کم نہیں، لیکن شہادت تو بے شمار مزید راحتوں کا سامان بھی ہے۔ کسی پوش علاقے میں کارنر پلاٹ، اعلیٰ سڑکوں، باغوں اور شاپنگ مالز کی سیر، بہترین، تیز رفتار، سہولتوں والی ہائبرڈ گاڑیاں...... ان سب سے بہتر عرش تلے معلق ذہبی قندیلوں جیسا گھر، جنت کی سیریں، نہروں میں غوطے، فضاؤں میں اڑان اور براق جیسے گھوڑے...... صرف یہی نہیں...... جدید دنیا میں بسنے والوں کے لیے یہ کچھ سمجھنے میں شاید پیچیدہ ہو...... فرمایا: وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ○ (سورۃ الزخرف: ۷۱)...... "اور اس جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جس کی دلوں کو خواہش ہوگی اور جس سے آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی۔ (ان سے کہا جائے گا کہ) اس جنت میں تم ہمیشہ رہو گے"...... سبحان اللہ، کیا ہی اعلیٰ بدل ہے، اللہ کے راستے میں قتل ہو جانے کا۔

ہمارے معاشرے میں یہ بات عام ہے...... قتل ہو جانے سے کتنا خوف آتا ہے اور قتل ہے بھی خوفناک چیز۔ لیکن یہ قتل ہو جانا، اللہ کی راہ میں ایسی راحت ہے، جیسی راحت نہ دنیا میں ہے نہ جنت میں۔ اسی لیے تو شہید اس جنت میں جا کر بھی جامِ شہادت کی آرزو کرتا رہے گا۔ اللہ پاک ہمیں اس شہادت سے محروم نہ رکھے، اللہ پاک اس موتِ شہادت کو میرے تمام اقربا و احبا، والدین و اولاد کا مقدر بنا دے، آمین۔

پچھلی نشست میں جن شہدا کا ذکر ہوا تھا، ان میں سے بالترتیبِ شہادت سیّد قاسم ہاشمی، راجہ عبد الرافع اور امجد احمد بھائی کا ذکر کرتے ہیں۔ ان سب کے پسِ منظر کو شاید میں بخوبی نہ جانتا ہوں

لیکن ان کی کچھ یادیں اور باتیں ایسی ہیں جن کا ذکر لازمی ہے۔ دراصل یہ سب استاذ کے لائق شاگردوں میں سے تھے۔

سیّد قاسم ہاشمی کو میدانِ جہاد 'سعید' اور 'صدیق' کے ناموں سے جانتا ہے۔ تین بھائیوں میں سب سے چھوٹے قاسم ہاشمی کا تعلق شہرِ زندہ دِلان، لاہور سے تھا۔ ان کے والدِ محترم سیّد رفیع الدین ہاشمی صاحب اردو کے ممتاز ادیب ہیں، استاد ہیں، 'اقبالیات' کے متخصص ہیں اور ان کی درجنوں تصانیف ہیں۔ قاسم ہاشمی کے کانوں سے جب دعوتِ جہاد ٹکرائی اور جونہی یہ بات ان کی سمجھ میں آئی وہ میدانِ جہاد کے راہی بن گئے۔ میرے مرشد حضرت اسامہ ابراہیم غوریؒ جو انہیں میدانِ جہاد میں آنے سے پہلے سے جانتے تھے کہتے تھے کہ 'ہم نے قاسم کو کبھی سنجیدہ نہیں لیا، ہمیشہ سوچتے تھے کہ یہ تو چھوٹا ہے لیکن یہ چھوٹا ہی سب سے آگے نکل گیا'۔

قاسم بھائی میدانِ جہاد پہنچے تو ابتدائی عسکری ٹریننگ جسے تاسیسی تدریب کہتے ہیں کہ لیے جنوبی وزیرستان کے علاقے انگور اڈہ سے متصل جگہ غرلاما پہنچے۔ تدریب کے بعد آپ کی تشکیل انگور اڈہ ہی کے محاذ پر ہو گئی۔ اس زمانے میں راقم بھی اسی محاذ پر موجود تھا۔ خاموش طبیعت، سادہ مزاج قاسم بھائی محاذ پر موجود ساتھیوں کی خدمت میں مصروف رہتے یا تلاوتِ کلامِ پاک میں مگن ہوتے۔ انگور اڈہ پر قائم محاذ کے استاذ کے مجموعے کی طرف سے امیر عبد الحسیب بھائی تھے۔ عبد الحسیب بھائی نے ان کو ایک دو دفعہ کارروائیوں کے لیے بھیجا۔ یہ گئے بھی، وہاں مشقت بھی اٹھائی اور واپس بھی آئے۔ عبد الحسیب بھائی کو محسوس ہوا کہ ان کو کارروائیوں میں شمولیت کا زیادہ شوق نہیں ہے۔ اسی بات کا اظہار عبد الحسیب بھائی نے تاسیسی تدریب میں قاسم بھائی کے استاد ساجد بھائی سے کیا جو ان دنوں انگور اڈہ آئے ہوئے تھے۔ انگور اڈہ سے واپس غرلاما جاتے ہوئے ساجد بھائی قاسم بھائی کو اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ پھر جب دوبارہ انگور اڈہ آئے تو قاسم بھائی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ساجد بھائی نے اب کی بار عبد الحسیب بھائی کو بتایا کہ انہوں نے قاسم بھائی سے دریافت کیا کہ آخر کیوں وہ کارروائیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا اظہار نہیں کرتے؟ جس پر انہوں نے جواباً کہا کہ ایسا نہیں کہ میں کارروائیوں میں حصہ لینا نہیں چاہتا بلکہ میں اس مجاہد کی مثل ہونا چاہتا ہوں، جس کے بارے میں صحیح بخاری کی حدیث میں آتا ہے کہ "خوشخبری ہے اس بندے کے لیے جو اپنے گھوڑے کی لگام اللہ کی راہ میں پکڑے ہوئے ہو، اس کے سر کے بال پراگندہ اور پاؤں گرد آلود ہوں اگر وہ امیر کی جانب سے پاسبانی پر مقرر ہو، تو حفاظت میں پوری تندہی سے لگا رہے اور اگر لشکر کے پیچھے حفاظت کے لیے لگا دیا جائے، تو لشکر کے پیچھے لگا رہے، اگر اندر آنے کی اجازت چاہے تو اجازت نہ ملے اور اگر وہ کسی کی سفارش کرے، تو اس کی سفارش نہ مانی جائے"۔ اس لیے مجھے عبد الحسیب بھائی جہاں بھیجتے میں چلا جاتا اور بٹھاتے تو بیٹھا رہتا۔

یہاں اس بات کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ جو مجاہد بڑھ چڑھ کر جہادی و قتالی عملیات میں شریک ہونے کے لیے اپنے آپ کو پیش کرے تو وہ کسی برائی میں مبتلا ہے، ہاں اگر 'ریا' مقصود ہو تو یہ تو ہر ہی عبادت کو کھا جاتی ہے۔ اس جگہ دراصل اِس گمنام مجاہد کی تعریف ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس گمنامی کا اللہ کے یہاں کتنا 'چرچا' ہے۔

پھر حقیقت میں بھی ایسا ہی نظر آیا۔ قاسم ہاشمی بھائی کو جہاں بھیجا جاتا، جس شعبے میں تشکیل ہوتی وہ پوری تندہی سے اپنا جہاد وہیں جاری رکھتے۔ کبھی محاذوں پر ہوتے تو کبھی مجاہدین کے مضافے (مہمان خانے) میں برتن مانجھ رہے ہوتے، کھانے پکاتے اور پیش کرتے جاتے، کبھی سودے لاتے۔ ان کی ایک عرصے کے لیے تشکیل مراسلت کے شعبے میں کر دی گئی۔ خطوط بھیجنا، وصول کرنا، ان کو محفوظ بنانا (اِن کرپٹ کرنا، ڈی کرپٹ کرنا) اور ان کو مرتب رکھنا...... وہ ان سب کاموں کو بحسن وخوبی سر انجام دیتے رہے۔

ایک بھائی نے ایک دفعہ کسی سے پوچھا کہ 'قاسم آج کل کیا کرتا ہے؟'، تو جواب ملا کہ 'مصعب بھائی کی جگہ پر ہوتا ہے'۔ مصعب بھائی، ہمارے وہی محبوب ساتھی ہیں جن کا محفلِ استاذ میں گاہے بگاہے ذکر آتا رہتا ہے۔ مصعب بھائی[37] اپنی نیکی میں استاذ کے مجموعے میں ایک استعارہ تھے۔

بھائی قاسم ہاشمی کثرت سے تلاوتِ قرآنِ پاک کرتے تھے۔ ان کے ایک ذمہ دار ساتھی کہتے ہیں کہ یہ بھائی میرے ساتھ اکثر ہوتے تھے۔ بعض دفعہ دورانِ سفر مجھے کوئی اور ساتھی مل جاتا تو میں سواری سے اتر کر اس سے ملتا اور بات کرنے لگتا۔ اگر ملاقات میں دو چار منٹ سے زیادہ لگ جاتے تو قاسم بھائی ایک طرف کو بیٹھ جاتے اور قرآنِ مجید کا جیبی نسخہ نکال کر تلاوت میں مگن ہو جاتے۔

یہی ذمہ دار ساتھی کہتے ہیں کہ قاسم بھائی کی شہادت کے بعد ان کا جانا ایک بزرگ انصار کے گھر ہوا۔ تو یہ بزرگ انصار پوچھنے لگے کہ تمہارا ایک ساتھی تھا جو بہت زیادہ تلاوت کیا کرتا تھا وہ کہاں ہے؟ پہلے تو ان ذمہ دار ساتھی کو سمجھ میں نہ آیا کہ کس کا پوچھ رہے ہیں لیکن پھر خیال آیا کہ یہاں تو قاسم ہاشمی بھائی آیا کرتے تھے۔ سبحان اللہ...... تلاوت کا ایسا معمول تھا کہ ان کی پہچان ہی یہ بن گئی کہ وہ ساتھی جو بہت زیادہ تلاوت کیا کرتا تھا۔

---

[37] جیسا کہ پچھلی نشستوں میں راقم السطور وعدہ کر چکا ہے، سو ان شاء اللہ مصعب بھائی کی شہادت کے واقعے کے ذکر پر ان کا تفصیلی ذکر ادھار ہے۔ البتہ ان سے اور ان کے خاندان سے تعلق کی بنا پر ان کے خاندان سے وابستہ شہیدوں کا نام لکھنے کا بہت جی چاہ رہا ہے۔ مصعب بھائی کی والدہ اور دو بہنوں نے بھی میدانِ جہاد کی طرف ہجرت کی اور ان مذکورہ بہنوں کی شادیاں بھی یہیں ہوئیں۔ بلکہ ان کی ایک بہن تو تین بار بیوہ ہوئیں۔ مصعب بھائی کے باری باری چار بہنوئی شہید ہوئے اور پھر ان کی والدہ ماجدہ بھی اس خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئیں۔ بالترتیب پہلے حافظ سعد (خرم حفیظ)، قتادہ بھائی، ہشام بھائی (علی سلمان)، ریحان بھائی (عفّان غنی) شہید ہوئے۔ سبحان اللہ، اس خاندان میں چھ شہدا ہیں، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اللہ پاک میرے خاندان کو بھی عرشِ عظیم سے لٹکتی ذہبی قندیلوں میں بسا دے، آمین۔

ان کی نیکی و تقویٰ کی گواہی قاری عبد العزیز صاحب شہید کی اہلیہ محترمہ نے بھی دی۔ وہ کہتی ہیں کہ قاسم ہاشمی بھائی جب جب ان کے گھر آتے تو ان کے گھر کی بیٹھک میں رہتے۔ چونکہ قاری عبد العزیز صاحب کا کمرہ اور بیٹھک کے درمیان صرف ایک دیوار کا فاصلہ تھا تو یوں دوسری طرف کے احوال کی خبر بھی ہو جاتی۔ قاری صاحب کی اہلیہ محترمہ کہتی ہیں کہ رات کو دو بجے کے قریب محسوس ہوتا کہ ساتھ والے کمرے میں کوئی حرکت ہو رہی ہے اور پھر کچھ دیر بعد تلاوت وغیرہ کی آواز آنے لگتی۔ قاسم بھائی اتنی جلدی اٹھ جایا کرتے تھے اور تلاوت و تہجد میں مشغول ہو جاتے۔

قاسم بھائی کے سب ہی امراء ان سے راضی رہے اور کوئی مجاہد ساتھی ایسا نہیں ملتا جس کو ان سے کوئی تکلیف پہنچی ہو۔ قاسم بھائی سنہ ۲۰۱۲ء میں وزیرستان میں محسود قوم کے علاقے 'سپین کمر' میں ایک تشکیل پر موجود تھے، جب پاکستانی فوج کی جاسوسی سے امریکی ڈرون طیاروں نے کچھ ساتھیوں کو بروزِ عید الفطر نشانہ بنایا۔ اس بمباری میں شہادت پانے والوں میں قاسم ہاشمی بھائی بھی شامل تھے اور اسی بمباری میں ہمارا دوست اور بھائی محمد عسکری بھی شہید ہوا جس کا ذکر شروع کی نشستوں میں گزر رہا ہے۔ قاسم بھائی کو امریکی میزائل کا ایک پارچہ گھٹنے پر لگا جس سے کوئی بڑی رگ کٹ گئی۔ ابتدائی طبی امداد کے اس محاذ پر فقدان کے سبب، قاسم بھائی خون کے بہنے کے سبب جہانِ فانی سے کوچ کر گئے اور لیلائے شہادت کی بانہوں میں پہنچے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ جن طبیبوں نے امت کے زخمیوں کی جراحی کے وعدے کیے تھے، انہیں قاسم بھائی کی شہادت بھی بتا رہی ہے کہ وہ 'ایمان کے بعد اہم ترین فرضِ عین' سے غافل ہیں، کہ ایک مجاہد محاذِ جنگ پر صرف اس لیے زندگی ہار جاتا ہے کہ وہاں جراحی تو چھوڑیے 'ابتدائی طبی امداد' دینے والا بھی موجود نہیں ہوتا۔

میں ڈھونڈتا ہوں شہر کا طبیب جس کا فن
کسی محاذ پر تڑپتی جاں کا مرہم ہو!

طبیبوں، ڈاکٹروں، جراحوں و سرجنوں نے تو ان محاذوں پر ہونا تھا، ان لوگوں کی جراحی کرنا تھی جو خود اپنی رگوں کے آخری قطرۂ خون کو بھی نچوڑ نچوڑ کر امت کے جسم کو توانا کر رہے ہیں۔ لیکن دنیا کمانے کے شوق نے انہوں مصروف رکھا۔ یہ چند سطریں بخدا طعنہ نہیں...... ایک درد ہیں۔ ہم روز اپنی امت کے بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور جواں مرد مجاہدوں کو سہولیاتِ طب اور طبیبوں کے فقدان کے سبب معذور ہوتا اور جان ہارتا دیکھ رہے۔ یہ صدا فقط میری صدا نہیں بلکہ اس امت کی کروڑوں تڑپتی جانوں کی آہیں اور چیخیں ہیں۔ ہائے افسوس، افغانستان میں جاری بیس سالہ جنگ میں جن طبیبوں نے شرکت کی ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ لیکن جو طبیب ہمارے شہروں میں دنیا کو مقصود بنا کر کماتے رہے اور یہ کماتے کماتے جو پردیس چلے گئے ان کی تعداد کے لیے شاید سروے کروانا پڑیں اور وزارتِ خارجہ کے اعداد و شمار چھاننا پڑیں۔ طبیبوں کو ضرورت ہے کہ وہ اپنے علوم و فنون کے ساتھ ان محاذوں پر پہنچیں اور جان دیتے ان کلمہ گوؤں کی جانیں بچائیں...... اور انہیں ضرورت ہے کہ وہ یہ جانیں بچا کر اپنی جان کو بھی دنیا و آخرت کی مشکلوں سے بچائیں...... یہ طبیب یقیناً محاذوں اور امت کے مظلوم و مقہور مسلمانوں کو بہت کچھ دے سکتے ہیں، لیکن یہ دینے کے عوض وہ ایمانی و قلبی دولت بھی پاسکتے ہیں جو کرۂ ارض پر کہیں اور نہیں پائی جاتی۔

شاعرِ جہاد[38] نے 'محاذوں کو ضرورت ہے طبیبوں کی' سے شروع تو کیا تھا لیکن آخری مصرع 'طبیبوں کو ضرورت ہے محاذوں کی' پر نظم کیا تھا۔ طبیبوں کے لیے صلائے عام ہے کہ وہ سیکڑوں دیگر 'قاسموں' کی مرہم پٹی کریں اور دِل و جاں کے لیے حیاتِ جاودانی کا سامان کریں۔

ہماری زیرِ نظر محفلِ استاذ کے دوسرے شہید راجہ عبد الرافع ہیں۔ میدانِ جہاد آپ کو اولاً زاہد اور آخراً عبد الودود کے نام سے جانتا ہے۔ زاہد بھائی کا تعلق مارگلہ کی پہاڑیوں کے قدموں میں بسے شہر اسلام آباد سے تھا۔ آرمی میڈیکل کالج راولپنڈی میں زیرِ تعلیم تھے۔ اسی دوران جہاد کی دعوت ان کو پہنچی اور اپنی پیاسی روح کی آبِ جہاد سے پیاس بجھانے کے لیے یہ سنہ ۲۰۰۹ء میں وزیرستان کی طرف لپکے۔ زاہد بھائی اپنے نام کی طرح زاہد تھے، بلکہ عابد بھی۔ خاموش طبع تھے، فکر میں ڈوبے رہتے تھے، بلکہ متفکر بھی دِکھتے تھے، لیکن جونہی کوئی ان کی جانب دیکھتا تو متفکر چہرے پر مسکراہٹ پھیل جاتی۔ زاہد بھائی ایک بہترین صلاح کار اور ناصح تھے جس کے لیے میری دانست میں بہترین لفظ 'counsellor' ہے۔ زاہد بھائی کے ساتھ آپ بیٹھ کر گھنٹوں، بلکہ دنوں تک اپنے دِل کی ہر ہر بات کر سکتے تھے۔ زاہد بھائی آپ کی باتیں سنتے اور آپ کی اصلاح کرتے رہتے اور کسی کام سے نہ تھکتے۔

پڑھنے پڑھانے کا انہیں بے پناہ شوق تھا۔ ساتھ ہی حصولِ علمِ دین کا بھی بہت شوق تھا۔ زاہد بھائی ایک سمندر تھے، جس کی گہرائی کا شاید کم ہی لوگوں کو اندازہ ہو، اور میں یہ اندازہ رکھنے والوں میں سے نہیں۔ بلکہ بعض ساتھی ان کو کہتے بھی تھے کہ اپنے اندر انڈیلتے رہتے ہیں کچھ باہر بھی نکالا کریں۔ جو علوم و فنون ان کو آتے وہ ہر وقت دوسروں کو سکھانے کے لیے تیار رہتے۔ تواضع اتنی تھی کہ چھوٹے سے چھوٹے کی بھی شاگردی اختیار کر لیتے۔ خود میں اس بات کا شاہد ہوں کہ کئی بار وہ اپنے سے عمر میں چھوٹوں کے سامنے بیٹھ جاتے اور کئی کئی روز پڑھتے رہتے۔ خود سے جہد کر کر کے انہوں نے عربی زبان سیکھی، فقہ و اصولِ فقہ بعض عالم ساتھیوں سے پڑھے۔ اسی طرح حدیث و تفسیر سے مستقل جڑے رہتے، بلکہ تعلیمی ترتیب سے انہوں نے درسِ نظامی کے ابتدائی اور متوسط درجوں کے نصاب کو بھی پڑھا۔ تفسیر میں بہت ہی انہماک اور شوق سے معارف القرآن از مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب، سید قطب شہید کی تفسیر 'فی

[38] ملاحظہ ہو شاعرِ جہاد حضرتِ شیخ احسن عزیز رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا اور آخری مجموعۂ کلام 'محبت فیصلہ کن ہے'۔

ظلال القرآن' اور تفسیرِ سعدی پڑھتے۔ تزکیے کے لیے حضرت مولانا حکیم اختر صاحب کے مواعظ سے استفادہ کرتے۔ عقیدے کے بعض اسباق انہوں نے مولانا ڈاکٹر عبید الرحمان المرابط حفظہ اللہ سے پڑھے۔ حتیٰ کہ بعض اسباق انہوں نے ہمارے شہید برادرِ عزیز علی طارق سے بھی پڑھے، علی طارق سے ان کی دوستی بھی بہت تھی اور دونوں شہید بھی اکٹھے ہوئے۔

اپنی ذات کا انہیں بالکل غم تھا ہی نہیں۔ نام زاہد تھا اور کھانا پینا، پہننا، اٹھنا بیٹھنا، لوگ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں...... ہر شے سے مستغنی تھے۔ عابد بھی تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کی سات بہاریں حالتِ سفر و رباط میں گزاریں لیکن فرض نماز سے پہلے اور بعد میں سنتوں اور نوافل کا بہت اہتمام کرتے۔ اشراق و چاشت کے نوافل باقاعدگی سے پڑھتے۔ میں نے جو عرصہ ان کے ساتھ گزارا تو اس میں شاذ و نادر ہی ان کی نمازِ تہجد قضا ہوئی ہو گی۔ قرآنِ مجید کی تلاوت اور تمام معروف اوامر ہائے زندگی میں مسنون اذکار کی پابندی کرتے۔ اکثر معاملات میں استخارہ ان کی عادت تھی۔ تدبر فی القرآن بھی ان کی ایک امتیازی شان تھی، تفاسیر اور علما کی رہنمائی میں یہ عبادت سرانجام دیتے۔ تدبر و تفکر جن آیات میں کیا ہوتا ان کا ذکر بھی اپنے احبا میں کرتے۔

مسلکی تعصب آپ کو چھو کر بھی نہ گزرا تھا۔ تعصبات سے بالا رہتے۔ بلکہ صرف بالا رہتے نہیں اپنی موجودگی میں تعصبات کو پنپنے اور فروغ پانے بھی نہ دیتے۔ اپنے اور دیگر ساتھیوں کی اصلاحِ احوال کے لیے کمربستہ رہتے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ان کا شعار تھا۔ غلط رویوں کی نشاندہی کرتے اور اصلاح کی کوشش بھی، لیکن اگر باجودِ اصلاح کوئی درست نہ ہوتا تو اس پر طعن کیے بغیر مسئلہ پھیلانے والوں کے متعلق ان کے متاثرین کو تنبیہ کر دیتے۔ جاہ و منصب سے ہمیشہ دور پائے جاتے۔

سادہ تھے، لیکن انہیں دھوکہ دینا آسان نہیں تھا۔ بظاہر اگر اپنی سادگی یا دوسرے کی چالاکی یا اپنے ہی حسنِ ظن کے سبب کسی معاملے میں دھوکہ کا شکار ہو جاتے تو جلد ہی حقیقت تک بھی پہنچ جاتے اور پھر خاموشی سے علیحدگی بھی اختیار کر لیتے۔

جو حدیث قاسم ہاشمی بھائی کے تذکرے میں گزری وہ بالکل ان کے حال کا گویا بیان معلوم ہوتی ہے کہ "خوشخبری ہے اس بندے کے لیے جو اپنے گھوڑے کی لگام اللہ کی راہ میں پکڑے ہوئے ہو، اس کے سر کے بال پراگندہ اور پاؤں گرد آلود ہوں اگر وہ امیر کی جانب سے پاسبانی پر مقرر ہو، تو حفاظت میں پوری تندہی سے لگا رہے اور اگر لشکر کے پیچھے حفاظت کے لیے لگا دیا جائے، تو لشکر کے پیچھے لگا رہے، اگر اندر آنے کی اجازت چاہے تو اجازت نہ ملے اور اگر وہ کسی کی سفارش کرے، تو اس کی سفارش نہ مانی جائے"۔

زاہد بھائی برقیات یا الیکٹرانکس کے شعبے میں رہے، پھر سودا سلف لانے کی ذمہ داری بھی رہی۔ بعد میں استاذ کے مجموعے کے شعبۂ مالیات کے رکن مقرر ہوئے۔ ساتھ ہی انہیں استاذ کا 'معاونِ مراسلات' مقرر کر دیا گیا۔ آخر الذکر دونوں ہی ذمہ داریاں ان کی کمال دیانت داری و امانت داری کا مظہر ہیں۔

بیت المال کا نہایت ہی زیادہ خیال رکھتے اور مجاہد ساتھیوں کا بھی۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ 'یار ساتھیوں کو جو مراکز میں میزانیے کی ماہانہ رقم دی جاتی ہے، اس میں ساتھیوں کا گزارا ہو جاتا ہے؟ اگر آپ کو محسوس ہو کہ کمی ہے تو مجھے ضرور بتائیے کہ میں متعلقہ ذمہ داران تک سفارش کروں گا'۔ اس زمانے میں فی ساتھی تین ہزار روپے ماہانہ امیر مرکز یا مرکز میں مالیات کے ذمہ دار کو دیے جاتے تھے۔ چار چھ ساتھی اکٹھے ہوں تو تین تین ہزار جمع ہو کر مناسب رقم بن جاتی ہے جس میں اکثر ضروریاتِ زندگی پوری ہو سکتی ہیں۔ لیکن زاہد بھائی اکثر بازار میں واقع ایک مرکز یا یوں کہہ لیں کہ ان کا دفتر...... اس میں اکیلے ہوتے تھے۔ ساتھیوں کی فکر تھی لیکن اپنا حال یہ تھا کہ ان کو بھی دیگر ساتھیوں کے حساب سے تین ہزار روپے ہی ملتے۔ زاہد بھائی کھانا بازار سے خرید کر کھاتے تھے۔ زاہد بھائی کے تعامل پر انہی کے دفتری کمرے میں اکثر آنے جانے والے طیب بھائی جن کا اصل نام وقاص تھا ایک دن مجھے کہنے لگے 'یہ پتہ نہیں کیسے گزارا کرتے ہیں؟ تین ہزار روپے کو تیس دنوں پر تقسیم کر رکھا ہے، یوں یومیہ سو روپے بنتا ہے۔ ایک دن میں تین وقت کیا دو وقت بھی سو روپے میں بازار سے خرید کر کھانا ناممکن ہے!'۔ معاملہ تھا بھی یونہی۔ صبح خشک روٹی یا سستے سے بسکٹ چائے کے ساتھ کھا لیتے۔ بعض دفعہ دوپہر کو کھاتے ہی نہیں اور شام کو سب سے سستے ریستوران سے چنے کی دال یا کوئی سبزی روٹی کے ساتھ کھاتے۔ بلا مبالغہ اس چنے کی دال یا سبزی کی حالت یہ ہوتی کہ گویا ابال کر نمک اور کوئی سالن مصالحہ ڈالا ہوا ہو۔ ایک لمبے عرصے تک زاہد بھائی کا کھانے کا ہی معمول رہا۔ میں خود بھی ان کے ساتھ جب رہا تو میرے لیے عمومی مضافے سے کھانا لاتے اور خود اکثر وہی چنے کی دال۔

استاذ کے تمام خطوط پہلے ان کے پاس آیا کرتے تھے۔ استاذ چونکہ دور بھی تھے اور ان کی سکیورٹی کا معاملہ بھی حساس تھا، اس لیے کاغذ پر لکھے یا کسی پارسل کی شکل میں خطوط کو زاہد بھائی کھولا کرتے اور سکینر (scanner) سے عکس لے کر استاذ کو بھجواتے۔ پھر یہ سب کام نہایت رازدارانہ انداز سے کرتے۔ یاد آیا کہ اسی کام کے ساتھ ان کی ذمہ داری مجموعے میں موجود ساتھیوں کے کوائف جمع کرنے کی بھی تھی جو خود نہایت اخلاص و دیانت کی طلب گار ہے۔ پھر صرف دیانت نہیں درکار بلکہ اس دیانت کے ساتھ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے لازمی ہے کہ مالیات، مراسلت اور کوائف کے رازوں کو خوب محفوظ رکھا جائے۔ لہٰذا معلوم اور معلوم میں مقدور حفاظت کا انتظام بھی کرتے۔ چونکہ عصرِ رواں میں دنیا کا اکثر دفتری کام 'کمپیوٹروں' پر منتقل ہو گیا ہے، اس لیے کمپیوٹر سکیورٹی اور انکرپشن کا اہتمام رکھتے تھے اور نئی چیزوں کے متعلق پوچھتے اور جانتے بھی رہتے اور کوئی اگر کسی نقص کی نشاندہی کرتا تو نقص دور بھی کرتے۔

اللہ پاک سے امید ہے کہ انشاء اللہ، جب سلسلۂ مع الاستاذ فاروق میں جہادِ وزیرستان کے ۲۰۱۲ تا ۲۰۱۴ء کے فتن کا ذکر آئے گا تو کچھ باتیں اسی مناسبت سے زاہد بھائی کی پھر ذکر ہوں گی۔

زاہد بھائی کی زندگی کا نہایت نمایاں پہلو اللہ کو راضی کرنے کی کوشش میں مگن رہنا تھا۔ اسی کوشش میں انہوں نے اپنی جوانی جہادی مصروفیات، زہد، عبادت اور صحراؤں میں بھٹکنے اور دشت پیمائی میں گلا دی۔ اپنے وطن سے سیکڑوں میل دور، رب کو راضی کرنے کی کوشش میں قندھار کے صحرائے شراوک میں، اکتوبر ۲۰۱۵ء کے اوائل میں ایک امریکی، پاکستانی اور افغانی آپریشن میں زاہد بھائی شہید ہو گئے اور ان کا لاشہ بھی نہیں ملا[39]۔ ان کے ساتھ دو درجن سے زائد قیمتی اور انمول دیگر مجاہد ساتھی بھی جامِ شہادت پی کر سوئے جنت روانہ ہوئے۔ رب کی رضا کو پانے کے سفر میں جو ہیرے سپردِ خاک ہوئے ان میں سے جن چند کے نام ہمیں ابھی یاد ہیں، یہ ہیں: مولانا مفتی ابو محمد اشتیاق اعظمی، مولانا قاری عبد العزیز، مولوی محمد سعد (سراقہ)، کماندان (سہیل) طارق بنگالی، (صدام حسین) یعقوب بنگالی، انور بنگالی، صدیق بنگالی، تراب، استاد بلال، قاری طفیل، تاج، معاذ جاکھرانی، سجاد بلوچ، صابر بلوچ، مولوی محمدی بلوچ، علی طارق گوندل، محمد زوہیب (صالح)، عمار ٹیپو (حذیفہ)......رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم!
تُو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے؟

اب کچھ ذکر امجد احمد بھائی کا۔ امجد احمد بھائی کو میدانِ جہاد عارف کے نام سے جانتا ہے اور میں انہیں عارف باللہ کہتا تھا۔ میری ان سے پہلی ملاقات ۲۰۱۱ء کے وسط میں قاری عبد العزیز صاحب کے وانا کے قریب کے علاقے 'کڑی کوٹ' میں واقع مکان میں ہوئی، جس مکان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ کسی کام سے میرا جانا قاری صاحب کے گھر ہوا اور ان کی بیٹھک میں عارف بھائی مقیم تھے۔ عارف بھائی بڑی ہی محبت سے ملے۔ وہاں جو میسر تھا وہ انہوں نے پیش کیا۔ جو پیش کیا وہ تو یاد نہیں، لیکن اندازِ پیشکش یاد ہے۔ زیادہ بات چیت بھی نہیں ہوئی اور میں اٹھ کر اپنے مرکز میں آ گیا۔ چند دن بعد عارف بھائی کا خوش اسلوب و خوش خط نامہ موصول ہوا۔ بات کیا تھی، بس انہوں نے حال احوال دریافت کیا اور اظہارِ محبت و نصیحت کا تعلق اس نامے کے ذریعے قائم ہوا۔

پھر ان سے میری ملاقات میران شاہ میں رہی۔ ہم نے اکٹھے ہی حضرتِ استاذ سے 'دورۂ شرعیہ' کیا۔ میری مثال عارف بھائی جیسے ساتھیوں کے ساتھ کسی دورے میں شریک ہونے کی ایسے ہے جس طرح فاروق بھائی کے قریبی رفیق 'بدر منصور' بھائی بہت سے دوروں میں بغرضِ تحصیلِ علم و اصلاح شریک رہتے۔ بعد میں شرکائے دورہ کہتے کہ ہمارے ساتھ 'بدر منصور' بھی دورے میں تھے۔ سو اصلاً جس دورے میں عارف بھائی اور دیگر بلند قامت ساتھی تھے میں بھی اس میں شریک ہوا۔ اس دورے کے آخر میں استاذ نے جب ساتھیوں کو ان کے انداز و تعامل کے مطابق خطابات یا 'نمبر' دیے تو ساتھیوں کی خدمت میں سرِ فہرست، پہلا نام عارف بھائی کا تھا۔

عارف بھائی جہاد میں شامل ہونے سے پہلے 'اسلامی جمعیتِ طلبہ' کے سرگرم کارکن تھے، بلکہ کارکن کیا تھے، سیکڑوں کارکنان کو چلانے والے ناظم تھے۔ تعلق کراچی سے تھا۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ 'اسلامی جمعیت طلبہ' اور خاص کر کراچی میں اس تنظیم کا کوئی ناظم بڑی سطح کا نہایت باصلاحیت ذمہ دار ہوا کرتا ہے۔ لیکن عارف بھائی کی تواضع تھی کہ ان کے کسی قول و عمل سے یہ چیز کبھی جھلکی ہی نہیں۔ بلکہ جہاد میں بھی کتنی ہی ذمہ داریوں میں پر وہ فائز رہے لیکن کبھی ظاہر نہ ہوتا کہ یہ کوئی ذمہ دار ہیں، خاکسار ان کا دوسرا نام ہو سکتا تھا۔

عارف بھائی نے سیکڑوں نوجوانوں کو زندگی رضائے الٰہی کے حصول میں کھپانے کی دعوت دی۔ دسیوں آپ کی دعوت پر کاروانِ جہاد کا حصہ بنے اور کتنے ہی رضائے الٰہی کو بصورتِ شہادت گلے لگا چکے ہیں۔ عارف بھائی خاموش محنت کے عادی تھے۔ آنکھوں سے ذہانت اور تفکر ٹپکتا تھا۔ بات دھیمے انداز سے کرتے۔ افراد کو چلانے کی خوب صلاحیت اللہ پاک نے عطا کر رکھی تھی۔ شریعتِ مطہرہ پر سختی سے عمل پیرا رہتے۔ میں خود گواہ ہوں کہ کچھ شرعی مسائل انہوں نے میرے سامنے حضرتِ استاذ سے پوچھے، ان کا عمل سوال سے پہلے موافقِ شریعت نہ تھا لیکن جواب ملنے کے بعد تا وقتِ شہادت ایسا ہی ہو گیا جیسا کہ بیان کیا گیا تھا۔

ایک نازک موقع پر، ان ایامِ فتن میں جن کا ذکر آئندہ کی کسی مجلس میں ان شاء اللہ ہو گا، انہوں نے مجاہدین کو افتراق سے بچایا۔ وحدت کی لڑی میں پرویا، امرا کی اطاعت پر ابھارا، فتنوں کا قولاً و عملاً مقابلہ کیا۔ پھر اپنی جھولی کے تمام ثمرات اپنے امرا کے سپرد کر دیے۔ انہوں نے ہر برے ذاتی جذبے کو کچلا بلکہ شاید ابھرنے ہی نہ دیا کہ وہ بعداً کچلا جاتا۔

عارف بھائی کا نام میں جب بھی کہیں سنتا ہوں یا میرے ذہن کے پردۂ سکرین پر اگر ابھرتا ہے تو دو صفات ہمیشہ میرے سامنے آ جاتی ہیں: ۱. تواضع، ۲. تفرقے سے بچنا۔ عارف بھائی واقعی عارف باللہ تھے۔ ان میں درجنوں دیگر اعلیٰ صفات بھی تھیں لیکن مذکورہ دو میری نظر میں بہت ہی عمدہ تھیں۔ وہ فتنے کی بات کو دباتے، غیبت سے دور ہو جاتے، بلکہ کوئی غیبت کرتا تو ان کا چہرہ سامنے والے کی تحقیر کیے بغیر اتنی بے زاری کا اظہار کرتا کہ غیبت کرنے والا شرمندہ ہو جاتا۔

عارف بھائی القاعدہ برِّ صغیر کی جانب سے کراچی میں کئی امور سے متعلق ذمہ دار تھے جب خفیہ ایجنسیوں میں خاص 'راؤ انوار' کے 'بُو سونگھنے والوں' نے آپ کا تعاقب کیا اور آپ کو گرفتار کر لیا۔ بالآخر ۲۰۱۷ء میں ایس ایس پی 'راؤ انوار' نے (باقی صفحہ نمبر 20 پر)

---

[39] امریکی و افغانی فورسز تو براہِ راست اس آپریشن میں شریک تھیں، لیکن اس کارروائی سے قبل پاکستان و افغانستان کے سرحدی علاقے نوشکی-شراوک کو پاکستانی فورسز نے بند کر دیا اور اس آپریشن کے لیے سہولت کاری کی۔

شیخ جلال الدین حقانی رحمہ اللہ علیہ

جلال الدین حسن یوسف زئی

یہ مضمون پشتو زبان میں چھپنے والے شیخ جلال الدین حقانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مختلف مضامین کا مختصر اردو استفادہ ہے۔(جلال الدین حسن یوسف زئی)

مجھے ہمیشہ اس بات کی پریشانی رہتی تھی کہ یااللہ ہمیں وہ دن نہ دکھانا جس دن عالمی کفری طاقت کی آنکھوں میں کانٹے کی مانند چبھنے والے امارت اسلامیہ کے دو عظیم قائدین ملا محمد عمر مجاہد اور شیخ جلال الدین حقانی زندہ حالت میں امریکیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جائیں، ایک ایسی حالت میں کہ ہم بے بس پڑے اپنے اِن دو سپہ سالاروں کو دیکھ رہے ہوں اور اسلام کے دشمن امریکی اُن کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا کر انہیں اسیر بنا رہے ہوں۔ کیونکہ یہ تو غیرت، بہادری اور عزم کے وہ فولادی پہاڑ تھے جنہوں نے صراحت کے ساتھ متکبر امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُس کی بدمعاشی اور ظلم کا اسلام کی تلوار سے جواب دیا۔ اور مسلم اُمت کے سامنے یہ ثابت کر دیا کہ امریکہ اپنے آپ کو جتنا بھی دنیا کا سپر پاور منواتا پھرے لیکن وہ دن دور نہیں جب غیرت مند مسلمانانِ امت اللہ تعالیٰ کی نصرت کے سہارے اس ظالم و جابر دشمن پر غالب آئیں گے اور امریکہ اپنی تمام تر طاقت و قوت کے باوجود امارتِ اسلامیہ کے عزمِ مصمم کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گا اور آج پوری اُمت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ دن دیکھ رہی ہے۔

امارتِ اسلامیہ کے مؤسس عالی قدر امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد اور عرب و عجم کے مجاہدین کی آنکھوں کے تارے شیخ جلال الدین حقانی رحمہ اللہ نے جس زمین کو اپنا نشیمن بنایا اور جہاں سے اپنے جہادی فریضے کو حکمت و بصیرت کے ساتھ ادا کرتے رہے، امریکہ اپنی تمام تر ٹیکنالوجی، استخبارات اور کھربوں ڈالر خرچ کرنے کے باوجود وہاں نہیں پہنچ سکا۔ بلاشبہ یہ مظلوم مسلمانوں کی دعاؤں کی برکت ہے جس کی وجہ سے اُمت کے یہ دو عظیم رہنما اپنی آخری سانس تک کفار و منافقین کے ہاتھوں اور چالوں سے محفوظ رہے۔

مرحوم شیخ جلال الدین حقانی جہاں ایک طرف ایک حقانی اور ربانی عالمِ دین تھے تو دوسری طرف گزرے ہوئے چالیس سال میں تاریخ کے دو بڑے جہادی معرکوں میں غیرت مند امتِ مسلمہ کے سیاسی اور جہادی رہبر بھی تھے۔

عربی کا مشہور محاورہ ہے: موت العالِم موت العالَم! عالِم کی موت عالَم کی موت ہے۔ ہر قسم کے مبالغے اور ریا سے بالاتر سال ہا سال گزر جائیں گے، دسیوں انقلابات اور تبدیلیاں رونما ہو جائیں گی اور جہادی تاریخ کی لمبی اور طویل داستانیں رقم ہو جائیں گی لیکن شیخ جلال الدین حقانی کی وفات سے جہاد کی صفوں میں رونما ہونے والا خلا پُر نہیں ہو سکے گا اور نہ ہی اس اُمت کو آپ رحمہ اللہ کی مانند اولوالعزم، راسخ العقیدہ، بطلِ جلیل جہادی رہبر مل سکے گا۔

یہ کاتبِ تقدیر کی جانب سے مقرر کردہ اٹل فیصلہ ہے کہ حق و باطل، خیر و شر، اسلام اور کفر کے مابین جاری معرکہ قیامت کے دن تک جاری رہے گا۔ لہٰذا اللہ کی سنت یہی ہے کہ باطل کے دفاع میں لڑنے والوں کی سرکوبی کی خاطر حق کے دفاع میں لڑنے والے مجاہدین اور قائدین اس دنیا میں آتے رہیں جو اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق باطل کے دفاع میں لڑنے والوں کے سامنے بند باندھیں اور اُن کے خلاف جہادی فریضے کی رہنمائی کر کے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے نظام اور قدرت کی یہ ایک عجیب حکمت ہے کہ بعض انسان اس فانی دنیا میں بعد میں آتے ہیں لیکن اُن کو مقام و مرتبہ اولیا و صدیقین کامل جیسا دیا جاتا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے "دلائل النبوۃ" میں رسول اللہ ﷺ کا یہ مبارک ارشاد نقل کیا ہے:

انه سيكون في آخر هذه الأمة قوم لهم مثل أجر أولهم، يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر، ويقاتلون اهل الفتن (مشكوة: 584)

"اس اُمت کے آخر میں ایسے لوگ آئیں گے جن کو اجر سابقین الاولین کے برابر دیا جائے گا، یہ لوگ معروف (نیکی) کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے اور اہلِ فتن کے خلاف جہاد کریں گے۔"

یعنی معروف کی دعوت دینا اور منکر سے روکنا اور اہلِ فتنہ و فساد کے خلاف جہاد کرنا یہ وہ اوصاف ہیں جس کی وجہ سے اس اُمت کے بعد میں آنے والے اجر کے حساب سے سابقین الاولین کے برابر ہو جاتے ہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ الحاج جلال الدین حقانی رحمہ اللہ کو الاخرون السابقون میں شامل فرما کر رسول اللہ ﷺ کے مبارک ارشاد کے مصداق لهم مثل اجر اولهم کے شرف اور افتخار سے نوازیں، آمین۔

شیخ جلال الدین حقانی نے معروف علمی درس گاہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں مروجہ دینی علوم اور فنون کے نصاب سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ذہانت اور استعداد کی برکت سے دارالعلوم حقانیہ میں ہی درس و تدریس شروع کر دی تھی۔ وہاں ابھی درس و تدریس کو ایک سال کا عرصہ ہی ہوا تھا کہ افغانستان میں ایسی بڑی سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں جن کی وجہ سے ملک کا پورا نظام اور زمامِ کار کمیونسٹوں کے ہاتھ میں آ گیا اور انہوں نے سیاست اور نظام کے اندر اہم عہدوں پر فائز ہو کر اسلام اور شعائرِ اسلام کی توہین شروع کر دی۔ نوجوان افغان نسل کو خراب کرنے کے لیے مختلف نعرے اور حربے استعمال کیے، دن بہ دن

حکومتی نظام کے اندر کمیونسٹوں کے اثر و سوخ میں اضافہ ہو رہا تھا۔ جس کو دیکھ کر افغان عوام کے اندر ایک ذہنی اضطراب و بے چینی پھیل رہی تھی۔ ملک کے جید علمائے کرام بھی کمیونسٹوں کے بڑھتے ہوئے اثر و سوخ سے پریشان تھے۔ شیخ جلال الدین حقانی اگرچہ اپنے وطن سے باہر دوسرے ملک میں درس و تدریس میں مصروف تھے لیکن اپنے وطن میں جاری حالات سے غافل نہ تھے۔ آپ وہیں سے اپنے ملک کے حالات اپنی بصیرت اور فراست سے دیکھ رہے تھے۔ جب ملحد کمیونسٹوں کا اثر و رسوخ شہروں سمیت ملک کے اطراف میں پھیل گیا تو شیخ رحمہ اللہ مجبوراً درس و تدریس سے مستعفی ہو گئے اور اپنے وطن کا رُخ کیا۔ آپ نے افغانستان آتے ہی درس و تدریس سمیت ملحد کمیونسٹ افکار کے مقابل دعوتی و اصلاحی کوششیں شروع کیں۔ اُن کے گمراہ افکار سے مسلمانوں کو باخبر رکھنے کے لیے منبر و محراب سے اپنی دعوت کا آغاز کیا۔ اس عرصے میں آپ کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن مایوس نہ ہوئے، اپنے مضبوط عزم اور استقامت سے اپنے کام کو جاری رکھا اور مختصر وقت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت سے عوام کی حمایت حاصل کی۔ علاقے کے علما کے درمیان ہم آہنگی اور اتحاد کی فضا قائم کی۔ جگہ جگہ دینی مدارس بنائے اور ان میں اسلامی اور افغانی روایات کے مطابق نوجوانوں کی دینی تربیت کی۔

جب کمیونسٹوں نے افغانستان کے سیاسی نظام میں اپنے اثر و رسوخ سے بے جا فائدہ اُٹھانا شروع کر دیا تو شیخ جلال الدین حقانی سمیت افغانستان کے باقی علمانے جہاد کا عَلم بلند کیا، ایک ایسے حال میں کہ آپ اور آپ کے ساتھی بے سر و سامانی کی حالت میں تھے لیکن اپنے قوی عزم اور ایمان کے زیور سے لیس ہو کر کمیونسٹ حکومت کے فوجیوں سے بھاری مقدار میں اسلحہ اور جنگی ساز و سامان غنیمت کیا اور اس کے ذریعے اپنے ساتھی مجاہدین کو مسلح کیا۔ جب روس افغانستان پر خود حملہ آور ہوا تو ان کے مقابل افغانستان کے باقی صوبوں کی طرح خوست، پکتیا اور پکتیکا میں شیخ جلال الدین حقانی کی قیادت میں مجاہدین منظم ہو گئے۔ پکتیکا اور خوست کی لڑائیوں میں آپ نے ایسے تاریخی معرکے لڑے جن کا اعتراف افغانستان میں روس کے سرخ لشکر کے کمانڈر جنرل گروموف نے اپنی کتاب ”Red Army in Afghanistan“ میں کیا ہے۔

اس وقت عرب و عجم سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں مجاہدین جہاد کی غرض سے آپ کے مراکز میں آئے۔ جلال الدین حقانی نے اپنی جامعیت اور تدبر سے عرب و عجم کے مجاہدین کی عسکری اور جہادی تربیت کی اور پھر ان کو جہاد کی غرض سے تشکیلات پر بھیجا۔

آپ نے حملہ آور روسی فوج کے خلاف جہادی میدانوں میں ایسے بڑے اور حیران کن معرکے سرانجام دیے جو دنیا میں آپ کی شہرت اور مقبولیت کا باعث بنے۔ آپ نے دشمن کے خلاف ایسے جنگی حربے استعمال کیے جو ملک سے باہر اور اندر موجود افراد کے اعتماد میں اضافے کا ذریعہ بنے۔ جب روسی فوج نے شکست کھا کر افغانستان سے بھاگنے کا فیصلہ کیا تو نجیب کی کمیونسٹ حکومت (جن کو روس ہر مہینے اسلحہ اور روبل (روسی کرنسی) کی کمک بھیجتا تھا) خلافِ توقع جنگ کے لیے کمربستہ ہو گئی۔ یہاں تک کہ جب مجاہدین کی ساری تنظیموں نے اہم اور سٹریٹجک شہر ”جلال آباد“ پر مشترکہ حملہ کیا، تو مقابل میں نجیب کی حکومت نے جارحانہ انداز سے دفاع کرتے ہوئے مجاہدین کو پیچھے دھکیلا، اس حملے سے دنیا بھر میں ہر کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا مجاہدین بزورِ بازو نجیب کی حکومت کو گرا سکیں گے؟

اسی دوران شیخ جلال الدین حقانی اپنی عسکری بصیرت اور جہادی حکمتِ عملی کو سامنے رکھتے ہوئے خوست کی فتح کے لیے کمربستہ ہو گئے، بہت سے گروہوں کے سربراہان کی طرف سے اس اقدام کی مخالفت کی گئی، کہ ایسا نہ ہو جلال آباد کی طرح یہاں بھی شکست اُٹھانی پڑے، لیکن شیخ جلال الدین حقانی عزم و حوصلے سے تھے، آپ نے ہر صورت میں خوست کی فتح کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے عزم و حوصلے اور کوششوں کو دیکھتے ہوئے آپ کی نصرت فرمائی اور آپ کے ہاتھوں خوست فتح ہو گیا۔ نجیب نے خوست کے دفاع کی خاطر دوستم کی گل جمعہ ملیشیا سمیت ہزاروں تازہ دم افواج قندہار، کابل، غزنی اور مزار شریف سے بلوائیں لیکن شدید مزاحمت کے باوجود بھی خوست کا دفاع نہ کر سکا اور شیخ جلال الدین حقانی خوست کے فاتح بنے۔

خوست کی فتح نے پورے ملک میں فتوحات کا دروازہ کھول دیا اور مجاہدین کے حوصلے بلند ہو گئے اور دنیا بھر نے جہاد فی سبیل اللہ کی حقانیت کا اقرار کیا۔ نجیب حکومت کے لیے خوست کی فتح ایک ایسی شکست ثابت ہوئی جس کی وجہ سے اس نے کابل میں کئی دنوں کے ماتم کا اعلان کیا اور خود نجیب نے دو راتیں اور دو دن اپنے آپ کو قید میں رکھا، نہ کسی سے بات کرتا اور نہ ہی ملاقات۔ دو دنوں کے بعد جب اپنے فوجی افسروں کے ساتھ بات چیت کرنے کے لیے آیا تو اپنی افواج کو حوصلہ و دلاسہ دینے کے دوران خوست کی فتح کو ایک بہت بڑے سانحے اور حادثے سے تعبیر کیا۔

خوست کی فتح کے بعد شیخ جلال الدین حقانی رحمہ اللہ نے گردیز فتح کرنے کی طرف توجہ دی اور انتہائی سرعت کے ساتھ گردیز میں حکومتی فوج کا محاصرہ کر لیا، نجیب نے اپنی طرف سے شدید کوشش کی کہ آپ کے حملوں سے گردیز کو بچائے لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ بالآخر آپ کے ہاتھوں گردیز بھی فتح ہو گیا۔ آپ کی کامیابیوں کو دیکھتے ہوئے مجاہدین نے شمال کی طرف بھی فتوحات شروع کر دیں۔ زیادہ تر صوبے مجاہدین کے ہاتھوں فتح ہو گئے اور نجیب کے ہاتھوں میں سوائے کابل کے کوئی صوبہ نہیں بچا، شیخ جلال الدین حقانی کو یہ پسند نہیں تھا کہ مجاہدین غیر منظم طریقے سے کابل شہر پر حملہ کریں بلکہ آپ چاہتے تھے کہ ایک منظم ترتیب سے کابل شہر کو فتح کیا جائے، اسی مقصد کی خاطر آپ نے تمام جہادی تنظیموں کو مطلع کیا کہ کوئی تنظیم بھی اس معاملے میں خود اجتہادی سے کام نہ لے! لیکن حکومت و کرسی کے عاشق کب صبر کر سکتے تھے کیونکہ وہ تو حکومت و کرسی حاصل کرنے کے لیے اُٹھے تھے اور کابل میں داخل ہونے کے لیے انہوں نے کمیونسٹ فوجی جرنیلوں کے ساتھ خفیہ روابط کر رکھے تھے۔ مسعود اور حکمت یار

نے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی خاطر کمیونسٹوں کو امان دی، کمیونسٹوں کے جرنیل یعنی دوستم، اصفدلاور، نبی عظیمی اور باباجان مسعود سے گلے ملے۔ شاہنواز اور وطن جار کو حکمت یار نے امان دے کر اپنا ساتھی بنایا اور ایسے میں جہادی مقاصد خاک میں مل گئے اور ملک کے بڑے حصے میں خانہ جنگی شروع ہوئی۔ اس عرصے میں شیخ جلال الدین حقانی اپنے اصولوں پر ڈٹے رہے۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ ان خانہ جنگیوں سے اپنے آپ کو دور رکھا بلکہ تنظیموں کے مابین خانہ جنگیوں کے درمیان ثالثی کا کردار ادا کرتے ہوئے اُن کے درمیان جلتی ہوئی آگ کو بجھانے کی کوشش کی۔ اور اسی مقصد کی خاطر آپ مسعود، ربانی، سیاف، مزاری اور حکمت یار کے پاس کئی بار وفد کی صورت میں گئے اور اُن کو بتایا کہ خدا کے لیے اس جہاد کے ساتھ خیانت نہ کرو حکومت حاصل کرنے کی ہوس چھوڑ دو، آپ کے بقول سب تنظیموں کے درمیان صلح کرنے کی خاطر حکمت یار کے پاس بائیس بار گیا ہوں اور ربانی کے پاس تیئیس بار گیا ہوں، ہر بار وہ میرے ساتھ سامنے سامنے صلح کے لیے راضی ہو جاتے لیکن عملی طور پر کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ لیکن اِن سب کے باوجود بھی آپ نے ہمت نہ ہاری اور آخری وقت تک اُن کے درمیان صلح کرانے کے لیے کوشاں رہے۔

ایسے میں شیخ جلال الدین حقانی نے خوست اور گردیز کی فتح میں دشمن سے کثیر تعداد میں بڑے اور چھوٹے اسلحہ سمیت کئی بکتر بند گاڑیاں غنیمت کیں۔ آپ اگر چاہتے تو انہی کے ذریعے کابل کا رُخ کرتے لیکن آپ اس اقدام کو حکومت کی ہوس سے تعبیر کر کے جہاد اور مجاہدین کے ساتھ خیانت سمجھتے تھے لہٰذا آپ نے ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا جو مجاہدین کے درمیان خون بہانے کا سبب بنے۔

ملک بھر میں طوائف الملوکی کا راج پھیل گیا، عوام کے راستوں میں چیک پوسٹ بنادی گئیں۔ شیخ جلال الدین حقانی نے ان کے خلاف آواز بلند کی، راستوں میں عوام کو تنگ کرنے کے لیے چیک پوسٹ بنانا قطّاع الطریق اور حرام قرار دیا، مختصراً یہ کہ ملک خانہ جنگیوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گیا، ہر طرف ظلم کا بازار گرم ہوا، یہاں تک کہ عوام کے عزت و ناموس پر بھی ہاتھ ڈالا گیا۔ ایسے میں عوام کے درمیان سے طالبان کی اسلامی تحریک اُٹھی اور ملک کے طول و عرض میں زیادہ تر ولایتوں کو اپنے قبضے میں لا کر انتہائی سرعت کے ساتھ ملک کے جنوب کابل تک پہنچ گئی۔ شیخ جلال الدین حقانی طالبان کی اسلامی تحریک کی حمایت کرتے ہوئے ان کے ساتھ جاملے، اور تواضع کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملک کے جنوب میں تین اہم صوبوں (خوست، پکتیا اور پکتیکا) کو طالبان کی اسلامی تحریک کے حوالہ کیا جس کی وجہ سے طالبان کی پوری توجہ کابل کی طرف مبذول ہو گئی۔ شیخ جلال الدین حقانی امارت اسلامیہ کے دور میں امارت کے قیام کے ایک ستون تھے اور آپ آخری دم تک بغیر کسی لالچ و غرض کے امارت اسلامیہ کے قیام کے لیے کوشاں رہے۔ جب گیارہ ستمبر کے مبارک حملوں کے بعد امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا تو جلال الدین حقانی اپنی تمام تر کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے امارت اسلامیہ کی قیادت کے تحت جہاد فی سبیل اللہ کے لیے پہلے سے زیادہ پُر عزم ہو گئے اور آپ نے باقی کمانڈانوں کی طرح اپنا جہادی اور وطن کی آزادی کا راستہ ہر گز تبدیل نہیں کیا۔ اس راستے میں اپنے چار جوان بیٹوں کی قربانی دی اور اپنے لیے تنگی و مشکلات کی زندگی کا انتخاب کیا لیکن دشمن کے سامنے اپنے جہادی عزم سے پیچھے نہیں ہٹے اور آخری وقت تک اپنا مدبرانہ کردار ادا کرتے ہوئے امارت اسلامیہ کی صف کو صفِ واحد پر قائم رکھا، اسی حالت میں آپ نے اپنی آنکھیں بند کیں اور دارِ فانی سے رحلت فرما کر اپنے لایزال خالق سے جاملے۔ اللہ تعالیٰ آپ رحمہ اللہ کی تھکاوٹ اور تکلیفوں سے بھری جہادی زندگی کو قبول فرما کر اجرِ عظیم سے نوازیں۔ آمین

بلاشبہ ہر متنفس نے موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم میں سے ہر ایک نے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ سیاف، ربانی اور باقی جہاد فروشوں نے بھی اللہ کے حضور کھڑا ہونا ہے اور ملا محمد عمر مجاہد، ملا اختر محمد منصور اور شیخ جلال الدین حقانی نوّر اللہ مرقدھم نے بھی اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ وہاں پتا چلے گا کہ کس نے اللہ کے دین پر غیرت کھائی، اصل معنوں میں کون مجاہد تھا، کس نے روس، امریکہ اور نیٹو کی کمر توڑی تھی اور کس نے اِن کی غلامی کی زنجیر اپنے گلے میں ڈالی تھی، کس نے مظلوم و مہاجر مسلمان مجاہدین پر غیرت کرتے ہوئے انہی کی خاطر اپنی بادشاہت اور دبدبے کو قربان کر دیا اور کس نے ان مسلمان عرب مجاہدین کو گرفتار کر کے جنگی قلعوں، قندوز، کابل، ننگرہار، اور قندہار میں امریکیوں کے حوالے کیا۔

دو جہادی ادوار کے قائد شیخ جلال الدین حقانی رحمہ اللہ کے وہ مبارک الفاظ آج بھی میرے دماغ میں تر و تازہ ہیں جب بی بی سی ریڈیو کے ایک صحافی نے سوال کیا کہ افغان عوام کی اکثریت کی خواہش ہے کہ امریکی افواج اور اس کے اتحادی افغانستان آجائیں اور یہاں امن و سلامتی کے لیے کام کریں۔

شیخ رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا: تمہارے اس بات میں سچائی نہیں ہے، کوئی افغانی مسلمان اپنی مٹی پر کسی بھی خارجی فوجی کو برداشت نہیں کرے گا اور ان خارجی افواج کے خلاف ایسا ہی جہاد کرے گا جیسا کہ انگریز اور روس کے خلاف کیا تھا۔ آپ نے واضح کیا کہ میں یہ بات اپنے اعتماد اور عزم سے کرتا ہوں کیونکہ میری آواز افغان عوام کے دلوں کی آواز ہے کیونکہ میں مولویوں میں ملا، قومی مشران میں ایک مشر، سیاست میں سیاستدان اور اس سب کے ساتھ ساتھ افغانستان کے سرحدات اور قبائلی امور کا وزیر ہوں۔

دوسری طرف ربانی بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کہہ رہا تھا امریکیوں کو چاہیے کہ افغانستان پر بڑے بڑے بم برسائیں اور اپنی افواج کو عاجلانہ طور پر پیادہ اتاریں۔ سیاف امریکی جرنیلوں کو کہتا تھا کہ عربوں کو گرفتار کرنے کی مسئولیت اُسے سونپ دے کیونکہ وہ روس کے مقابل لڑنے والے عرب مجاہدین کو اچھی طرح جانتا اور پہچانتا ہے!

(باقی صفحہ نمبر 106 پر)

خنساءِ دوراں

اُم عمار

آمنہ باجی سے میری پہلی ملاقات سن ۲۰۰۸ء میں ان کی بڑی بیٹی کی شادی کے موقع پر وانا، وزیرستان میں ہوئی تھی۔ اس پہلی ملاقات کے بعد سے رواں سال ۲۰۱۹ء تک گنتی کی چند ملاقاتیں ہی میری ان سے ہو پائیں، تاآنکہ اللہ رب العزت نے انہیں اپنے چاروں بیٹوں کے ساتھ شہادت کے عظیم مقام سے نوازا، مگر ان چند ملاقاتوں نے ہی میرے دل میں ان کی محبت کے پودے کو پروان چڑھا کر تناور درخت بنا دیا۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ان کی شہادت قبول فرمائیں، انہیں بہترین اور اعلیٰ ترین درجات سے نوازیں، مجھ ناچیز کو ان کی شفاعت سے محروم نہ فرمائیں اور جنت میں ان کا ساتھ عطا فرمائیں، آمین۔

مہاجرہ بہنیں عموماً انہیں خالہ کہتی تھیں، جبکہ میں ہمیشہ انھیں باجی ہی کہتی رہی اور وہ بھی اس پر نہایت شفقت اور محبت کا اظہار کرتیں اور بہت محبت سے بہن کہہ کر ہی میرا ذکر کرتیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دو بیٹیاں اور چار بیٹے عطا کیے اور ماشاء اللہ ان کے تمام بچے ہی اپنی مثال آپ ہیں اور ان کے اخلاق و آداب میں، ان کی نیکی اور صالحیت میں، ان کی جہاد سے محبت اور شہادت کی تڑپ میں آپ ان کے والدین کی تربیت اور شخصیت کا پرتو دیکھ سکتے ہیں۔

آمنہ باجی نے اس لحاظ سے ایک مشکل زندگی گزاری کہ ان کے شوہر محترم سالہا سال سے جہاد سے منسلک ہونے کی وجہ سے کم ہی گھر میں پائے جاتے تھے اور یوں ننھے بچوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و دیگر ضروریات کی کُل ذمہ داری انہی کے کندھوں پر تھی۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ امنیت (سکیورٹی) کی وجہ سے ہر کچھ عرصے بعد نہ صرف مکان بلکہ شہر تک بدلنے پڑتے جس سے یقیناً پورا گھرانہ متاثر ہوتا۔ مگر انہوں نے تمام تر مشکلات کے باوجود جہاد کا راستہ چھوڑنا گوارا نہ کیا، نہ ہی کبھی اپنے شوہر کو اس کے لیے مجبور کیا بلکہ اپنے تمام بچوں کے اندر جہاد کی محبت پیدا کرنے کی کوشش کی اور اپنی بیٹیوں کی شادیاں بھی مجاہدین ہی سے کیں۔

باجی، اپنے شوہر کی غیر موجودگی میں بھی، اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے علاوہ بھی تمام گھریلو ذمہ داریاں بڑے احسن طریقے سے انجام دیتی تھیں۔ دیگر کاموں کے علاوہ کپڑوں کی سلائی کی بھی بہت ماہر تھیں اور بچوں کے کافی بڑے ہونے تک بھی اپنے تمام بچوں کے کپڑے خود ہی سیتی تھیں۔ باجی کو اللہ رب العزت نے بہادری اور مضبوط اعصاب سے نوازا تھا۔ ان کا ایک بچہ جو اُس وقت لگ بھگ دس بارہ سال کا تھا، دل کی کسی تکلیف کا شکار تھا۔ بچے کے والد صاحب گھر پر موجود نہیں تھے، مگر بچے کی بیماری اور اس کی جملہ ضروریات سے مطلع تھے۔ انہوں نے اپنے کسی جاننے والے کے ذریعے بچے کے آپریشن کا بندوبست کروایا اور گھر والوں کو اطلاع دے دی۔ مقررہ دن بچے کو لینے کے لیے وہ صاحب آئے اور بچہ بغیر اپنی ماں اور باپ کے اتنا حساس آپریشن کروانے کے لیے گیا اور آپریشن کروا کر واپس آیا۔

باجی نے ایک مرتبہ مجھے بتایا کہ میرے عزیز و اقارب اس قدر اس بات پر حیران ہوتے تھے کہ آپ لوگ تو سال کے کسی بھی حصے میں ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں (بوجہ امنیت) منتقل ہو جاتے ہیں، جبکہ تمام بچے تعلیمی مراحل میں ہیں، اور کبھی آپ کے بچوں کو سکولوں اور مدارس میں داخلے کی مشکل پیش نہیں آئی، نہ ہی آپ کے بچوں کے تعلیمی درجات (گریڈز) کبھی کم ہوئے اور نہ ہی آپ کے بچوں کو نئے تعلیمی اداروں سے مانوس ہونا کبھی مشکل لگا......اس کی کیا وجہ ہے؟ باجی کہتی ہیں کہ یہ اللہ پاک کا خصوصی کرم مجھ پر اور میرے بچوں پر رہا ہے کہ ہمیں کبھی اس سلسلے میں مشکل پیش نہیں آئی۔ اور کبھی مشکل پیش آئی بھی تو باجی نے اس کو بڑی حکمت کے ساتھ حل کیا۔ مثلاً ایک مرتبہ باجی نے بتایا کہ ان کا ایک بیٹا اپنے مدرسے میں ایڈجسٹ نہیں ہو پا رہا تھا۔ بچے نے شکایت کی کہ میں اس مدرسے میں نہیں جاؤں گا اور آپ مجھے کسی دوسرے مدرسے میں داخل کروا دیں۔ باجی جانتی تھیں کہ مدرسے کا ماحول اور استاد وغیرہ سب صحیح بلکہ اچھے ہیں، فقط بچہ اس سے مانوس نہیں ہو پا رہا اور یوں سبق میں اس کی دلچسپی کم ہے۔ باجی کہتی ہیں کہ میں نے بچے سے دوٹوک کہا کہ بیٹا! مدرسہ تو آپ کا تبدیل نہیں ہوگا۔ جانا تو آپ کو اسی مدرسے میں ہے، البتہ میں سبق میں آپ کی مدد کروں گی تاکہ آپ اچھی طرح سبق یاد کر سکیں اور مدرسے میں آپ کو کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یوں باجی خود بھی تہجد کے وقت اٹھتیں اور بچے کو بھی سبق یاد کرنے کے لیے اس وقت اٹھاتیں۔ بچہ سبق یاد کرنے بیٹھ جاتا اور باجی جائے نماز پر اس کے لیے نوافل اور دعاؤں میں مشغول ہو جاتیں کہ اللہ پاک اس بچے کے لیے آسانی فرما دے۔ اور یوں اس بچے کے لیے اپنے تعلیمی مراحل طے کرنا آسان ہو گیا۔

باجی کہتی تھیں کہ اولاد کی تربیت میں جہاں والدین کی حکمت و محبت کا ہاتھ ہے وہاں اس کشتی کو پار لگانے میں دعاؤں کا بھی بڑا کردار ہے۔ جتنا انسان کا تعلق باللہ مضبوط ہوگا، جتنا اس کا اپنے رب کی ذات پر یقین ہوگا، اتنا ہی اس کا رب اسے اس کے گمان کے مطابق نوازے گا۔ ایک مرتبہ نصیحت کرتے ہوئے کہنے لگیں کہ نماز کے بعد جب دعا کے لیے انسان ہاتھ اٹھاتا ہے تو دیگر تمام دعاؤں کے علاوہ عموماً اپنی تمام اولاد کے لیے دعا کرتا ہے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ اپنے بچوں میں سے ہر بچے کے لیے ایک وقت مخصوص کیا جائے جس میں اس کے لیے خصوصی دعا کی جائے۔ مثلاً فلاں بچے کے لیے ظہر کی نماز کے بعد دعا کا وقت مخصوص کیا ہے، تو اس وقت باقی تمام دعاؤں کے علاوہ اس بچے کا نام لے کر خصوصی دعا کی جائے۔ اس بچے میں جو کمزوریاں ہوں، ان کا ذکر کر کے خاص دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ان کمزوریوں کو دور فرما دیں اور

اس میں فلاں فلاں جملہ خصوصیات پیدا فرمادیں۔ کہتی ہیں کہ اس طرح توجہ مرکوز کر کے دعا کرنا بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔

باجی کے تمام بچوں میں ایک خوبی بہت نمایاں نظر آتی ہے اور وہ یہ کہ وہ نہ صرف اپنے والدین کے حق میں بہت مؤدب ہیں بلکہ ان کے تمام کے تمام بچے ایک دوسرے سے جان چھڑکنے کی حد تک محبت کرتے ہیں اور تمام تر بے تکلفی کے باوجود ایک دوسرے کا بے انتہا ادب بھی کرتے ہیں۔ جب میں نے باجی سے اس کا راز جاننے کی کوشش کی تو انہوں نے بتایا کہ میں نے اور بچوں کے والد نے کبھی بھی کسی بچے کو یہ نہیں کہا کہ تمہارا فلاں بھائی یا بہن تو ایسا اور ایسا ہے مگر تم تو بہت اچھے اور ایسے ہو۔ یا تمہاری بہن یا بھائی تو تمہارے بارے میں یہ (برا) خیال رکھتا ہے جبکہ تم اس کی محبت میں بے حال ہوئے جارہے ہو۔ بلکہ ہمیشہ بچوں کے سامنے ان کے بہن بھائیوں کی ان سے محبت، ان کے لیے ایثار اور ہمدردی کا ذکر کیا تاکہ ان کے دل میں اپنے بہن بھائیوں کے لیے محبت بڑھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ بتانے لگیں کہ ایک بچہ اپنی کسی بہن یا بھائی سے ناراض ہو گیا اور والدین کے سامنے اس کی شکایت کی۔ والدین نے تسلی سے اس کی شکایت سنی اور پھر اس بچے سے کہا کہ کیا تمہاری اس بہن یا بھائی میں کوئی خوبی بھی ہے؟ اس کے اثبات میں جواب دینے پر والدین نے کہا کہ تم اس کی خوبیاں تو ذرا گنواؤ۔ اب جب خوبیاں گنوائیں تو وہ بہت سی تھیں، جبکہ ناراضگی اور شکوہ صرف ایک بات کا تھا۔ اس پر والد صاحب نے کہا کہ دیکھو! اس کی خوبیاں کتنی زیادہ ہے اور اس کی تم سے محبت بھی کتنی زیادہ ہے، مگر تم اس سب کو چھوڑ کر اس ایک پہلو پر ناراض ہو! بچہ سمجھ گیا اور اپنی بہن یا بھائی سے راضی ہو گیا۔

اسی طرح باجی کی حکمت اس ایک واقعے سے بھی واضح ہوتی ہے۔ کہتی ہیں کہ میں دیکھ رہی تھی کہ میرا ایک بچہ جسمانی طور پر بہت زیادہ کمزور ہو رہا ہے۔ جبکہ دوسرا ماشاءاللہ اچھی صحت کا حامل ہے۔ کہتی ہیں کہ میں چاہتی تھی کہ اس کمزور بچے کو اضافی غذا دوں، مگر بچوں میں انصاف بھی رکھنا چاہتی تھی اور اس طرح سے ایک پر دوسرے کو فوقیت نہیں دینا چاہتی تھی کہ جس سے ایک کے دل میں دوسرے کے لیے حسد یا بدگمانی پیدا ہو۔ لہٰذا میں نے ایک دن اس بچے کو پاس بلایا جس کی صحت اچھی تھی اور اس کی توجہ اس کے بھائی کی کمزور صحت کی طرف دلوائی اور اس سے پوچھا کہ اگر میں آپ کے اس بھائی کا علاج کرنا چاہوں تو کیا آپ کو قبول نہ ہو گا؟ بچے نے کہا کہ کیوں نہیں قبول ہو گا! اس پر باجی نے کہا کہ مسئلہ یہ ہے کہ جو چیزیں مثلاً دودھ، پھل، پنجیری وغیرہ جو آپ کو بھی بہت پسند ہیں، میں دوگنا مقدار میں آپ کے بھائی کو دینا چاہتی ہوں، مگر میری اتنی استطاعت نہیں کہ آپ کو بھی ہر چیز دوگنا مقدار میں دے سکوں، تو کیا آپ اجازت دیں گے کہ میں کچھ عرصہ آپ کے بھائی کو اضافی غذا دوں؟ بچہ خوشی خوشی راضی ہو گیا اور اس کے دل میں اپنے بھائی کے لیے بجائے حسد کے، اس سے محبت اور ہمدردی میں اضافہ بھی ہوا۔

اسی طرح ان کو جو تربیت کی حکمت اللہ تعالیٰ نے دے رکھی تھی اس کا ایک اور واقعہ یہ ہے کہ ان کے اوپر تلے کے دو بچوں میں سے ایک مہمانوں کی خدمت وغیرہ میں ہمیشہ سبقت لے جاتا اور اپنی خوش مزاجی اور ادب اور اخلاق کی وجہ سے جلد مجاہد بھائیوں میں مقبول ہو جاتا جبکہ دوسرا اپنی طبیعت کی فطری جھجک کی وجہ سے کچھ پیچھے رہ جاتا۔ ایسا نہ تھا کہ وہ خدمت کرنا نہیں چاہتا تھا، فقط اس کی طبیعت اسے جلد گھلنے ملنے نہ دیتی تھی۔ جب اسی طرح کسی مہمان کی آمد پر سبقت لے جانے والے نے بہ سرعت اٹھنے کی کوشش کی تو بڑے بھائی نے ٹوکا اور کہا کہ تم رک جاؤ، اپنے دوسرے بھائی کو بھی مجاہدین کی خدمت کا موقع دو۔ باجی بھی وہیں موجود تھیں۔ انہوں نے اپنے بڑے بیٹے کو ٹوکا اور کہا کہ جو آگے بڑھ رہا ہے اس کی رفتار کم کرنے اور اس کی حوصلہ شکنی کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو ٹھیک کر رہا ہے کہ سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا ہے، ضرورت اس دوسرے بھائی کو تحریض اور حوصلہ دینے کی ہے جو کچھ سست روی کا شکار ہے۔

ماشاءاللہ باجی کے تین بیٹے مکمل حافظ قرآن تھے اور باقی بچے بھی قرآن کے کافی حصے کے حافظ ہیں۔ نیز تمام بچے علم اور جہاد سے محبت سے بھی سرشار ہیں الحمدللہ۔ باجی کے سب سے بڑے بیٹے، سیف الرحمان، علوم وفنون کے حصول میں رغبت کے علاوہ اپنی جسمانی صحت کا بھی بہت خیال رکھتے تھے اور باقاعدگی کے ساتھ سخت جسمانی ورزش، تیراکی وغیرہ کا اہتمام کرتے اور اس سب میں نیت یہی ہوتی کہ یہ سب جہاد کے کام آئے اور جہاد کو اس سے فائدہ ہو۔

باجی نے نہایت چاہت اور محبت کے ساتھ سیف الرحمان کی شادی ایک مجاہد گھرانے کی صالح بچی کے ساتھ کی۔ رمضان المبارک سے کچھ دن پہلے شادی ہوئی۔ سب لوگ بہت ہی زیادہ خوش تھے۔ ان دنوں ڈرون کی گردش معمول سے کچھ زیادہ ہی تھی لہٰذا تمام بھائی اور تمام خاندان مستقل انتشار (دربدری، پے درپے منتقلی) کی حالت میں تھیں۔ یوں عید سے چند روز قبل سیف الرحمان بھائی کو بھی اپنی والدہ اور نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر دور جانا پڑا۔ والدہ آبدیدہ تھیں کہ شادی کے بعد بیٹے کی پہلی عید ہے اور اس پر بھی سب ساتھ نہیں ہوں گے۔ مگر اللہ کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ سیف الرحمان بھائی جہاں گئے وہاں عید کے دوسرے یا تیسرے روز ساتھیوں کے ساتھ دریا پر نہانے کے لیے گئے۔ ساتھیوں نے بعد میں بتایا کہ دریا میں چھلانگ لگانے سے پہلے انہوں نے بہ آوازِ بلند کہا کہ یہ تیراکی صرف اللہ کی رضا اور جہاد کی خدمت کے لیے سیکھی ہے۔ وہ کافی ماہر تیراک تھے۔ کافی دیر تک تیرنے کے بعد وہ پانی کے ایسے تیز بہاؤ میں پھنس گئے کہ پانی انھیں اپنے ساتھ بہانے لگا، انہوں نے مقابلہ کرنے کی بہت کوشش کی مگر پھر وہ ساتھیوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ بالآخر تین چار روز گزرنے کے بعد ان کی میّت بالکل صحیح سلامت حالت میں کئی کلومیٹر دور سے ملی۔ ان کی والدہ اور تمام گھر والوں کے لیے یہ صدمہ بہت ہی شدید اور ناگہانی تھا۔ صرف اللہ رب العزت کی ذات ہی ان سب کو سنبھالنے والی اور سہارا دینے والی تھی۔ بیٹے کی شہادت کے بعد باجی کا خط موصول ہوا تو

انہوں نے لکھا کہ جب سیف الرحمان کی شادی کی مبارک باد پر مبنی آپ کا خط پہنچا تو سیف الرحمان کو شہید ہوئے بھی ایک ماہ ہو چکا تھا۔ اور لکھا کہ شہادت سے چند روز قبل کہنے لگا کہ امی! میں نے اپنے رب کو پالیا ہے۔

ع عیش دنیا کو تج کر کچھ ایسے بڑھے، پھر نہ سوچا کبھی واپسی کے لیے

یقیناً باجی کے لیے یہ صدمہ بہت بڑا تھا۔ مگر اللہ رب العزت کی ذات کسی کو اس کی استطاعت سے بڑھ کر نہیں آزماتی۔ ابھی اس شہادت کو تقریباً چار ماہ ہی ہوئے تھے کہ باجی وغیرہ کے گھر پر امریکی و افغانی فوج نے چھاپہ مارا۔ باجی کے باقی تینوں حافظِ قرآن بیٹے بے جگری سے لڑے اور یکے بعد دیگرے ان سب نے اپنی جان اپنے رب کے سپرد کر دی۔ جبکہ ان میں سے درمیان والے بیٹے نے، جو ہمیشہ سے اللہ کے دشمنوں پر فدائی حملے کا خواہاں تھا، نے فدائی حملہ کیا اور یوں اپنی شہادت کے ذریعے دشمن کو بھی خاطر خواہ نقصان پہنچایا۔ بیٹوں کی شہادت کے بعد باجی بھی باہر نکلیں اور باہر نکلتے ہی ان کے سینے میں گولی لگی اور یوں انہوں نے بھی اپنی جان اپنے رب کے سپرد کر دی۔

ایک خنساءؓ تھی لیکن یہ کہنے لگی، آندھیوں میں جلا کے چراغِ جگر
ہم نے پالا تھا بیٹوں کو سالوں تلک، کل کی خاطر نہیں! آج ہی کے لیے

ہم نے ہمیشہ اسلاف کی خواتین کے قصے ہی پڑھے تھے مگر وہ کردار اپنے سامنے دیکھنے کی تڑپ تھی، آنکھیں ترستی تھیں ان زندہ کرداروں کو دیکھنے کے لیے۔ آج ہمارے بیچ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی وہ بیٹیاں موجود ہیں جو اپنا آپ، اپنے شوہر، اپنے بیٹے، اپنی بیٹیاں اور اپنا سب کچھ اپنے رب کی راہ میں قربان کر رہی ہیں اور ان کا حوصلہ دیکھ دیکھ کر مزید خالد و ضرار، مزید خولہ و ام عمارہ میدان میں اتر رہے ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمارے تمام شہدا کی شہادتیں قبول فرمائیں، ان کے خون کے ایک ایک قطرے کو بابرکت بنا دیں، اور ہمیں اپنے رب کا، اپنے دین کا، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا، اور اپنے شہدا کا حق ادا کرنے والا بنا دیں، آمین۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں آخری سانس تک اپنے اور ہمارے دشمنوں کے سامنے ڈٹے رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور حق راستے پر مقبول شہادت سے نوازے، آمین۔ وصلی اللہ علی النبی۔

بقایا: شیخ جلال الدین حقانی

یا اللہ شیخ جلال الدین حقانی، امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد اور شہید ملا اختر محمد منصور رحمہا اللہ اور امارت اسلامیہ کے سب شہداء مجاہدین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات عطا فرما۔ اُن کے جہادی و دینی خدمات اور غیرت و بہادری کے تمام کارناموں اور کوششوں کو قبول فرما اور اِن کے قربانیوں کی برکت سے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو نیست و نابود فرما اور مومنین کی آنکھوں کو اسلامی نظام کے قیام سے ٹھنڈک عطا فرما، آمین۔

بقیہ: سلطانئ جمہور (ناول)

'ہاں یعنی اس کے لیے بھی قانون بنایا جا سکتا ہے کہ کون سے چینلز دیکھے جائیں۔ میرے خیال میں خبروں کے تمام چینل اور نیشنل جیوگرافک اور ہسٹری وغیرہ، یہ چینل تو ایسے ہیں جن پر کسی کو اعتراض نہیں ہوگا'، زوار بولا۔

'دیکھو، میں پھر یہی کہوں گا کہ تم لوگ جتنا مرضی کہہ لو کہ قانون بنائیں گے، مگر ٹی وی کو گھر میں لا کر اس کے مفاسد سے بچنا آسان نہیں ہے۔ آسان کیا، بلکہ ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی مصیبت ہے جسے ایک بار ہم گھر لے آئے تو اس سے چھٹکارا مشکل ہو جائے گا۔ سو بہتر یہی ہے کہ اس سے دور ہی رہا جائے۔ معلومات میں اضافے اور حالات سے واقفیت کے لیے اخبار کافی ہیں'، دل تو ابو بکر صاحب کا چاہ رہا تھا کہ نبیلہ اور زوار کو ڈانٹ کر چپ کروادیں اور ٹی وی کا خناس ان کے دماغ سے نکال دیں، یہ تیسرا اجلاس تھا جس میں وہ سب اس فضول بحث میں پڑے ہوئے تھے کہ ٹی وی کو گھر میں لایا جائے یا نہیں، ایسے جیسے یہی دنیا کا اہم ترین ایشو تھا جس کی وجہ سے سب کے کام رکے ہوئے تھے۔ مگر ڈانٹ ڈپٹ کے بجائے اگر بچے آرام سے بات چیت اور مفاہمت کے ذریعے ہی سمجھ جائیں تو اچھا ہے۔ اس لیے وہ ایک بار پھر اپنا غصّہ دبا کر تحمل سے بولے تھے۔

'میرے خیال میں ہم سب بیکار کی بحث میں الجھے ہوئے ہیں۔ اگر ہم کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ پا رہے تو پورے گھر کی رائے حاصل کر لیتے ہیں۔ ریفرنڈم کروا لیتے ہیں، پھر جو سب کی رائے بنی اسی کے موافق عمل کر لیں گے۔ یوں کسی کو بھی اپنا فیصلہ باقی سب پر تھوپنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ آخر ہم ایک جمہوریت ہیں'، عمیر نے سہولت سے کہا مگر اس کا انداز فیصلہ کن تھا۔ اجلاس برخواست ہو گیا۔

(جاری ہے ان شاء اللہ)

سلطانیٔ جمہور

علی بن منصور

کمرے میں گھپ اندھیرا کیے وہ بیڈ کے ہیڈ بورڈ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ کچھ دیر پہلے وہ تھکاوٹ کا عذر پیش کر کے اپنے کمرے میں آئے تھے اور بیڈ پر ڈھے گئے تھے۔ پھر نہ کنپٹیوں سے اٹھتی درد کی لہریں انہیں اٹھنے پر مجبور کر پائی تھیں اور نہ کمرے میں چھایا اندھیرا۔ وہ فطرتاً رجائیت پسند طبیعت کے حامل تھے۔ اپنی ذمہ داری حتی المقدور ایمانداری سے ادا کرتے اور باقی اللہ پر چھوڑ دیتے، دل میں یہ امید ہمیشہ توانا رہتی کہ میری محنت اور کوشش رنگ لائے گی اور سب اچھا ہو جائے گا۔ کڑے سے کڑے حالات میں بھی ڈھونڈ ڈھانڈ کر مثبت پہلو تلاش کر ہی لیتے اور مسکرا کر حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے۔ یہ پہلی دفعہ تھا کہ انہیں اپنے اندر اور باہر ہر طرف اندھیرا محسوس ہو رہا تھا۔ شاید دھچکا ہی بہت شدید لگا تھا۔

بھلانا تو اپنے اختیار میں تھا ہی نہیں لیکن اس وقت وہ شدید خواہش کے باوجود اپنی سوچوں کا رخ بھی بدل نہ پا رہے تھے۔ رہ رہ کر دماغ میں وہی مناظر ابھرتے اور نئے سرے سے انہیں تکلیف میں مبتلا کر دیتے۔ نتائج کے اعلان کے بعد وہ لمحہ بھر کی خاموشی جس میں شاید سب اس اعلان کا مفہوم اپنے اندر جذب کر رہے تھے اور پھر یکایک پھٹ پڑنے والی وہ حیرت اور خوشی کی ملی جلی آوازیں۔ 'چاچو جیت گئے!'، 'ہم جیت گئے!!'۔ زوار اور عمیر دونوں اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مارے خوشی کے بغل گیر ہو گئے تھے۔ زین، اویس اور صہیب تینوں اٹھ کر چاچو کے گرد جمع ہو گئے تھے اور جیتنے کی خوشی میں مبارکباد دے رہے تھے۔ حسن اور حسین دونوں اپنی جگہوں پر بیٹھے بیٹھے ہی تالیاں اور سیٹیاں بجا رہے تھے اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر اور لہک لہک کر 'چوں چوں چی چوں چاچا، جیت گیا چاچا' کے نعرے لگا رہے تھے۔ ان کے اس شور ہنگامے پر سبھی کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی، خواتین کی جانب سے بھی ہنسنے اور حیرت کے اظہار کی ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں۔ اور ایک وہ تھے جو اپنی جگہ پر بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے تھے، کچھ بھی کہہ نہیں پا رہے تھے۔ عمیر نے اپنے گرد جمع بھتیجوں کی مبارک سلامت کا جواب دیتے ہوئے مڑ کر ان کی طرف دیکھا تھا۔ اور اس کی اس ایک نظر میں کیا کچھ نہیں تھا۔ فتح کی خوشی سے چمکتا چہرہ، مسکراتے لب اور آنکھیں، گویا کہہ رہی ہوں کہ دیکھ لیا آپ نے؟ کون ہے اس گھر کے مکینوں کا اصل لیڈر؟ ان کا پسندیدہ و چنیدہ نمائندہ؟ کیا میں نہ کہتا تھا کہ ایسا ہی ہو گا؟

انہوں نے عجلت میں اپنے چہرے پر لکھی حیرت اور صدمے کی تحریر مٹائی تھی اور اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوئے تھے۔ انہیں اٹھتا دیکھ کر بیٹھک میں خاموشی چھا گئی تھی۔ مبارک سلامت کا شور تھم گیا تھا۔ عمیر اور زوار کے مسکراتے چہرے بھی جیسے جم گئے تھے، سب ہی ان کی جانب متوجہ تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ بس وہ چند لمحات ہی تھے ان کے ہاتھ میں، الیکشن کے نتائج سے کئی گنا زیادہ، اس وقت ان کا رڈ عمل کیا ہوتا ہے، وہ جانتے تھے کہ اس گھر کے آئندہ حالات اسی چیز پر منحصر ہیں۔ اور اس ایک لمحے انہوں نے فیصلہ کیا تھا، کہ چاہے اس کی زد ان کے اپنے اوپر ہی کیوں نہ پڑے، لیکن وہ آئینی و جمہوری راہ اختیار کریں گے۔ وہ جمہور کے فیصلے کا احترام کریں گے۔

'گو کہ نتائج ہم میں سے اکثر کے لیے حیرانی کا باعث ہیں، لیکن اگر یہی آپ سب کا فیصلہ ہے تو میں اس کا خیر مقدم کرتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ ہمارا یہ فیصلہ غلط ثابت نہیں ہو گا، بلکہ عمیر ایک بہترین سربراہ ثابت ہو گا اور اس گھر اور خاندان کو بطریقِ احسن سنبھالے گا، ان شاء اللہ'، انہوں نے مسکراتے ہوئے بدِقت تمام یہ جملہ ادا کیا تھا۔ جس کے بعد نوجوان پارٹی کی جانب سے نئے سرے سے ہاؤ ہُو اور تالیوں کا شور بلند ہو گیا تھا۔

اور گو کہ انہوں نے حتی المقدور اپنے جذبات و احساسات کو چھپانے کی کوشش کی تھی، اس کے بعد کا سارا وقت ایک ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے رکھی، بھائیوں کی حیران نظروں کا بھی جو انمردی سے سامنا کیا تھا، لیکن پورے گھر کے سامنے جس سبکی کا انہیں سامنا کرنا پڑا تھا اور شرمندگی و خجالت کے جس طوفان میں وہ گھرے ہوئے تھے، یہ ان کا دل ہی جانتا تھا۔ ان کا سب کچھ ان کا گھر ہی تو تھا۔ یہ چند افراد ہی تو تھے جن کا وہ بڑے بھائی کی طرح نہیں بلکہ باپ کی طرح خیال رکھتے تھے۔ یہ جاننا کہ یہ افراد انہیں اس قابل نہیں سمجھتے کہ وہ اس گھر کی نمائندگی و سرپرستی کریں، بلکہ ان پر عمیر کو ترجیح دیتے ہیں، ایسی نا قابلِ بیان تکلیف کا باعث تھا جو رہ رہ کر ان کے دل کو کچوکے لگا رہی تھی۔ اور پھر ایسا بھی تو نہیں تھا کہ انہیں یہ احساس تنہائی میں ایک یا دو افراد کی جانب سے دلایا گیا ہو، بلکہ پورے گھر، بھائیوں بھاوجوں اور بچوں کے سامنے، سب کا متفقہ فیصلہ تھا کہ انہیں سربراہِ خانہ کا عہدہ کسی اور کے سپرد کر دینا چاہیے۔ یہ جمہور کا فیصلہ تھا، یہ جمہور کی خواہش تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی عمیر کی گزشتہ باتیں ان کے ذہن میں گونجتیں اور ان کے لیے چہرے کی مسکراہٹ بحال رکھنا دشوار ہو جاتا۔ 'گھر کے تمام افراد کی پسند اور مرضی کا سربراہ ہونا چاہیے'، 'کیا اس گھر میں ہمارا کوئی حق نہیں؟ ہماری پسند کا نظام، ہماری پسند کی حکومت ہونی چاہیے'، 'ہمیں حق ہونا چاہیے کہ اپنا لیڈر خود منتخب کریں'، 'کیوں چلے اس گھر میں ایک فرد کی ڈکٹیٹر شپ؟ اور بھائی جان کو کیوں ایسے اس گھر کی سربراہی عطا کی گئی ہے جیسے ان کا پیدائشی حق ہے؟ صرف اس بنا پر ناں کہ وہ ہم سب میں بڑے ہیں، ہم سب سے پہلے پیدا ہوئے، مگر کون کب پیدا ہوتا ہے یہ تو ہمارے کنٹرول میں نہیں ہے'۔

اور پھر جب بات ان کے بس سے باہر ہو گئی اور وہ اتنی دیر بیٹھ لیے کہ کوئی یہ نہ کہہ پائے کہ وہ نتائج سے دلبر داشتہ ہو گئے ہیں، تو انہوں نے آہستگی سے اپنی تھکاوٹ کا اظہار کیا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئے۔ ان کے اٹھتے ہی اباجی نے بھی فوراً اپنے کمرے کا ارادہ کیا کہ ان کے سونے کے وقت میں تو بہت تاخیر ہو چکی تھی۔

کمرے کا دروازہ ہلکی سی آہٹ کے ساتھ کھلا اور صولت بیگم اندر داخل ہوئیں۔ چند لمحے وہ دروازے کے ساتھ ہی کھڑی آنکھیں جھپکتی رہیں کہ کمرے میں چھائے گھپ اندھیرے میں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر اندازے سے چند قدم اٹھا کر میز پر رکھے لیمپ کا بٹن ٹٹول کر تلاش کیا، اگلے لمحے کمرے میں دھیمی نارنجی روشنی پھیل گئی۔ ابو بکر صاحب نے ناگواری سے آنکھوں پر بازو رکھ لیا مگر خاموش رہے۔

'آپ جاگ رہے ہیں؟ میں سمجھی تھی کہ آپ سو چکے ہوں گے۔ روشنی بری لگ رہی ہے تو بند کر دوں؟'، صولت بیگم نے پوچھا۔

'نہیں، جلنے دیں۔ آپ اپنے کام کر لیں'، ابو بکر صاحب نے ہنوز اپنی پوزیشن بر قرار رکھتے ہوئے جواب دیا۔ صولت بیگم خاموشی سے مڑ گئیں۔ میز کی دراز میں احتیاط سے سنبھالی ہوئی اپنی قریب کی نظر کی عینک نکالی اور قرآن مجید کا ایک نسخہ لے کر بیٹھ گئیں۔ سورۂ ملک کی تلاوت کے بعد انہوں نے اپنے معمول کے رات کے اذکار کیے اور پھر اسی احتیاط سے عینک اتار کر میز کی دراز میں سنبھال دی۔

'شکر ہے یہ الیکشن کا شوق تو پورا ہوا بچوں کا، میں تو ان کی مہم اور اس کے چونچلوں سے تنگ آ گئی تھی'، انہوں نے سنگھار میز سے کنگھی اٹھاتے ہوئے کہا۔ رات سونے سے پہلے وہ اپنے بالوں میں ایک بار کنگھی ضرور پھیرتی تھیں، یہ ان کے معمولات میں شامل تھا۔ ابو بکر صاحب نے ہلکی سی 'ہوں' کے علاوہ ان کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ 'اب اگلے مہینے ان سب لڑکوں کے جیب خرچ سے کٹوتی کروں گی، انہوں نے ایک ہفتے میں اتنی شاہ خرچیاں کی ہیں کہ اگلے دو مہینے تو ان کا جیب خرچ بند ہونا چاہیے، مگر اس پر یہ راضی نہیں ہوں گے'۔

'اب آپ کو بچوں کے جیب خرچ اور بجٹ وغیرہ کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے بیگم'، وہ آہستگی سے بولے۔

'کیوں؟'، صولت بیگم نے اچنبھے سے پوچھا۔

''کیونکہ اس گھر کا سربراہ اب عمیر ہے، اب ان معاملات کا فیصلہ وہ ہی کرے گا'، انہوں نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر صولت بیگم کی طرف دیکھا۔

'کن معاملات کا فیصلہ وہ کرے گا؟'، وہ اب بھی نا سمجھی کی کیفیت میں تھیں۔

'یہی آمدن اور خرچ کا حساب کتاب، لوگوں سے معاملات، گھر کے معمولات اور دیگر چھوٹے بڑے معاملات وغیرہ'، انہوں نے ان کو مختصراً سمجھانا چاہا۔

'لیجیے، ان چیزوں میں اب وہ کیا فیصلے کرے گا۔ سالہاسال سے ان معاملات کے فیصلے ہو چکے ہیں، وہ کیا مختلف کرے گا؟ اتنے اچھے طریقے سے تو چل رہا ہے سب کچھ'، وہ حیرت سے بولیں۔

'یہ تو آپ کی رائے ہے۔ گھر کے دیگر افراد اس رائے سے متفق نہیں ہیں'، ابو بکر صاحب نے بھاری لہجے میں جواب دیا۔

'یہ آپ سے کس نے کہا؟'، صولت بیگم نے حیرانی سے پوچھا۔

'آپ نے آج الیکشن کے نتائج نہیں سنے کیا؟ یہ الیکشن کیا تھا؟ حق رائے دہی کا اظہار تھا ناں! تو گھر کے افراد کی اکثریت کی رائے یہ ہے کہ عمیر کو سربراہِ خانہ ہونا چاہیے، نا کہ مجھے'، کوشش کے باوجود وہ اپنے لہجے کو دکھ، تکلیف اور مایوسی کی آمیزش سے بچا نہ پائے تھے۔

'نہیں ابو بکر صاحب، یہ تو بچوں کی باتیں ہیں۔ ان کے ووٹ کا کیا ہے، وہ تو کھیل تماشا سمجھ کر لگے ہوئے ہیں۔ اور پھر اکثریت کی رائے عمیر کے حق میں کیسے ہو گئی؟ اسے تو صرف دس ووٹ ہی ملے ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ گھر کے باشعور افراد میں سے کسی نے بھی عمیر کے حق میں ووٹ ڈالا ہو گا، باقی چودہ ووٹ تو آپ لوگوں کو ملے ہیں'، صولت بیگم نے حیرت بھرا اعتراض کیا۔

'ایسے نہیں ہوتا بیگم! یہ جمہوریت ہے۔ مجھے نو ووٹ ملے ہیں اور عثمان کو پانچ۔ وہ تو بیچارا پانچ ووٹوں کے ساتھ کسی قطار شمار میں ہی نہیں ہے، لیکن عدد کے لحاظ سے سب سے زیادہ ووٹ عمیر نے حاصل کیے ہیں۔ سو اسی کو حق حاصل ہے سربراہی کا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ صرف ایک ووٹ کے فرق سے وہ جیت گیا'، ابو بکر صاحب نے تاسف سے کہا۔

'مگر آپ یہ بھی تو دیکھیں ناں کہ اسے ووٹ دیے کس نے ہیں؟ نا سمجھ بچے......'، صولت بیگم نے کہنا چاہا مگر ابو بکر صاحب ان کی بات کاٹ کر بولے، 'اس سے فرق نہیں پڑتا بیگم کہ ووٹ کس نے دیا ہے۔ یہ جمہوریت ہے، اس میں سب کی رائے کی حیثیت برابر ہوتی ہے'، وہ بے چینی سے اٹھ کر بیٹھ گئے تھے، صولت بیگم سے بات چیت کر کے ان کے اندر کے غبار کو نکلنے کا موقع مل گیا تھا، 'بات دراصل یہ ہے کہ اس نے محنت کی پورا ہفتہ، اپنے حق میں کمپین چلائی، رائے ہموار کی، یہ تو بس اس کی محنت کا پھل ہے جو اسے ملا ہے۔ میں خاموشی سے بیٹھا رہا یہ سوچ کر کہ سب لوگ میری سابقہ کارکردگی دیکھتے ہوئے مجھے ووٹ دیں گے یا عثمان کو۔ گھر کی سربراہی کرتے ہوئے کتنے سال ہو گئے، پھر عمر میں بھی ہم دونوں ہی بڑے ہیں، اور چاہتا تو میں یہ تھا کہ عثمان کو سب سے زیادہ ووٹ ملیں۔ مگر یہ بھول گیا کہ کچھ بھی پانے کے لیے محنت کرنا لازمی امر ہے'۔

'مگر خیر! اس سارے معاملے سے اگر مجھے سبق حاصل کرنا چاہیے تو آنے والے دن عمیر کے لیے بھی بہت سے اسباق لے کر آئیں گے۔ آپ دیکھیے گا بیگم، ایک چھوٹے سے گھر کی سربراہی کرنا بھی کوئی گڈّے گڈّی کا کھیل نہیں ہے۔ چند دنوں میں ہی عقل ٹھکانے آ جائے

گی۔ پورے گھر کو سنبھالنا، اندرونی بیرونی تمام معاملات دیکھنا، سب کو خوش رکھنا، یہ کوئی آسان کام ہے۔ بلکہ شاید ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہوا کہ اس پر ذمّہ داری کا بوجھ پڑا ہے، بہت شوق تھا اسے گھر کا سربراہ بننے کا، اب دیکھتے ہیں کیسے سنبھالتا ہے یہ ذمّہ داری۔ اڑھائی دن تو سقّے نے بھی بادشاہت کی تھی......'۔

صولت بیگم نے محسوس کیا کہ ابو بکر صاحب ان سے مخاطب ہیں مگر در حقیقت وہ اپنے آپ سے ہی باتیں کر رہے ہیں۔ وہ کہنا چاہتی تھیں کہ اہل اور قابل لوگوں کو اپنے آپ کو منوانا نہیں پڑتا بلکہ دنیا خود ہی ان کو تلاش کر لیتی ہے۔ صلاحیت کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا جاتا، صلاحیت خود ہی اپنا پتہ دیتی ہے۔ گیدڑ لاکھ کہے میں شیر کا بچّہ ہوں، سارے طوطوں میناؤں کو اپنا ہمنوا بنا لے، مگر اس سے وہ جنگل کا بادشاہ نہیں بن جاتا۔ پورا جنگل بھی اس کے حق میں گواہی دے دے کہ اس کا باپ شیر ببر ہی تھا، پھر بھی جب تک سینے میں شیر کا دل نہیں ہو گا، وہ گیدڑ ہی رہے گا اور گیدڑ ہی کہلائے گا۔

اگلے چند دن ہاشمی ہاؤس میں غیر معمولی طور پر رونق افروز تھے۔ دو دن بعد نیا سال شروع ہو رہا تھا۔ عمیر نے اگلے سال کی پہلی رات کو ہی اپنی فتح کی خوشی میں دعوت کی تھی اور اسی دعوت میں اپنا آئندہ روڈ میپ گھر والوں کے سامنے پیش کرنے کا اعلان کیا تھا۔ الیکشن کے حیران کن نتائج سننے کے بعد پورا گھر ہی ایک عجیب حیرت اور بے یقینی کا شکار تھا۔ اس پر ابو بکر صاحب کا خیر مقدمی جملہ مزید سب کو مخمصہ میں مبتلا کر رہا تھا۔ دو دن تو سب کو سنبھلنے میں ہی لگ گئے۔ کیا واقعی اس گھر کی سربراہی اب عمیر کرے گا؟ وہ عمیر...... جاوید صاحب نے ہنس کر تبصرہ کیا تھا...... جس کو آتا دیکھ کر لوگ جیبوں پر ہاتھ رکھ لیتے تھے اور ابّاجی جیسے خوش قسمت، اپنا آلۂ سماعت کان سے نکال دیتے تھے۔ پورا گھر ہی اپنے مستقبل کے حوالے سے حیرت اور بے یقینی میں گھرا ہوا تھا۔ سب کی زبان پر یہی بات تھی کہ اگر ابو بکر صاحب نے واقعی گھر کی سربراہی عمیر کو سونپ دی ہے، جیسا کہ انہوں نے کہا ہے، تو اب آئندہ چند دنوں میں کیا ہو گا؟

کیا انقلاب آ چکا ہے؟ اور اگر آ چکا ہے تو کیا یہ خیر کا انقلاب ہے یا شر کا؟ جو کچھ ہوا آیا وہ ٹھیک ہے یا غلط؟ نوجوان پارٹی، جس میں چاچو ویسے ہی بہت مقبول تھے، تو اسی بات پر خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے کہ ان کا لیڈر جیت گیا اور اب ان سے کیے گئے مختلف وعدوں کی تکمیل کا وقت آ پہنچا ہے۔ وہ اسی خوشی میں بغلیں بجاتے پھر رہے تھے۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جو سمجھتے تھے کہ شاید جو ہوا ٹھیک ہی ہوا، اور امید کی جا سکتی ہے کہ یہ تجربہ نہ صرف پورے گھر کے لیے، بلکہ بطورِ خاص عمیر اور زوار کے لیے نہایت سود مند ثابت ہو گا۔ ذمّہ داری کاندھوں پر پڑے گی تو نبھانا بھی آئے گی۔ بہر حال اور کچھ نہ بھی ہو تو بھی اصول، ایمانداری اور ایفائے عہد کا تقاضا ہے کہ جب عمیر الیکشن جیت گیا تو اسے گھر کی سربراہی کا موقع دیا جائے۔ تیسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جو یہ کہتے تھے کہ بہت دعوتیں اڑالی گئیں، بہت چونچلے اٹھا لیے گئے، اب یہ تماشا ختم کیا جائے اور زندگی کو معمول پر آنے دیا جائے۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ گھر کو تجربوں کی نذر کر دیا جائے۔ اور اس میں بھی اتنی بڑی ذمّہ داری اس شخص کو سونپ دی جائے جو سب کی نظروں میں سب سے نادان ہے۔ خود ہی اپنی کشتی میں سوراخ کرنے والی بات ہے، کل کو تجربہ ناکام ہو گیا تو کسی کو الزام دینے کے بھی قابل نہ رہیں گے۔

اس تیسرے گروہ کی سربراہی عثمان صاحب کر رہے تھے۔ وہ بڑے بھائی کے مزاج شناس تھے اور گزشتہ رات ابو بکر صاحب کا مدھم مگر مستحکم لہجہ سن چکے تھے۔ سو اگلی صبح وہ ناشتہ سے فارغ ہوتے ہی ابّاجی کے کمرے میں پہنچ گئے۔ حسبِ توقع ابو بکر صاحب کمرے میں موجود واحد کرسی پر براجمان تھے اور اخبار میں غرق تھے۔ ابّاجی اپنے بستر پر بیٹھے تھے، ایک ہاتھ میں چائے کا کپ تھا اور دوسرے میں اخبار کا ایڈیٹوریل صفحہ۔ سب کچھ اس قدر معمول کے مطابق تھا کہ ایک لمحہ کو تو عثمان صاحب کو شک ہوا کہ کہیں گزشتہ رات انہوں نے خواب میں تو نہیں دیکھی تھی۔ مگر پھر ان کی نظر میز پر رکھے شیشے کے ڈبّے پر پڑی، جس میں شمار کے بعد دوبارہ تمام پرچیاں رکھ دی گئی تھیں، میز کے ایک کونے میں پڑا شیشے کا وہ ڈبّہ تصدیق کر رہا تھا کہ واقعی شبِ گزشتہ اس گھر میں جمہوریت کا نفاذ ہو گیا تھا۔ انہوں نے ذہن میں تمام دلائل صف آرا کیے تھے اور ابو بکر صاحب کے ساتھ بحث کے میدان میں اتر گئے تھے۔ ان کا شک صحیح ثابت ہو رہا تھا۔ سدا کے اصول پسند ابو بکر صاحب گھر کی سربراہی عمیر کو منتقل کرنے کے بارے میں سو فیصد سنجیدہ تھے۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ خلافِ توقع ابّاجی بھی ان کے حلیف بنے ہوئے تھے۔ عثمان صاحب کو پہلے تو ابّاجی کو قائل کرنا پڑا کہ یہ ایک خطرناک اور بے فائدہ تجربہ ہے جس میں وہ پورے گھر کو جھونک رہے ہیں۔ مگر دو دن میں متعدد بار ابو بکر صاحب سے بحث کرنے کے باوجود وہ انہیں قائل نہیں کر پائے تھے کہ وہ اپنا فیصلہ واپس لے لیں اور گھر کو معمول کے مطابق چلاتے رہیں۔ ابو بکر صاحب اپنے موقف پر جمے ہوئے تھے کہ وہ کسی صورت گھر بھر کے چنیدہ نمائندہ کو برطرف نہیں کریں گے کہ یہ جمہوریت کی روح کے خلاف ہے۔

دوسری طرف ہاشمی ہاؤس کا چنیدہ و پسندیدہ اور فی الحال انتہائی خوشحال نمائندہ، عمیر ہاشمی بھی فارغ نہیں بیٹھا تھا۔ ابتدا میں تو شاید وہی سب سے زیادہ بے یقینی کا شکار تھا، کیونکہ اس کی پلاننگ بس اسی حد تک تھی کہ بڑے بھائی کو نیچا دکھایا جائے۔ پورے گھر کے سامنے یہ ثابت کیا جائے کہ ابو بکر صاحب کی نسبت گھر میں وہ زیادہ مقبول ہے۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا کہ ابو بکر صاحب واقعی گھر کی سربراہی اسے سونپ دیں گے۔ بلکہ ان کے کہنے کے بعد بھی ان کی بات کا پورا مفہوم وہ سمجھ نہیں پایا تھا کہ 'امید ہے کہ وہ گھر کی بطریقِ احسن سربراہی کرے گا'۔ اس سے کس چیز کی امید اور توقع کی جا رہی ہے، اس کا احساس و ادراک تو اسے تب ہوا جب الیکشن کی رات، آخر کار ایک ایک کر کے سب اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لیے چلے گئے، تو

اپنے کمرے کی جانب جانے سے پہلے زوار نے رک کر اسے کہا کہ 'چاچو! ابّو نے تو آپ کو گھر کا سربراہ ڈکلیئر کر دیا ہے، اب آگے کی کیا پلاننگ ہے؟ جتنا اچھا ابّو گھر چلاتے ہیں، اس سے بھی اچھا آپ کیا کریں گے؟'۔ اور تب اچانک عمیر کو احساس ہوا کہ پچھلے تمام عرصہ کی اس کی تند و تیز تنقید اور بات بے بات اعتراضات کی بنا پر سب اس سے کسی ایسے نظام کی تشکیل کی توقع کریں گے جو پہلے سے زیادہ اچھا، مکمل اور نقائص سے پاک ہو۔ ابو بکر صاحب کے رائج کردہ نظام سے زیادہ اچھا۔ لمحہ بھر کو عمیر کو پریشانی نے آگھیرا، ساتھ ہی زوار پر غصّہ بھی آیا۔ آخر نکلا ناں ابّا کا چمچہ، 'ابّو سے بھی اچھا آپ کیا کریں گے؟'، جیسے اس کے باپ سے اچھا مینیجر تو دنیا میں کوئی پیدا ہی نہ ہوا تھا۔ پھر اس نے 'کل دیکھیں گے یار' کہہ کر اپنی پریشانی رفع کی، کہ ابھی تو آج کی رات تھی، جیت کی رات، فتح کی رات، ابھی وہ اپنی خوشی منانا چاہتا تھا، کل کی کل دیکھی جائے گی۔

مگر پھر اگلے دن وہ صبح ہی سے زوار کے ساتھ مستقبل کی منصوبہ بندی میں جُت گیا تھا۔ گو کہ ابھی گھر میں بے یقینی کی فضا قائم تھی، جس سے سب سے زیادہ تو وہ اور زوار ہی متاثر ہو رہے تھے، لیکن پھر بھی اس بے یقینی کے یقین میں ڈھلنے کا انتظار کرتے تو اس کے بعد منصوبہ بندی کا وقت اور موقع ملنا مشکل تھا۔ زوار ہاتھ میں نوٹ بک اور قلم لیے بیٹھا تھا۔ عمیر اس کو پوائنٹس لکھوا رہا تھا۔ گھر کے تمام معاملات کو اس نے 'اداریات'، 'مالیات'، 'امورِ خارجہ' اور 'امورِ داخلہ' کے زمروں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ہر ہر پوائنٹ پر وہ دونوں تفصیلی بحث کرتے، اس کے اوپر اچھی طرح غور و خوض کرتے اور پھر باہمی مشورہ سے طے کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی حکومت کی امدادی ٹیم کے ارکان کا چناؤ بھی کر لیا تھا۔ ان ارکان سے بھی تفصیلی ملاقاتیں اور صلاح مشورہ جاری تھا، گو کہ سب کو سختی سے ہدایت تھی کہ سربراہِ خانہ کے آفیشل خطاب سے پہلے تمام تر کارروائیاں صیغۂ راز میں رکھی جائیں۔ گو کہ کام مشکل اور محنت طلب تھا، مگر عمیر کو احساس ہوا کہ اس کے اندر تو ایک بہترین جوہر شناس، مردم شناس ایڈمنسٹریٹر عرصے سے چھپا ہوا تھا جس کے بارے میں اسے علم ہی نہ تھا۔ یہ تو اللہ کا کرم ہوا کہ وہ الیکشن جیت گیا اور اس بہانے اپنی چھپی ہوئی صلاحیتوں سے واقف ہو گیا ورنہ وہ چھپا ہوا ایڈمنسٹریٹر اطمینان سے چھپا ہی رہتا۔

ذہنی کام کے علاوہ بعض دیگر مشکلات بھی درپیش تھیں۔ جس میں سرِ فہرست امدادی ٹیم کے ارکان کا چناؤ تھا۔ یہ کام نہایت توجہ طلب تھا کہ ایسے افراد درکار تھے جو نہ صرف کام کی اہلیت و صلاحیت رکھتے ہوں، بلکہ اس سے کہیں زیادہ اس بات کی اہمیت تھی کہ ان پر سربراہِ خانہ انحصار کر سکے۔ یعنی ایسے افراد نہ ہوں جو حکومت کے کاموں پر نکتہ چینی یا اعتراضات کریں۔ بلکہ ایسے افراد جو ہر حال میں ساتھ دینے والے، دفاع کرنے والے اور حکومت کے ہر کام کو درست قرار دینے والے ہوں۔ ظاہر ہے انہوں نے اپنی امدادی ٹیم تشکیل دینی تھی، نہ کہ اپوزیشن۔ ویسے بھی قرائن سے یہی ثابت تھا کہ اپوزیشن پہلے ہی وافر موجود تھی۔ اسی غرض سے جب زوار ولید کے پاس گیا اور اس کے اوپر احسانِ عظیم کرنے والے انداز میں اسے امدادی ٹیم کا رکن بننے کا عہدہ پیش کیا تو ولید نے مسکرا کر انکار کر دیا۔ یہ کہتے ہوئے کہ 'میں نے تو ابّو کو ہی ووٹ دیا تھا، اور اب بھی میں یہی سمجھتا ہوں کہ یہ کام ابّو پر ہی سجتا ہے'۔

'سوچ لو! یہ آفر بار بار نہیں ملے گی۔ وہ تو تم میرے بھائی ہو اس لیے میں نے خاص طور پر چاچو سے سفارش کی کہ تمہیں بھی اپنی ٹیم میں شامل کر لیتے ہیں'، جیت کا نشہ ابھی بھی زوار کے سر پر چڑھا ہوا تھا، وہ مزید اترا کر بولا، 'ویسے بھی تمہیں چاہیے کہ اب ہماری گڈ بکس میں رہا کرو۔ میرے خیال میں سیاست میرے لیے اچھی فیلڈ ہے۔ دیکھو آج اس گھر میں ہماری حکومت قائم ہوئی ہے، کل کو کیا پتہ اس ملک میں ہو جائے، تو پھر میں تمہیں لاہور تحفے میں دے دوں گا'۔

'لاہور شاید تم نے اپنے جوتے کا نام رکھا ہوا ہے، جو مجھے تحفے میں دے دو گے۔ لیکن شکریہ! مجھے نہ تمہارا جوتا چاہیے اور نہ عہدہ، میرے خیال میں، میں اپوزیشن میں ہی ٹھیک ہوں'، ولید سنجیدگی سے جواب دے کر دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گیا تھا اور وہ اپنا سا منہ لیے واپس عمیر کے کمرے کی جانب چل دیا۔

نئے سال کی پہلی رات کو عمیر نے اپنی فتح کا جشن منایا۔ گو کہ فتح کی خوشی میں دی جانے والی دعوت ہاشمی ہاؤس کی روایات کے مطابق بہت پُر تکلف تو نہ تھی لیکن عمیر کی پارٹی کے ذوق کے عین مطابق تھی۔ باہر سے لارج سائز کے کتنے ہی پزا آرڈر کروائے گئے، ان کے ساتھ چپس اور نگٹس گھر میں تل لیے گئے۔ میٹھے میں سب کے لیے آئسکریم تھی، ٹھنڈی، میٹھی اور وافر۔ نہ چٹنی کا تکلف نہ رائتہ کا جھنجھٹ، بس سیدھی سادی دعوت تھی۔ گھر کے بڑوں نے تو بس برائے نام ہی کھایا، کسی کا ذوق نہیں تھا اور کسی کو پزا میں موجود بے تحاشا کیلوریز کی فکر تھی، مگر بچوں نے کھایا اور خوب کھایا۔ کھانے کے بعد عمیر نے تمام اہلِ خانہ سے خطاب کیا، دعوت کی طرح اس کا خطاب بھی مختصر سا تھا۔ خود پر اعتماد کرنے اور ہاشمی ہاؤس کی سربراہی کے لیے چننے پر وہ سب کا بے حد مشکور تھا اور ان سے عہد کرتا تھا کہ ان کو کبھی اپنے چناؤ پر پشیمانی نہیں ہو گی۔

ساتھ ہی ایک مختصر سا روڈ میپ بھی گھر والوں کے گوش گزار کیا۔ نئی حکومت کی امدادی ٹیم مشتمل تھی پانچ افراد پر: نذیر (مشیر برائے امورِ خارجہ)، نبیلہ (وزیرِ داخلہ)، اویس (وزیرِ اداریات)، جاوید ہاشمی (وزیرِ مالیات) اور زوار ہاشمی (مشیرِ خاص)۔ جاوید ہاشمی صاحب نے عمیر کی درخواست پر کہ وہ مالیاتی معاملات میں اس کی مدد کریں، ابو بکر صاحب سے مشورہ کیا تھا، اور انہی کے کہنے پر کہ 'کوئی تو عقل کی آواز بھی ہو عمیر کی ٹیم میں'، اس کی درخواست قبول کر لی تھی۔ روڈ میپ نئی حکومت کی جانب سے چند سفارشات پر مبنی تھا۔

1. گھر کی کل آمدن کے دو حصّے کیے جائیں، ایک حصّہ تینوں بڑے بھائیوں میں تقسیم کیا جائے کہ وہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی ضروریات پر اپنی مرضی سے خرچ کریں اور دوسرا حصّہ سربراہِ خانہ کے تصرّف میں دیا جائے تاکہ وہ پورے گھر کی فلاح و بہبود پر خرچ کرے۔

2. ہاشمی ہاؤس کے دونوں حصّے اپنے ذاتی معاملات میں آزاد و خود مختار ہوں گے، البتہ جو چیزیں یا وسائل سب کے مشترکہ استعمال کے ہیں، وہ بلا واسطہ طور پر سربراہِ خانہ کی زیرِ نگرانی اور نگہداشت ہوں گے، جیسے بجلی، پانی، گیس، سفری اخراجات اور ٹیلی کمیونیکیشن وغیرہ۔

3. ہر پندرہ روز کے بعد گھر میں پارلیمان کا اجلاس ہو گا جو گھر کو درپیش مسائل و معاملات کو سب کے صلاح مشورے سے حل کرے گا۔

چونکہ تازہ تازہ قائم ہوئی جمہوریت ابھی بالکل نومولود ہے اور یہ پہلی حکومت ہے جس کا تجربہ بھی صفر ہے، لہٰذا تمام اہلِ خانہ سے درخواست ہے کہ حکومت کا ساتھ دیں، بڑوں سے گزارش ہے کہ رہنمائی کریں اور غلطیوں اور کوتاہیوں سے صرفِ نظر اور درگزر کر کے اس تجربے کو کامیاب بنائیں۔ سربراہِ خانہ اور اس کی ٹیم ہاشمی ہاؤس اور اس کے اہالیان کی بہتری کے لیے ہر دم کوشاں رہیں گے۔

فطری طور پر اباجی، ابو بکر صاحب، عثمان صاحب، ولید اور سربراہِ خانہ اور اس کی ٹیم نے مل کر پارلیمان تشکیل دی۔ تھوڑی سی ردو قدح کے بعد پارلیمان نے یہ تمام تجاویز منظور کر لیں۔

دنیا میں اگر کوئی چیز ایسی ہے جو کسی بھی خوشی، غم، چھوٹے بڑے کسی بھی قسم کے حادثہ یا سانحہ، کسی بھی طرح کی تبدیلی یا انقلاب کا اثر قبول کیے بغیر، آنکھیں بند کیے اپنی رفتار سے چلتا رہتا ہے تو وہ شاید وقت ہے۔ صفحۂ دنیا پر رونما ہوتے واقعات دیکھ دیکھ کر کبھی تو ستارے بھی ٹوٹ کر گر جاتے ہیں، جلتے بجھتے ہیں، کبھی تو سورج بھی شرما کر بادل اوڑھ لیتا ہے، کبھی تو چاند بھی مدھم ہو جاتا ہے، مگر ایک وقت ہے، جو گونگا بہرا بنا بس اڑتا ہی چلا جاتا ہے۔ دن اور رات کا پہیہ گھومتا رہتا ہے، جو کل تھا، وہ آج مفقود ہے، جس کے بارے میں کل کوئی تصور تک نہ تھا، وہ آج کی نمایاں حقیقت ہے، اور آج جو ساری بساط بچھی ہے، کل یہ سب جو اس قدر اہم ہے، کسی کے خواب و خیال بلکہ وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا۔ نئی حکومت نے ہاشمی ہاؤس کا نقشہ ہی بدل دیا تھا۔ اور یہ سب مرہونِ منت تھا اس ایک شخص کا جسے ابھی چند ماہ پہلے تک وہ سب ہی کام چور، مفت خور، نکما اور نادان سمجھتے تھے۔

اے بلاک، ماڈل ٹاؤن میں واقع ہاشمی ہاؤس، انگریزی حرف 'ایل' کی شکل میں تعمیر ہوئے دو حصّوں پر مشتمل تھا۔ دونوں حصّوں کا اندرونی طرزِ تعمیر بالکل ایک سا تھا۔ اور اس 'ایل' کی گود میں گھر کا وسیع و عریض اور خوبصورت لان تھا۔ گو کہ یہ لان پہلے بھی خوبصورت تھا لیکن اس سال کے آغاز میں ہی گھر میں برسرِ اقتدار آنے والی حکومت نے اسے خصوصی توجہ دی تھی۔ لان کی تمام گھاس اکھاڑ کر نئی، ملائم کارپٹ گراس بچھائی گئی تھی۔ گھر کی چار دیواری کے بیرونی جانب الٹاشوک کے درخت ایک قطار میں لگے ہوئے تھے، جو گھر کو خوبصورتی اور پردہ، دونوں فراہم کرتے تھے۔ اب گیٹ سے لے کر گھر کی دیوار تک، جو دو دیواریں لان کا احاطہ کرتی تھیں، ان پر سدا بہار بیلیں چڑھائی گئی تھیں۔ جہاں دونوں دیواریں ملتی تھیں، وہاں پہلے ایک ننھی سی پہاڑی ہوا کرتی تھی جس پر رنگارنگ پھولوں کی پنیریاں موسم کے اعتبار سے اپنی بہار دکھاتی تھیں۔ اب وہ پہاڑی وہاں سے ختم کر دی گئی تھی اور بقیہ لان کی طرح یہاں بھی ملائم گھاس بچھا دی گئی تھی۔ البتہ لان کے اس کونے میں دیوار پر ہری بیلوں کی بجائے پھولدار بیلیں لگائی گئی تھیں۔ دونوں دیواریں جہاں ملتی تھیں وہاں لوہے کا ایک محراب نما جال سہارے کے طور پر لگایا گیا تھا اور اس پر اس خوبصورتی سے بیلیں چڑھائی گئی تھیں کہ وہ مکمل طور پر ڈھک گیا تھا اور اس کونے میں ایک کنج سا بن گیا تھا۔ اس کنج کے اندر ایک بڑا سا خوبصورت مغلئی انداز کا جھولا لگایا گیا تھا جو لان کی خوبصورتی اور شان و شوکت کو چار چاند لگا رہا تھا۔

دیوار کے ساتھ ساتھ کیاریاں بنی ہوئی تھیں جس میں رنگ رنگ کے پھولوں کی پنیریاں لگائی گئی تھیں۔ لان کا دوسرا سرا، جو چپس کے فرش سے ملتا تھا، اس پر ایک قطار میں پھولوں کے گملے یوں رکھے گئے تھے کہ صحن سے لان کا راستہ مکمل طور پر کاٹ دیا گیا تھا۔ اب لان میں داخل ہونے کے لیے لوہے کے دو محراب نما دروازے نصب کر دیے گئے تھے، ان دروازوں پر بھی خوبصورتی سے بیلیں چڑھائی گئی تھیں۔ لان کے بعد چند فٹ کی ہی جگہ تھی، اس کے بعد 'ایل' کی شکل میں ہی بنا برآمدہ تھا جو دونوں گھروں کو آپس میں ملاتا بھی تھا اور جس میں گھر کے اکثر کمروں کی کھڑکیاں اور دروازے کھلتے تھے۔ اسی برآمدے کے ایک سرے پر بیٹھک تھی اور دوسرے سرے پر اباجی کا کمرا۔ برآمدے کے ہر ستون کے ساتھ اب ایک گملا رکھا تھا جس میں لگائی گئی بیل کی ننھی ننھی شاخیں دھاگوں کی مدد سے ستون پر چڑھائی گئی تھیں۔ صرف اسی پر بس نہیں تھی بلکہ برآمدے کی چھت پر بنی چھوٹی سی آرائشی چلمن کے ساتھ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کتنے ہی ہینگنگ پلانٹس لگائے گئے تھے جو فضا کو خوبصورتی اور تازگی بخش رہے تھے۔

جس وقت گھر کے 'خد و خال' پر یہ محنت کی جا رہی تھی اس وقت بہت سوں نے ناک بھوں چڑھائی تھی اور اس ساری محنت کو فضول خرچی اور اسراف قرار دے کر نکتہ چینی کی تھی۔ مگر آتی بہار کے پہلے جھونکوں کے ساتھ ہی جیسے ہی کونپلیں کھلنا شروع ہوئیں، اور دھیرے دھیرے بڑھتی ہوئی بیلوں نے دیواروں اور ستونوں کو ڈھانپنا شروع کر دیا، گھر کی فضا مہکنا شروع ہو گئی اور روز بروز کھلتے نئے نئے پھولوں نے چمن کے رنگوں اور رونق میں اضافہ کرنا شروع کر دیا تو نہ صرف سبھی کے اعتراضات دم توڑ گئے بلکہ اکٹھے بیٹھنے اور محفل جمانے کے

لیے لان سبھی کی پسندیدہ جگہ بن گیا۔ اور وہ جھولا جو سب سے زیادہ تنقید کا نشانہ بنا تھا، حالانکہ سربراہِ خانہ نے اعلان کیا تھا کہ وہ گھر کے بجٹ سے نہیں بلکہ سربراہ کی 'ذاتی جیب' سے خریدا گیا تھا اور پورے گھر کے لیے ایک 'تحفہ' تھا، وہ امتیازی حیثیت حاصل کر گیا۔

پچھلے تین ماہ میں ہاشمی ہاؤس کے صرف بیرونی حصّے پر توجہ نہیں دی گئی تھی، بلکہ اندرونی حصّے میں بھی کئی تبدیلیاں آئی تھیں۔ گو کہ یہ تبدیلیاں اتنی نظر آنے والی نہیں تھیں بلکہ انتظامی نوعیت کی تبدیلیاں تھیں۔ گھر کے کاموں میں مدد کرانے والی 'آپا جی' طفیل ہاشمی صاحب کے آبائی گاؤں سے تعلق رکھتی تھیں، اور عرصے سے ہاشمی ہاؤس میں ان کے ساتھ ہی رہائش پذیر تھیں۔ ان کا بیٹا نذیر جو پہلے گھر کے تمام 'اوپر' کے کام سرانجام دیتا تھا، اب صرف ڈرائیوری کے لیے مختص کر دیا گیا تھا۔ اس کی بیوی سلمیٰ اور والدہ آپا جی گھر کے کاموں میں خواتین کی مدد کراتی تھیں۔ اب سرونٹ کوارٹر میں ان کے پڑوس میں ایک نئی فیملی بھی آکر بس گئی تھی۔ گھر کا عیسائی مالی پرویز، جو پہلے صرف جز وقتی ملازم تھا اب ہاشمی ہاؤس میں مستقل بنیادوں پر رہائش پذیر تھا۔ اس کی بیٹی لبنیٰ گھر کی صفائی ستھرائی کی ذمّہ دار تھی اور بیٹا سلطان، اب ان تمام کاموں کے لیے جوابدہ، جو پہلے نذیر کے ذمّے ہوتے تھے۔ ملازموں میں اضافہ کرنے سے گھر کے کام اب پہلے سے زیادہ منظم اور باسہولت انداز میں انجام تک پہنچائے جاتے تھے۔ بلکہ پورا گھر ہی پہلے سے زیادہ صاف ستھرا، اور خوشحال محسوس ہوتا تھا۔

آج پارلیمان کا اجلاس تھا۔ وہ سب اباجی کے کمرے میں جمع تھے۔ بالعموم پارلیمان کا جلسہ ایک مزیدار نشست ہوتی تھی جس میں زوار سب کے سامنے گھر کی تازہ ترین صورتحال پیش کرتا، اپنی ٹیم کی کاوشوں کا ذکر کرتا اور درپیش مسائل بھی سب کے سامنے بیان کرتا تاکہ سب غور کریں اور کسی نتیجے پر پہنچنے میں مدد دیں۔ اس کے بعد پارلیمان میں موجود اپوزیشن حکومت کی کارکردگی پر تنقید یا تحسین، حسبِ موقع کرتی اور تمام معاملات پر سب لوگ اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے۔ گو کہ ابو بکر صاحب کسی کے سامنے یہ اعتراف نہ کرتے تھے مگر وہ درحقیقت ان اجلاسوں سے بہت لطف اندوز ہوتے تھے۔ ہر دفعہ وہ بھرپور حصّہ لیتے، حکومتی کارکردگی پر جی بھر کے تنقید بھی کرتے اور خوب ڈھیر ساری حوصلہ افزائی بھی، کہ عمیر اور اس کی ٹیم ان کی توقعات سے بڑھ کر محنت کر رہی تھی۔ مگر معمول کے برعکس، آج ایسا نہیں تھا۔ پچھلی دو نشستوں سے پارلیمان میں جو مسئلہ زیرِ غور تھا وہ انہیں سخت کوفت اور بیزاری میں مبتلا کیے دے رہا تھا اور ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ درخواست اور درخواست گزار، دونوں کو اٹھا کر کمرے سے باہر پھینک دیں۔

نبیلہ، جو کہ پارلیمان کی واحد خاتون رکن تھی، پورے جوش و خروش سے اپنی دائر کردہ درخواست کے حق میں دلائل دے رہی تھی۔ 'میں ایک بار پھر آپ سب کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرانا چاہوں گی کہ بلاشک وشبہہ یہ ایک انقلابی قدم ضرور ہے، اور ہم اس تبدیلی اور انقلاب کے ممکنہ برے اثرات سے خائف ہیں، مگر اس درجہ خوف کہ اس کے ثمرات سے بالکل ہی آنکھیں بند کر لیں، کسی طور پر بھی مناسب بات نہیں ہے'، وہ لفظ 'ممکنہ' پر زور دیتے ہوئے بولی، 'ہم جانتے ہیں کہ چیزیں خود بری نہیں ہوتیں، یہ تو ان کو استعمال کرنے والے پر منحصر ہے کہ وہ ان کا مثبت استعمال کرتا ہے یا منفی، وہ اس سے شر کشید کرتا ہے یا خیر۔ آپ سب کی نظر میں گھر میں ٹی وی کی آمد فتنہ و فساد کا پیش خیمہ اور وقت کی بربادی ہے، مگر شاید آپ یہ نہیں سوچ رہے کہ ایسا کیوں ہو گا؟ ہم اب ننھے بچے نہیں بلکہ ایک باشعور جمہوری نظام کے تحت رہنے والے باشعور افراد ہیں۔ ہم ٹی وی کارٹون اور فلمیں دیکھنے کے لیے نہیں بلکہ اس لیے خریدنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ ایک تعمیری ٹُول ہے۔ اس سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، حالاتِ حاضرہ سے آگاہی وواقفیت حاصل ہوتی ہے۔ دنیا کے ساتھ اپ ٹو ڈیٹ رہنے سے ذہنی صلاحیتوں کو بھی جِلا ملتی ہے اور انسانوں کی تعمیری صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ سب تو سٹڈیز سے ثابت ہے۔ پھر صرف یہی نہیں بلکہ اکٹھے بیٹھ کر ٹی وی بینی سے خاندان کی یکجہتی میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور آپس میں بانڈنگ (تعلق) پیدا ہوتی ہے'۔

'یہ سب تو ٹھیک ہے نبیلہ مگر ہم پچھلے جلسے میں اس کے مفاسد بھی گنوا چکے ہیں، وہ بھی کوئی چھوٹی فہرست نہیں تھی'، ابو بکر صاحب ناپسندیدگی اور بیزاری سے بولے۔

'جی، مجھے یاد ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ ٹی وی کی آمد سے بہت سی شرعی حدود اور تعلیمات کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ جیسے موسیقی سننا، مرد و زن کا اختلاط، وقت کی بربادی وغیرہ۔ لیکن یہاں میں یہ کہنا چاہوں گی کہ آپ کے اعتراضات میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا حل موجود نہ ہو۔ ہم بیک وقت ٹی وی کے فوائد و ثمرات سے فیض یاب بھی ہو سکتے ہیں اور اس کے مفاسد سے بھی بچ سکتے ہیں، ہمیں بس تھوڑی سی قانون سازی کی ضرورت ہو گی'، نبیلہ نے جواب دیا۔

'ہاں، موسیقی کا مسئلہ تو بہت آسانی سے حل کیا جا سکتا ہے کہ ریموٹ کنٹرول کے ذریعے آواز بند کر دی جائے'، زوار نے بھی گفتگو میں حصّہ لیا۔

'اور جہاں تک وقت ضائع ہونے کی بات ہے تو میرے خیال میں ہمیں وقت کی حد بندی کرنی چاہیے کہ ان اوقات میں ٹی وی دیکھا جائے گا اور اس کے بعد نہیں'، نبیلہ بولی۔

'وہ تو ٹھیک ہے بچو مگر خود ٹی وی کی شرعی حیثیت کیا ہے، یہ بھی تو دیکھو ناں، علما کیا کہتے ہیں۔ اس کو گھر میں لانا جائز بھی ہے یا نہیں۔'، عثمان صاحب ہمیشہ کی طرح نرمی سے بولے۔

'اس میں چاچو علما کا اختلاف ہے، مگر میری تحقیق کے مطابق، کسی بھی عالم نے ٹی وی کو، یعنی بذاتِ خود ٹی وی کے وجود کو، حرام قرار نہیں دیا۔ اس پر دکھائے جانے والے چینلز پر ضرور تنقید ملتی ہے، مگر یہ تو ہمارے اختیار میں ہے ناں کہ ہم کون سا چینل دیکھتے ہیں اور کون سا نہیں۔ بلکہ اس میں تو اتنی آسانی ہے کہ چینلز کو سروس پرووائڈر کے ذریعے مستقل بنیادوں پر بند بھی کروایا جا سکتا ہے'، نبیلہ کا ہوم ورک مکمل تھا۔

(باقی صفحہ نمبر 106 پر)

سوشل میڈیا کی دنیا سے......

یہاں درج فاضل لکھاریوں کے تمام افکار سے 'ادارہ نوائے افغان جہاد' کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

ٹرک کی کس بتی کے پیچھے بھاگیں؟فیض اللہ خان نے لکھا

قوم کو پچیس برس احتساب و بدعنوانی وغیرہ جیسے ٹرالروں کے پیچھے سرپٹ دوڑائے رکھا، آخر میں ڈِیل کرکے باہر بھیج دیا۔ نواز شریف کے باہر جانے سے احتساب کے تابوت میں بڑی کیل ٹھک گئی، زرداری کے نکلنے سے تابوت اس بیانیے کے ساتھ دفن ہو جائے گا......

رہا علاج، بخدا صوفی محمد کو نواز شریف سے لاکھ درجے زیادہ علاج اور توجہ کی ضرورت تھی لیکن اس شخص کو تب رہا کیا گیا، جب موت میں چار چھ دن باقی بچے تھے......

اپنی دلچسپی بس اتنی سی ہے کہ اسلامی نظام و کرپشن کے بعد اب ہمیں کس ٹرک کی بتی کے پیچھے بھاگنا ہے ؟؟؟

بُزدار محنت کرکے ملک کو ٹھیک کر رہا ہے|عاصم اظہر نے لکھا

ایک بحری جہاز ڈوب رہا تھا۔ ایک گھبرائے ہوئے انگریز نے عرشے پہ کھڑے ایک سردار سے پوچھا یہاں سے زمین کتنی دور ہے ؟

سردار نے کہا تقریباً ایک میل۔

انگریز نے فٹا فٹ شرٹ اتاری اور سمندر میں چھلانگ لگاتے ہوئے پوچھا، کس طرف کوووو؟؟؟

سردار نے دونوں ہاتھوں کا بھونپو بنا کے منہ پہ رکھا اور چلّایا، تھلّے نوں ں ں ں ں......(نیچے کی طرف)

بے پناہ محنت سے ملک کو درست سمت کی جانب گامزن کر دیا ہے، بُزدار۔

پاکستان نے بھی مقبوضہ کشمیر کی خصوصی حیثیت ختم کر دی|مہتاب عزیز نے لکھا

بھارت کے بعد پاکستان نے بھی مقبوضہ کشمیر کی خصوصی حیثیت ختم کر دی ہے۔

بھارتی دار الحکومت دِلّی کے پاکستانی ہائی کمیشن میں مقبوضہ کشمیر کے درجنوں شہری ویزا کے منتظر ہیں لیکن سفارتی عملہ تعاون نہیں کر رہا۔

اطلاعات کے مطابق کشمیریوں کو بتایا جا رہا ہے کہ مقبوضہ کشمیر کی خصوصی حیثیت ختم ہونے کے بعد اب ویزا کی خاطر کشمیریوں کو وہی طریقۂ کار اختیار کرنا ہو گا جو دیگر بھارتی شہری پاکستانی ویزا حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتے ہیں۔

یاد رہے ریاست کی خصوصی حیثیت ختم ہونے سے قبل مقبوضہ ریاست سے پاکستان آنے کے خواہش مند کشمیریوں کو الگ سے ٹریٹ کیا جاتا تھا۔

ہڈی پہ لڑائی|عابی مکھنوی نے لکھا

پاکستانی سیاست کبھی حق اور باطل کا معرکہ نہیں رہی، اس میں ایک ہڈی پر چند_____ لڑتے ہیں۔ اور ہڈی جیتنے والے کو شیر ہونے کا وہم ہو جاتا ہے!!

خان صاحب بڑے پیارے آدمی ہیں|عبید خان نے لکھا

خان صاحب بڑے پیارے آدمی ہیں۔

جو کہتے ہیں انیس بیس کے فرق سے کر دکھاتے ہیں!

خان صاحب نے پاکستان سے تیل نکالنے کا عندیہ دیا تھا، اب وہ تیل چاہے پاکستان سے نکلے یا پاکستانیوں سے......

انیس بیس کے فرق سے بات تو ایک ہی ہے......ماشاء اللہ!

★★★★★

خواہشِ قرب میں

حافظ ابن الامام

خواہشِ قرب میں سر اپنا کٹائیں ہم بھی
قُلزُمِ خون میں پھر ڈوب کے جائیں ہم بھی

بے نیازی ہے اگر شیوۂ دلبر اے دل!
سر ہتھیلی پہ لیے اُن کو منائیں ہم بھی

آتشِ ہجر سے دل تونے کیا خاکستر
برقِ دیدار سے نظروں کو جلائیں ہم بھی

چھوڑ کر اُلفتِ اموال و متاعِ دنیا
جنتِ خلد میں گھر اپنا بسائیں ہم بھی

شدّتِ ظلم میں غزواتِ نبیؐ یاد آئے
لشکرِ کفر میں اک حشر اُٹھائیں ہم بھی

قبضۂ کفر میں بہنیں ہوں تو پھر کیا سوچیں
جان و تن وار کے بہنوں کو چھڑائیں ہم بھی

آہ یہ وقت! کہ حرمین پہ دشمن قابض
خوابِ غفلت سے مسلماں کو جگائیں ہم بھی

کب سے ہے برکتِ اسلام کی دنیا پیاسی
غلبۂ دین سے یہ پیاس بجھائیں ہم بھی

تیری امّت کی ترے بعد ہوئی کیا حالت؟
پیشِ حضرتؐ یہ خبر جا کے سنائیں ہم بھی

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

﴿کچھ تم مداہنت کرو تو یہ بھی مداہنت کریں!﴾

جو شخص بھی حق کی دعوت لے کر اٹھے گا، اس سے ضرور دشمنی کی جائے گی! لیکن اگر کفار کے مددگار اور اللہ کی شریعت سے ہٹ کر فیصلے کرنے والے کسی شخص سے دشمنی نہیں کر رہے...... تو یقیناً ایسا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج اور طریقے پر گامزن نہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسولوں کے منہج کے مطابق آپ بات کریں تو آپ سے دشمنی نہ کی جائے، اللہ کے دشمن تو اہلِ حق سے تبھی راضی ہوتے ہیں جب وہ مداہنت و مصالحت کرنے پر تیار ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ﴾ (سورۃ القلم:۹)

”یہ تو چاہتے ہیں کہ کچھ تم مداہنت کرو تو یہ بھی مداہنت کریں۔“

اگر آپ یہ چاہیں کہ ان ظالموں کے ساتھ آپ کی قربتیں بھی برقرار رہیں اور ساتھ ہی ساتھ آپ کی ذاتی عبادات بھی جاری رہیں، جو ان کے باطل طور طریقوں سے نہ ٹکرائیں، پھر تو یہ واقعتاً آپ کو نہیں چھیڑیں گے۔ البتہ اگر آپ کی خواہش یہ ہو کہ دین سارے کا سارا اللہ کے لیے خالص ہو جائے، تو اس کا واحد راستہ ہجرت و جہاد ہی ہے......!

محسنِ امت الشیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ